

سے صرف مریض اور مسافر کو تو روزہ مؤخر کرنے
کی اجازت ہو گئی باقی ہم سب کو روزہ ہی رکھنے
کا حکم ہو گیا اور افطار کر کے فدیہ کی اجازت
نہ رہی۔

مَنْ أَيَّامٍ أُخِرَ فَكَانَتْ
الرَّخْصَةُ لِلْمَرِيضِ وَالْمَسَافِرِ
وَأَمَرْنَا بِالصِّيَامِ -
(تفسیر ابن جریر طبری ص ۵۷ ج ۲)

یہی مضمون بخاری شریف اور اکثر کتب تفسیر میں موجود ہے۔ اس مضمون کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد تمام
روایتیں بے تکلف منطبق ہو جاتی ہیں اور آیت کا صحیح مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلے کُتِبَ
عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخِرَ ط۔ کا حکم نازل ہوا اور
اس سے رمضان کے روزے فرض ہوئے مگر مریض اور مسافر کو اجازت ہوئی کہ اگر مرض اور سفر کی وجہ سے افطار
کریں تو بعد میں اتنے ہی دن روزے رکھ لیں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم چونکہ روزوں کے عادی
نہیں اگر مشقت کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں تو اسکی مکافات کی کیا صورت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ۔ کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے
ہیں مگر مشقت کی وجہ سے افطار کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اسکی اجازت ہے کہ افطار کر لیں اور ایک فقیر
کا کھانا دے دیں لیکن بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھیں۔ وَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ۔ اس کے بعد جب حضرات صحابہ کرامؓ روزہ کے خوگر ہو گئے اور روزہ رکھنا ان پر شاق اور گراں نہ
رہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ
الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ یعنی جب رمضان المبارک
کا مہینہ آئے تو ہر شخص پر روزہ رکھنا فرض اور لازم ہے اب کسی کو اسکی اجازت نہیں رہی کہ مشقت کی وجہ
سے روزہ افطار کر لے اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دے البتہ مریض اور مسافر کو اجازت دی گئی کہ مرض
اور سفر کی وجہ سے روزہ افطار کرے اور بعد میں اسکی قضا کر لے وہ اجازت اسی طرح اب بھی باقی ہے
فقط افطار اور فدیہ کی رخصت منسوخ ہوئی ہے مریض اور مسافر کی رخصت منسوخ نہیں ہوئی حضور سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی حکم اور اسی پر عمل درآمد رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین
سے یکراں تک تمام علماء اور فقہاء کا فتویٰ اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا یہی عمل رہا۔

یہاں پہنچ کر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کا
عطف پہلے جملہ پر ہے اور یہ جملہ پہلے کے ساتھ غایت درجہ مربوط اور متعلق ہے
ایک شبہ

لہذا یہ کہنا کہ اَوَّلُ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کا حکم نازل ہوا اور جب صحابہ نے شدت اور مشقت
کی شکایت کی تو یہ دوسرا جملہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ۔ نازل ہوا اس جملہ کو پہلے کلام سے جدا

روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت فدیہ کا نسخ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ہے اور بعض روایات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آیت فدیہ کا نسخ وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ کی آیت ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرات محدثین بسا اوقات اپنے مدعا کے ثابت کرنے کے لیے آیت کا ابتدائی حصہ نقل کر کے چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ آیت کے ابتدائی حصہ کو مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن درحقیقت اس سے پوری آیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ تم اس آیت کو اخیر تک پڑھ جاؤ محل استشہاد خود تمہارے سامنے آجائے گا۔ اور تم خود ہی اسکو متعین کر لو گے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے ”باب ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ“ میں یہی حدیث لانے کے بعد استشہاد میں آیت لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولُوْا وُجُوْهُکُمْ الْحَاقِ لَکُمْ کَرَّهَیْ دِی۔ حالانکہ آیت کے اس ابتدائی جملہ کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس آیت کو اخیر تک پڑھ لو۔ اور جب تم وَ اَتٰی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہِ پر پہنچو گے تو موقعہ استدلال خود تمہارے سامنے آجائے گا اسی طرح وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ سے فقط یہی الفاظ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ تم اس آیت کو اخیر تک پڑھنے چلے جاؤ اور جب تم فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ پر پہنچو تو محل استدلال کو سمجھ لو اور متعین کر لو کہ فدیہ کا اصل نسخ اس آیت سے ہوا ہے۔ وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اسکی تہید تھی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ دونوں ہی آیتیں حکم فدیہ کی نسخ ہیں۔ یعنی ہر آیت سے فدیہ کا نسخ معلوم اور مفہوم ہوتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ میں لفظ خیر واقع ہوا ہے جو استحباب اور فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وجوب اور لزوم پر دلالت نہیں کرتا۔ لہذا وہ گزشتہ تخییر کے لیے کسے نسخ ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ خیر کا لفظ کبھی وجوب اور لزوم کے موقع پر بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے وَلَا تَقُولُوْا ثَلٰثَہٗ اِنْ تَسْتَهْوٰۤا خَيْرًا لَّکُمْ۔ تثلیث سے باز آ جانے کو خیر فرمایا حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں کہ جائز تو تثلیث بھی ہے مگر ترک تثلیث سے افضل اور بہتر ہے اس آیت میں خیر کا لفظ شر کے مقابلہ میں ہے فرض اور واجب کے مقابلہ میں نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

اور علماء کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ اس گروہ نے آیت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

دوسرا گروہ

پہلی توجیہ یہ ہے کہ یُطِیْقُوْنَ۔ کا مادہ طاقت ہے جسکے معنی کسی پر نہایت مشقت اور محنت کے ساتھ قادر ہونے کے ہیں۔ اور سہولت قادر ہونے کو

توجیہ اول

”وُشِعَ“، کہتے ہیں تو اب آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جو لوگ روزہ رکھنے پر بدقت تمام قادر ہوں جیسا کہ شیخ کبیر اور عجز یعنی بہت بوڑھا مرد اور بہت بوڑھی عورت۔ ان کے لیے اجازت ہے کہ روزہ افطار کر لیں اور اس کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دیں اور اس معنی کی تائید ایک قرأت سے بھی ہوتی ہے جو عبد اللہ بن عباس رضی

سے منقول ہے۔ وہ یہ کہ بجائے یطیقونہ کے یَتَطَوَّقُونَ اور یَطَوَّقُونَ۔ پڑھتے تھے جسکے معنی "بہ تکلف" اور بہ مشقت روزہ رکھنے کے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ یطیقونہ کی قرارت کے بھی یہی معنی لیے جائیں تاکہ دونوں قرارتیں مطابق اور ہم معنی ہو جائیں۔ رہا یہ سوال کہ یطیقونہ کا لفظ باعتبار لغت کے بھی اس معنی کا تحمل ہو سکتا ہے یا نہیں سو اس کے لیے علامہ زنجیزی کا کلام پیش کر دینا کافی ہے کہ جو لغت عربیت میں عرب اور عجم کا مستم شیخ اور امام ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

وہجوزان یكون هذا معنی
یطیقونہ ای یصومونہ جہدہم
وطاقتہم ومبلغ وسعہم
(کشاف ص ۲۴۸ ج ۱)

اسکے بعد غایت سے غایت کوئی یہ کہے گا کہ یہ معنی مجازی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں حقیقی معنی مراد لینا اگر متعذر ہوں تو بالاجماع مجازی معنی مراد لینا ضروری ہو جاتے ہیں۔ جس کے شواہد قرآن کریم اور حدیث نبوی اور کلام عرب میں بے شمار ہیں اور قرینہ مجاز اس مقام پر یہ ہے کہ تمام امت محمدیہ کے علماء اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک صحیح سالم تندرست آدمی کے لیے ہرگز اجازت نہیں کہ وہ فی یوم ایک مسکین کو کھانا دے کر روزہ سے رستگاری حاصل کر لے ورنہ روزہ کا حکم فقط غبار و فقر کی حد تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور امر اور اغیار تمام کے تمام فدیہ دیکر روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یطیقون سے پہلے ایک لام مقدر ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ یُسَکِنُ اللہُ لَکُمُ اَنْ تَصِلُوْا۔ میں بالاتفاق لا تَصِلُوْا کے معنی مراد ہیں اور لا مقدر ماننے کی تائید ایک قرارت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت حفصہؓ نے لَا یُطِیْقُوْنَہُ پڑھا ہے۔ حضرت اہل علم کشف الاسرارؒ بزدی ص ۱۵۱ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

دوسری توجیہ

۱۔ کشف الاسرار کی عبارت یہ ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَ عَلٰی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہُ فِدِیۃٌ طَعَامُ مَسْکِیْنٍ۔ کان ذلک فی بداء اسلام فرض علیہم الصوم ولم یتعودہ فاشتد علیہم فرخص لہم فی الافطار و الفدیۃ و قرأ ابن عباس یطوقونہ ای یکفونہ علی جہد منہم و عسر و هم الشیوخ و العجائز و حکم هؤلاء الافطار و الفدیۃ و هو علی هذا الوجه غیر منسوخ و ہجوزان یكون هذا معنی یطیقونہ ای یصومونہ جہدہم و طاقتہم و مبلغ و سعہم کذا فی الکشاف و ذکر فی التیسیر و فی قراءة ابن عباس و علی الذین یطوقونہ ای یتکفونہ فلا یطیقونہ و فی قراءة حفصہ و علی الذین لا یطیقونہ و قیل هو الشیخ الفانے فعلی هذا لا یكون منسوخا فانه حکم ثابت مجمع علیہ۔ کذا فی کشف الاسرار ص ۱۵۱ ج ۱۔

تیسری توجیہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے اس آیت کی ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”میرے نزدیک یطیقونہ کی ضمیر مفعول، صوم کی طرف راجع نہیں۔ بلکہ یہ ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔ جو گو لفظوں میں مؤخر ہے مگر رتبہ مقدم ہے کیونکہ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُونَ خبر مقدم ہے اور فدیہ بتدار مؤخر ہے اور طعام مسکین بتدار سے بدل ہے۔ پس جس طرح بتدار رتبہ مقدم ہے اگرچہ لفظوں میں مؤخر ہے۔ اسی طرح بتدار کا بدل بھی رتبہ مقدم ہوگا۔ اور فدیہ سے مراد صدقۃ الفطر ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے روزوں کی فرضیت بیان فرمائی اور اس آیت میں روزوں کے بعد صدقۃ الفطر کا ذکر فرمایا۔ اور اس سے اگلی آیت میں روزوں کے بعد تکبیرات عید کی طرف اشارہ فرمایا وَلْتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰکُمْ اَب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو روزہ دار کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں رمضان گزرنے کے بعد وہ صدقۃ الفطر بھی ادا کریں۔“

یہ کہ اگر یہ آیت صحیح اور تندرست کے بارے میں ہے تو منسوخ ہے اور اگر شیخ فانی اور عاجز کے حق میں ہے تو آیت محکم ہے اور شیخ فانی اور عاجز کے لیے اب بھی یہی حکم ہے۔



وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي

پکارتے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے تو چاہیے کہ حکم مانیں میرا

وَلْيَوْمِنُوآبِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

اور یقین لادیں مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں

ترغیب دُعا بعد تلقین تکبیر و ثنار

قال تعالیٰ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ... لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ گزشتہ آیات میں اللہ کی تکبیر اور ثنار کا بیان تھا اب اس آیت میں دعا کا بیان ہے کہ دعا سے

حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور دعا سے پہلے تکبیر اور شمار کا بیان اس طرف مشیر ہے کہ دعا کا ادب اور طریقہ یہ ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور پھر اپنی حاجت کی درخواست کی جائے انبیاء کرام کا یہی طریقہ رہا ہے اور عجب نہیں کہ اس طرف بھی اشارہ ہو کہ ماہ رمضان قبولیت دعا کا مہینہ ہے اسکو غنیمت سمجھو دعا کو روزہ کے ساتھ خاص مناسبت اور خاص تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ دار کی دعا بہ نسبت غیر روزہ دار کے زیادہ قبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں بکثرت آیا ہے۔ اس لیے احکام صیام کے دوران میں دعا کا ذکر نہایت مناسب ہوا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب استفسار کریں آپ سے میرے بندے میرے متعلق کہ ہمارا پروردگار ہم سے قریب ہے یا بعید اگر قریب ہے تو اس سے مناجات کریں اور اگر دور ہے تو ہم اس کو پاکیں تو آپ انکے جواب میں میری طرف سے یہ کہہ دیجئے کہ تحقیق میں تو تم سے بہت ہی نزدیک ہوں تمہاری جان اور وجود سے بھی زیادہ قریب ہوں تمکو دیکھتا ہوں اور تمہاری آواز بلا تشویش علیحدہ علیحدہ سنتا ہوں تم مجھ کو نہیں دیکھتے اس لیے تم مجھ کو دور سمجھتے ہو ورنہ حقیقت میں میں تم سے بہت قریب ہوں۔ دعا کر نیوالے کی دعا قبول کرتا ہوں جس وقت بھی وہ مجھ سے درخواست کرے بشرطیکہ وہ مناسب بھی ہو اور کسی حکمت اور مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے اِنَّہٗ تَدْعُوْنَ فَيُكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْہٖ۔ انشاء اللہ۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو دعا کو منظور کرتا ہے ورنہ نہیں۔ پس گزشتہ آیت کو جو اجابت دعا کے حق میں مطلق ہے اس دوسری آیت پر جو مقید ہے محمول کرنا چاہیئے۔ پس بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر یقین لائیں تاکہ رشد اور ہدایت پائیں اور میں بے نیاز اور غنی مطلق ہوں اور پھر بندوں کی درخواست سنتا ہوں اور اے بندو! تم میرے من کل الوجوہ محتاج ہو تمکو چاہیئے کہ میرا قرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی ہر حاجت میرے سامنے پیش کرو اور میری باتوں پر یقین رکھو اور میرے احکام کو قبول کرو۔ اللہ سے مانگنا یہی ہدایت اور رشد کا راستہ ہے۔

جس طرح حق تعالیٰ کی ذات اور صفات بے چون و چگون ہے اور محیطہ عقل سے بالاتر ہے اسی طرح اسکا قرب بھی بے چون و چگون ہے۔

ف (۱)

حال تو نزدیک تو دور می ازو ۛ قرب حق لا چوں بدانی اے عمو

دعا کا مقتضی تو یہی ہے کہ قبول ہو کیونکہ حق تعالیٰ جو ادا اور کریم ہیں اور ہر شے پر قادر

ف (۲)

ہیں، ابو داؤد اور ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا پروردگار بڑا حیا والا اور کرم والا ہے جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ اسکو خالی ہاتھ واپس کر دے۔ انتہی۔ لیکن اگر بندہ ہی آداب دعا اور شرائط قبولیت کو ملحوظ نہ رکھے تو مستحق قبولیت نہیں ہوتا۔ مثلاً دعا مانگنے میں حدود سے تجاوز نہ کر جائے یا جوش میں آکر قطع رحمی یا کسی کی ہلاکت اور بربادی کی دعا مانگنے لگے اور اللہ کے علم میں مقدر ہو چکا ہے کہ یہ شخص آئندہ چل کر اسکا دوست بن جائیگا اور اس بد دعا کرنے والے کو طرح طرح کے فائدے پہنچائے گا تو اس دعا کا قبول نہ کرنا اسی کے حق

میں مفید ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً
إِنَّكُمْ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ

اپنے پروردگار سے عاجزی اور پوشیدگی
کے ساتھ دعا مانگو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔
اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ جو سفر میں ہے اور پرانہ بال اور آشفستہ حال ہے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے (یعنی قبولیت دعا کے اسباب مجتمع ہیں) لیکن حالت یہ ہے کہ کھانا بھی اسکا حرام ہے اور پینا بھی حرام کا اور لباس بھی حرام کا اور غذا بھی حرام کی پھر کہاں دعا قبول ہو۔ (مسلم) حاصل یہ نکلا کہ اگر یہ موانع نہ ہوتے تو دعا ضرور قبول ہوتی کسی شے کے وجود کے لیے فقط اسباب کا مجتمع ہو جانا کافی نہیں بلکہ ارتفاع موانع بھی لازم ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ قبولیت دعا کے معنی یہ ہیں کہ دعا بھی کبھی ضائع نہیں ہوتی یا تو اللہ تعالیٰ اس کی مانگی ہوئی چیز عطا فرما دیتے ہیں یا دنیا میں کوئی آنے والی بلا اور مصیبت دور ہو جاتی ہے یا آخرت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں تاکہ وہاں اسکو اس سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر عطا فرمائیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر مراد خاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا ہم قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ
إِنْ شَاءَ -

اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور فرما دیتے
ہیں جس کے زائل ہونے کی تم دعا مانگتے
ہو۔ اگر چاہیں۔ یعنی اگر منشا نہ ہوگا تو پھر
مصائب کو دفع نہ کریں گے۔

یا آیت کے یہ معنی ہیں کہ میں دعا مانگنے والوں کی آواز اور پکار کو سنتا ہوں۔ بتوں کی طرح غائب نہیں بلکہ بندہ جو مجھ کو پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں اور بلیک یا بعدی کہتا ہوں۔ غرض یہ کہ آیت میں اجابت کے معنی قبولیت کے نہیں بلکہ پکار سننے اور جواب دینے کے معنی ہیں۔ رہا یہ امر کہ تمہاری آرزو پوری کروں گا یا نہیں۔ آیت میں اس سے کوئی تعرض نہیں ہے۔

دعا مانگنا اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرنا اور شے سے اور محض زبان سے الفاظ دعا کا
پڑھ لینا اور شے ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خوب سمجھ لو۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ

حلال ہوا تم کو روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے

هٰنَ يَبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ يَبَاسٌ لَّهٖ ط عَلِمَ اللّٰهُ

وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی اللہ نے معلوم

اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ

کیا کہ تم اپنی پھوری کرتے تھے سو معاف کیا تم کو اور

عَفَا عَنْكُمْ ؕ فَاَلَنْ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ

درگزر کی تم سے پھر اب ملو ان سے اور چاہو جو لکھ دیا

اللّٰهُ لَكُمْ مَّ وَكُلُّوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ

اللہ نے تمکو اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آوے

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

تمکو دھاری سفید جلا دھاری سیاہ سے فجر کی

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الْاَيْلِ

پھر پورا کرو روزہ رات تک

حکم چہارم متعلق بہ سحر و افطار

قال تعالى - اُحِلَّ لَكُمْ كَيْلَ الْبَيْتِ الصِّيَامِ الرَّفْعُ .. اِلَى .. ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الْاَيْلِ
ابتداء اسلام میں سونے سے پہلے کھانے اور پینے اور عورتوں سے جماع کرنے کی تو اجازت تھی لیکن
اگر سو جانے کے بعد آنکھ کھلے تو پھر اجازت نہ تھی۔ بعض صحابہ بغیر کھاتے پیتے سو رہے اور اسی طرح روزہ
رکھ لیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری ہوئی اور بعض سونے کے بعد عورتوں سے صحبت کر بیٹھے اور
بعد میں سخت نادم اور پشیمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے۔ اس
وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم منسوخ ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں جائز اور حلال کر دیا گیا تمہارے لیے روزے
کی رات میں اپنی عورتوں سے مشغول ہونا جیسے روزہ دار کے لیے شب میں کھانا اور پینا جائز کر دیا گیا اسی

پر تمام امت کا اجماع ہے کہ خط ایض سے صبح صادق مراد ہے۔
 فجر تک جماع کی اجازت ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جنب صبح صادق کے بعد غسل جنابت
 کرے تو اسکا روزہ صحیح ہے۔ جنابت روزہ کے منافی نہیں۔

(۳)

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ ط

اور نہ لگو ان سے جب اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

یہ حدیں باندھیں اللہ کی سو انکے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان کرتا

اللَّهُ آيَتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کو شاید وہ بچتے رہیں

حکم پنجم در بارہ اعتکاف

قال تعالى وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ ... إلخ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ط
 روزہ کے بعد اعتکاف کے مسائل بیان فرماتے ہیں۔ اسی وجہ فقہاء کرام کتاب الصوم کے بعد کتاب
 الاعتکاف لاتے ہیں اقتداءً بالقرآن الحکیم۔ اور مت ہاتھ لگاؤ اپنی بیبیوں کو اس حالت میں کہ جب تم
 مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ اگرچہ تم کسی ضرورت سے مسجد سے باہر نکلے ہو اور خواہ دن ہو یا رات ہو
 بہر حال اعتکاف کی حالت میں بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ روزہ اگرچہ غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے لیکن
 اعتکاف دن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اعتکاف رات اور دن دونوں ہی کا ہوتا ہے۔ اور معتکف اگرچہ کسی ضرورت
 استنجا وغیرہ کی بنا پر مسجد سے باہر آجائے لیکن حکماً وہ مسجد ہی میں معتکف اور مقیم ہے اس لیے معتکف کو مسجد
 سے باہر جا کر بھی صحبت کی اجازت نہیں۔ یہ تمام احکام اللہ کے حدود ہیں جو حلال و حرام میں حد فاصل ہیں پس
 ذرہ برابر ان سے تجاوز نہ کرو بلکہ انکے قریب بھی نہ جاؤ۔ قریب جانے سے اندیشہ ہے کہ کہیں حدود ممنوعہ
 میں داخل نہ ہو جاؤ دین کی برارت اور نراہت اگر چاہتے ہو تو شبہات سے بھی بچو۔ اسی وجہ سے ارشاد
 ہے وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ چہ جائیکہ اس کو ہضم کر جاؤ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو لوگوں کے لیے واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اللہ کی حدود ممنوعہ میں داخل ہونے سے بچتے رہیں۔ اپنے قدم کو معصیت کی حدود سے بچائے رکھنے ہی کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

ف(۱) | حالتِ اعتکاف میں بیوی سے مباشرت حرام ہے۔ مباشرت سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔
ف(۲) | وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سوائے مسجد کے کسی اور جگہ صحیح نہیں۔

ف(۳) | اعتکاف ہر مسجد جماعت میں درست ہے کسی مسجد کی خصوصیت نہیں اس لیے کہ آیت میں لفظ مساجد عام ہے۔ امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ سوائے مسجد جمعہ کے کسی اور مسجد میں اعتکاف درست نہیں۔

ف(۴) | اعتکاف رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں سنت مؤکدہ ہے مگر سنت کفایہ ہے محلہ یا شہر میں بعض کے اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے سب پر لازم نہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْثُوا بِهَا إِلَى

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں

الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِإِلَازِمٍ

تک، کہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال میں سے مارے گناہ

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

کہ اور تم کو معلوم ہے

حکم ششم منع از مال حرام

قال تعالى وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ... الی وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔
 گزشتہ آیات میں روزہ اور دعا کا ذکر تھا اس آیت میں حرام مال کے کھانے کی ممانعت ہے اشارہ اس طرف ہے کہ روزہ اور دعا کی قبولیت کے لیے اکل حلال شرط ہے۔ نیز پہلے افطار اور سحری کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ افطار اور سحری حلال روزی سے ہونا چاہیئے نیز اصلی مقصود روزہ سے طہارت

نفس ہے تو جب طہارت نفس کیلئے روزہ میں حلال مال کے استعمال کی اجازت نہ رہی تو حرام مال کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ حلال مال سے روزہ تو صرف تیس دن کا ہے اور حرام مال سے روزہ مدت العمر کے لیے ہے یعنی ساری عمر کا صوم وصال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور مست کھاؤ ایک دوسرے کے مال ناحق طریقہ سے ہر ایک کو چاہیئے کہ دوسرے کے مال کو اپنا مال سمجھ کر حفاظت کرے اور مست لے جاؤ مال کے جھوٹے مقدمے حکام کی طرف اس غرض سے کہ کھا جاؤ لوگوں کے مال کا ایک حصہ ظلم اور ستم اور فریب کے ذریعہ سے اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم اس معاملہ میں حق پر نہیں رشوت دیکر اپنے موافق فیصلہ کر لینے سے وہ مال تمہارا نہیں ہو جاتا وہ مال لوگوں ہی کا مال رہتا ہے۔ جیسا کہ لفظ اموال الناس سے مفہوم ہوتا ہے یعنی باطل فیصلہ سے وہ مال لوگوں کی ملک سے نہیں نکلتا جو اسکے اصل مالک ہیں۔ البتہ حکام چونکہ حقیقت حال سے واقف نہیں ظاہر حال کے موافق فیصلہ کر دیتے ہیں۔ وہ معذور ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر حاکم ظاہراً شریعت کے موافق فیصلہ کر دے اور دل سے کسی جانب اس کا میلان نہ ہو تو اسکو عند اللہ اجر ملے گا اگرچہ وہ فیصلہ فی نفسہ ناحق اور گناہ ہو۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ قضا و قاضی سے کوئی حرام شے حلال نہیں ہو جاتی جیسا کہ بخاری و مسلم میں ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تمہاری طرح بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے جھگڑے اور مقدمے فیصلہ کرانے کے لیے لاتے ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اظہار مدعا میں دوسرے سے زیادہ کُستان اور فصیح اللسان ہوں اور میں اس کے ظاہری بیان اور برہان پر اسکے موافق فیصلہ کر دوں تو تم کو چاہیئے کہ اگر میں شہادت کے اعتبار سے اسکو دوسرے مسلمان بھائی کا حق دلا دوں تو اسکو ہرگز نہ لو کیونکہ حقیقت میں میں نے اس کو آگ کا انگارہ دے دیا ہے۔

اور یہی تمام علماء کا مذہب ہے کہ یہ مال اس پر حرام ہے اور قضا و قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نافذ نہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ املاک مرسلہ میں قضا و قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نہیں یعنی جس صورت میں مالک کی پہلے سے ملک ثابت ہو۔ وہاں اگر کوئی جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی شہادت کے ذریعہ سے اپنے موافق فیصلہ کر لے تو وہ شے اسکے لیے حلال نہ ہوگی لیکن اگر عقود اور فسوخ میں قاضی نے کوئی فیصلہ کر دیا تو قاضی کا حکم ظاہراً (یعنی دنیوی احکام) اور باطناً یعنی عند اللہ یکساں طور پر نافذ اور جاری ہوگا۔ عقود سے معاملات مثل بیع و شرا و اجارہ و نکاح مراد ہیں۔ اور فسوخ سے معاملات کا فسخ کرنا اور توط نامراد ہے۔ جہور علماء اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف ہیں امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو گواہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی دی کہ فلاں شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہو گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ عورت اس مرد کو دلا دی جائے۔ اس عورت نے کہا اے امیر المؤمنین! میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا اگر آپکو یہی منظور ہے تو میرا

نکاح اسکے ساتھ پڑھا دیجئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ان گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا۔ واللہ اعلم۔ یہ عورت پہلے سے کسی کی منکوحہ نہ تھی اس لیے یہ شہادت زور نکاح کے لیے کافی سمجھی گئی۔ اور اگر کسی کی منکوحہ ہوتی تو بالا جماع اس کے لیے حلال نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ کے نزدیک عقود و منوح سے اس قسم کی صورت مراد ہے۔



يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ

تجھ سے پوچھتے ہیں چاند کا نیا نکلا تو کہہ یہ وقت ٹھہرے ہیں واسطے لوگوں کے

وَالْحَجَّةُ ط

اور واسطے حج کے

حکم، مقیم اعتبار حساب قمری

قال تعالى يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّةُ ط
گزشتہ آیات میں روزہ اور افطار اور سحر کا ذکر تھا جس کا تمام تر تعلق رویت ہلال سے ہے اس لیے ان آیات میں رویت ہلال کے مسائل کو ذکر فرماتے ہیں لوگ آپ سے چاندوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہلال اول باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا بڑھتا بدر کا مل ہو جاتا ہے۔ آپ اس سوال کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یہ تغیر اور تبدل لوگوں کے دینی معاملات میں اوقات مخصوصہ اور مدت معینہ معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں اور خصوصاً حج اور روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے لیے یعنی اس سے حج اور روزہ اور عدت کے ختم ہونے اور قرض وغیرہ کے معاملات کی مدت اور وقت کا علم ہوتا ہے قمری حساب کا جاننا نہایت آسان ہے ہر شخص چاند کے حساب سے تاریخ شمار کر سکتا ہے شمسی حساب کے لیے جنتری درکار ہے ہر کس و ناکس شمسی حساب کو نہیں سمجھتا۔ علم ریاضی میں بغیر کمال حاصل کیے شمسی حساب کا سمجھنا ممکن نہیں اور چاند کا حساب قدرتی اور آسان ہے جو سہولت قمری حساب میں ہے وہ شمسی حساب میں نہیں اس لیے شریعت نے حج اور روزہ اور زکوٰۃ اور عدت وغیرہ کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے۔ حج اور زکوٰۃ میں قمری حساب کا اعتبار ہے شمسی حساب کا اعتبار نہیں بشریعت میں ہمینہ اور سال قمری ہی مقبر ہے اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لیے فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ دنیوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال جائز ہے لیکن اگر سب کے سب قمری حساب کو ترک کر دیں تو گنہ گار ہوں گے جیسا کہ فرض علی الکفایہ کا حکم ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ پھت پر سے

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

لیکن نیکی وہی جو کوئی بچتا رہے اور آؤ گھروں میں دروازوں سے

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم مراد کو پہنچو

حکم شتم اصلاح بعض رسوم جاہلیت

قال تعالى وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا... الى... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ کہ
گزشتہ آیت میں حج کا ذکر تھا۔ آئندہ آیت میں حج کے متعلق جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح
فرماتے ہیں۔ بخاری میں برابر بن عازب سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ
جب احرام باندھ لیتے تو گھروں میں دروازوں سے نہ داخل ہوتے بلکہ مکان کی پشت کی طرف سے داخل
ہوتے (لقب لگا کر یا سیڑھی لگا کر) اور اسکو فضیلت اور قربت سمجھتے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت
نازل فرمائی۔ اور اس میں کوئی فضیلت اور پرہیزگاری نہیں کہ تم حالت احرام میں گھروں میں پشت کی جانب
سے آیا کرو لیکن نیکی اور بزرگی یہ ہے کہ حالت احرام میں خاص طور پر اللہ کے محرمات سے بچے اور جب تم کو
گھروں میں آنے کی ضرورت ہو تو دروازوں کی طرف سے آؤ اور احکام خداوندی میں تغیر اور تبدل سے بچتے
رہو۔ کسی شے کو اپنی رائے سے طاعت اور معصیت سمجھ لینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ امید ہے کہ تم اپنی مراد کو
پہنچو گے۔

مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا جائز اور مباح ہے لیکن اسکو عبادت اور
نیکی سمجھنا بدعت ہے۔ بشریعت کی نظر میں وہ بر اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا
کہ کسی مباح کو نیکی اور بزرگی سمجھ لینا یہ بدعت ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر کام کو اپنے طریقہ سے کیا کرو۔

اطلبوا الارزاق من اسبابها

وادخلوا الابيات من ابوابها

اور اس معنی پر آیت کا ماقبل سے ایک لطیف ربط ہو جاتا ہے کہ بے محل اور لایعنی سوال (جیسا کہ تم نے ہلال کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق کیا) اسکی مثال ایسی ہے جیسے مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا۔



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

اور زیادتی مت کرو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ

اور مارو انکو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو

مِّنْ حَيْثُ أَخْرِجُوكُمُ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

جہاں سے انہوں نے تمکو نکالا، اور دین سے بچلانا مارنے سے زیادہ ہے

وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ

اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام پاس جب تک

يُقْتَلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قُتِلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ

وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو

كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ

یہی سزا ہے منکروں کی پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقَتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

بخشنے والا مہربان ہے اور لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد

وَيَكُونَنَّ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا

اور حکم رہے اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو زیادتی نہیں مگر

عَلَى الظَّالِمِينَ ۝۱۹۳ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ

بے انصافوں پر حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے کے اور

الْحُرْمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا

ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَ

اس پر زیادتی کرو جیسے اس نے زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝۱۹۴

اور جان رکھو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے

حکم نہم متعلق بہ قتال کفار

قال تعالى وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ۖ... وَالْعِلْمُ أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝
گزشتہ آیات میں حج اور روزہ کے لیے خاص خاص مہینہ کا ہونا بیان فرمایا کہ سوائے ان ایام مقررہ کے
دوسرے ایام میں حج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ملت ابراہیمی میں یہ حکم تھا کہ چار مہینوں میں قتل و قتال حرام
ہے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب یہ چار مہینے اشہر حرام کہلاتے تھے۔ اور یہ چاروں مہینے اس کے
کہلاتے تھے۔ ان دنوں میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی تھی اور کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا تھا
اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ الحرام سالہ میں صحابہ کی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ عمرہ
کا قصد فرمایا جب مکہ مکرمہ پہنچے تو مشرکین مکہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور مکہ میں
داخل ہونے سے روک دیا۔ بالآخر اس پر صلح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدون عمرہ کیے ہوئے
واپس ہو جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سال آئندہ ماہ ذی قعدہ الحرام سالہ میں
مع اصحاب عمرہ القضاء کے لیے مکہ تشریف لائے تو اندیشہ ہوا کہ اگر مشرکین مکہ اس ماہ حرام میں خلاف عہد

ہم سے لڑنے پر تیار ہو جائیں تو ہم کیا کریں اور شہر حرام اور بلد حرام میں کیوں کر لڑیں اس پر آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو مگر ابتداء اور زیادتی تمہاری طرف سے نہ ہونی چاہیئے۔

چونکہ گزشتہ آیات میں حج کا ذکر تھا۔ حج کی مناسبت سے عمرہ حدیبیہ اور زمانہ حج اور عمرہ میں قتال کا حکم بیان فرمایا اس کے بعد پھر دور تک احکام حج کے بیان کا سلسلہ چلا گیا۔ اصل مقصود عمرہ حدیبیہ کے متعلق حکم بتلانا تھا۔ شہر حرام اور حالت احرام میں جہاد و قتال کا حکم عمرہ اور احرام کی تبعیت میں ذکر فرمایا اس لیے اس حکم کے بعد پھر حج کے احکام بیان فرمائے اور بے تکلف لڑو تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور حدود و شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی ماہ حرام اور سرزمین حرام میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو اور بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کو نہ قتل کرو اور نہ کسی کا مثلہ کرو یعنی ناک، کان وغیرہ نہ کاٹو اور نہ کسی کی آنکھ پھوڑو یہ سب حد سے تجاوز کرنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور اگر وہ خود حد سے تجاوز کریں اور عہد شکنی کریں اور تم سے لڑیں تو پھر تم انکو مارو جہاں کہیں بھی پاؤ حل میں یا حرم میں اور نکال دو انکو جہاں سے انہوں نے تم کو تنگ کر کے نکالا ہے یعنی مکہ سے یعنی تم کو اتنا ستیا کہ تم نکلنے پر مجبور ہو گئے ایسے لوگوں کو جہاں کہیں بھی پاؤ مارو اور یہ خیال نہ کرو کہ ماہ حرام اور سرزمین حرام میں کیسے قتل و قتال کریں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کا فتنہ اور اعداء اللہ کا غلبہ اور انکی شوکت کا فتنہ اور مفسدہ سرزمین حرام میں قتل و قتال اور اخراج کے فتنہ سے کہیں زیادہ سخت ہے ماہ محترم میں مار ڈالنا اتنا گناہ نہیں جتنا کہ خود علی الاعلان کفر و شرک کرنا اور دوسروں کو دین حق سے بچلانا اور گمراہ کرنا گناہ ہے قتل میں تو مصلحتیں اور منفعتیں ہو سکتی ہیں لیکن کفر اور شرک سرشار شریض ہے۔ اس میں کسی مصلحت اور منفعت کا امکان ہی نہیں لہذا تم اس کفر کے شر اور فتنہ کے ازالہ کے لیے کمر بستہ رہو۔ اور اس کا خاص طور پر لحاظ رکھو کہ مسجد حرام کے قریب ان سے نہ لڑو تا وقتیکہ وہ اس جگہ خود تم سے نہ لڑیں۔ اس لیے کہ مسجد حرام غایت درجہ محترم ہے **هَؤُلَاءِ كَخَلَدٍ كَانَ** اہنا جو مسجد حرام میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ لہذا مسجد حرام اور حرم کا احترام بہت ضروری ہے پس اگر وہ کفار یا سبجار مسجد حرام کی حرمت اور احترام کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے اس مسجد میں قتل و قتال کریں تو پھر تمکو اجازت ہے کہ تم بے کھٹکے انکو مارو ایسے کافروں کی کہ جو حرم کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں یہی سزا ہے یعنی بلاشبہ مکہ جائے امن ہے لیکن جب انہوں نے ابتداء کی اور تم پر ظلم کیا اور محض اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے تمہاری ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تو اب مستحق امن کے نہ ہے جہاں پاؤ مارو پس اگر یہ لوگ اب بھی کفر اور شرک سے باز آجائیں یعنی تمہارے قتل کے بعد کفر سے توبہ کر لیں اور مسلمان ہو جائیں تو ان کی توبہ قبول ہے اور گزشتہ کیا ہوا سب معاف ہے اسلام اور توبہ کے بعد کسی گزشتہ خون کا مواخذہ اور مطالبہ نہ ہوگا اور فقط معافی پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ انعام و احسان اور مہربانی بھی فرماتے ہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور معاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ اسلام اور توبہ کے بعد تمام گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں لیکن حالت

کفر میں رحمت نہیں فرماتے کیونکہ کفر و شرک محل رحمت نہیں بلکہ مورد غضب و لعنت ہے۔ اور اے مسلمانو! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ کفر محل رحمت نہیں تو ان کافروں سے لڑو اور ان اعداء اللہ سے اس وقت تک جنگ کا سلسلہ جاری رکھو جب تک کہ کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد ختم نہ ہو جائے اور خالص حکم اللہ ہی کا چلنے لگے یعنی کفر مغلوب ہو جائے اور اسلام غالب آجائے کہ کفر کو اسلام کے مقابلہ میں مراٹھائی کی مجال باقی نہ رہے اور کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دے اور کفر میں اتنی طاقت نہ رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے کسی دینی یا دنیوی امر میں مزاحمت کر سکے۔ شروع آیت میں اصل قتال کا وجوب بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں جہاد و قتال کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ جہاد سے مقصد کفر کے فتنہ کو ختم کرنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی زمین پر کفر سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں پس اگر یہ کافر شرک اور کفر کے فتنہ اور فساد سے باز آجائیں تو پھر ان سے کوئی زیادتی اور دست درازی نہ کی جاتے اس لیے کہ دست درازی سوائے ظالموں اور ستمکاروں کے اور کسی پر روا نہیں اور شر اور فساد سے باز آ جانے کے بعد ظالم نہیں رہے۔ عمرہ حدیبیہ میں صحابہ کو یہ تردد تھا کہ اگر کفار سے بڑائی کی نوبت آئی جیسا کہ بنی نضیر کا واقعہ ہے تو اگر خاموش رہیں تو مشکل اور اگر ان سے جنگ کریں تو ایک تو سر زمین حرم کی بے حرمتی اور دوسرے ماہ محترم یعنی ذی قعدۃ الحرام کی بے حرمتی ذی قعدۃ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ مہینے اشہر حرم اور اشہر حرام کہلاتے تھے ان میں قتل قتال ممنوع تھا۔ مکان محترم یعنی ارض حرم کے متعلق جو تردد تھا اسکا گزشتہ آیات میں جواب دیا۔ اب ان آیات میں زمان محترم یعنی شہر حرام کی بے حرمتی کا جو تردد تھا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اے مسلمانو! تم کو مکان محترم میں جنگ و جدال کے متعلق جو تردد تھا وہ زائل کر دیا گیا۔ رہا زمان محترم یعنی شہر حرام میں جنگ کے متعلق جو تردد ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت

والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ اور عوض میں ہے اگر وہ اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ اور ادب رکھیں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی اس مہینہ کی حرمت کا ادب اور لحاظ کر کے ان سے نہ لڑو اور وجہ یہ ہے کہ حرمت کی چیزوں میں عوض اور بدلہ ہے یعنی برابری ہے پس اگر وہ اس شہر حرام کا احترام ملحوظ رکھیں تو تم بھی اسکا احترام ملحوظ رکھو اور اگر وہ اس محترم مہینہ کا احترام نہ کریں تو جیسے تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر زیادتی اور دست درازی کی ہے اور زیادتی کا بدلہ لینے میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں زیادتی کا بدلہ لینے میں تم سے زیادتی نہ ہو جائے کہ اپنے حق سے زائد بدلہ لے لو اور مستقبل میں کافروں کے غلبہ کے خطرہ کو خاطر ہی میں نہ لاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم یقین رکھو کہ اللہ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے اور فتح اور کامیابی کا تمام دار و مدار اللہ کی معیت اور اس کی نصرت و حمایت پر ہے اور بغیر تقویٰ اور پرہیزگاری اللہ کی معیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حاصل ان آیات شریفہ کا یہ ہے کہ حدود حرم اور شہر حرام میں تم ابتداء بالقتال نہ کرو اور اگر کفار ابتداء بالقتال کریں

تو تم قتال سے دریغ نہ کرو۔ یہ تمہارا قتل و قتال بلکہ حرام اور شہر حرام کی حرمت کے منافی نہیں جیسے ابتداءً کسی مسلمان کو قتل کرنا روا نہیں لیکن قصاص میں کسی مسلمان کو قتل کرنا خونِ ناحق نہیں کہلاتا۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جہاد کے بارے میں جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے یعنی **فَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا** (۱) ابتداءً میں یہی حکم تھا کہ جو لوگ آپ سے قتال کریں آپ ان سے قتال کریں اور جو آپ سے قتال نہ کریں آپ بھی ان سے قتال نہ کریں۔ بعد میں یہ حکم **اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً** سے منسوخ ہو گیا یعنی تمام مشرکین سے قتال کرو خواہ وہ تم سے قتال کریں یا نہ کریں۔

اور صدیق اکبر اور سعید بن جبیر اور زہری سے منقول ہے کہ سب سے پہلی آیت جو جہاد و قتال کے بارے میں نازل ہوئی وہ سورہ حج کی یہ آیت ہے۔ **اِذْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَايَظَهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ** (۲) الایہ۔

امام ابوبکر رازی فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ ابتداءً بالقتال کرنے والوں سے قتال کی اجازت میں سب سے پہلی آیت **فَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ** اور عام کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت کے بارے میں خواہ وہ ابتداءً بالقتال کریں یا نہ کریں، سورہ حج کی پہلی آیت ہو یعنی تمام کفار سے جہاد و قتال کی اجازت میں پہلی آیت **اِذْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَايَظَهُمْ ظَلَمُوا**۔ الایہ ہو۔ کذا فی احکام القرآن ص ۲۵ ج ۱۔

فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد و قتال ہو۔ قومیت اور وطنیت کی بنیاد پر نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ جو قتال حمیت اور قومیت اور اظہارِ شجاعت کے لیے ہو وہ فی سبیل اللہ نہیں جو قتال محض اس لیے ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ فی سبیل اللہ ہے۔

جمہور ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتل و قتال ابتداءً میں ممنوع تھا بعد میں اجازت ہو گئی مگر بہتر اب بھی ہے کہ اشہر حرم میں ابتداءً بالقتال نہ کی جائے۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آیت کا حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور اب بھی حرم اور اشہر حرم میں ابتداءً بالقتال حرام ہے اور یہی مجاہد کا قول ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ شہر یعنی مکہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے صرف میرے لیے ایک ساعت کے واسطے حلال کر دیا گیا باقی قیامت تک حرام ہے یہاں کا گھانس اور تنکا بھی نہ کاٹا جاوے اور نہ یہاں کا شکار بدکا یا جاوے۔ اور جو لوگ نسخ کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل مسجد حرام میں قتل کیا گیا حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ قتل اس ساعت میں ہوا کہ جس ساعت میں مکہ میں قتل و قتال آپ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا۔



وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِكُمْ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو

إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

ہلاکت میں اور نیکی کرو اللہ چاہتا ہے

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

نیکی والوں کو

○ حکم دہم انفاق فی الجہاد

قال تعالى وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ... إلى... إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔
گزشتہ آیات میں بدنی جہاد کا ذکر تھا ان آیات میں مالی جہاد کا ذکر ہے یعنی جو جان سے کفر و شرک کے فتنہ و فساد کا مقابلہ کر سکے وہ اپنی جان سے کرے اور جو مال سے مقابلہ کر سکتا ہے وہ مال سے مقابلہ کرے۔ خدا کی راہ میں جان کی ضرورت ہو تو جان پیش کرو مال کی ضرورت ہو تو مال پیش کرو اور خدا کی راہ میں جو خرچ کر سکتے ہو وہ خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت اور تباہی میں نہ ڈالو یعنی خدا کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ خدا کی راہ میں جان اور مال سے بخل کرنا اپنے کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ اگر تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو تو تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ اور پھر تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ گے معلوم ہوا کہ جہاد میں جانا ہلاکت اور تباہی نہیں بلکہ جہاد کو چھوڑ بیٹھنا ہلاکت اور تباہی ہے۔ اور نیکی کرو یعنی اپنے اعمال و اقوال و احوال کو خوب صورت بناؤ۔ یا یہ معنی کہ اپنی جانوں پر احسان کرو کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو خدا کی راہ میں خرچ کرنا اپنے ہی اوپر احسان کرنا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر عبادت اور ہر عمل اس طرح کرو کہ گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو

أَلَمْ يَكُنْ لَهُ بَآئِنُ اللَّهِ
کیا انسان کو یہ علم نہیں ہے کہ اللہ دیکھ
رہا ہے۔

بے شک اللہ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

بِأَيْدِيكُمْ أَنْتُمْ هَاتِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ...
اختیار سے کوئی حکم عدولی نہ کرو جو تمہاری ہلاکت کا باعث بنے البتہ اگر بے مقصد

ف

اور بے اختیار کوئی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔ (روح المعانی)
 ابو داؤد اور ترمذی میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے
 میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو فتح دی تو ہم آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ
 نے اسلام کو غلبہ دیدیا (یعنی اب چنناں جہاد کی ضرورت نہیں) لہذا ہمارے جو مال لڑائیوں میں پہلے تباہ
 ہو چکے ہیں انکی کچھ دیکھ بھال کر لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد
 ابو ایوب انصاری ہمیشہ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شہید ہوئے اور قسطنطنیہ کی
 شہر پناہ کے نیچے مدفون ہوئے۔



وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روکے گئے تو جو

مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ

میسر ہو قربانی بھیجو اور حجامت نہ کرو سر کی، جب تک

الْهَدْيُ مَحَلَّةٌ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى

پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں مریض ہو یا اس کو

مِّنْ رَّأْسِهِ فَعِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ

دکھ دیا اسکے سر نے، تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا

نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَىٰ

ذبح کرنا پھر جب تم کو خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ یوے عمرہ ملا کر حج کے

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

ساتھ تو جو میسر ہو قربانی پہنچا دے پھر جس کو پیدا نہ ہو

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ

تو روزہ تین دن کا حج کے وقت میں اور سات دن جب پھر کر جاؤ

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكْ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ

یہ دس ہوتے پورے یہ اس کو ہے جسکے گھر والے نہ

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

ہوں رہتے مسجد الحرام پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ کا عذاب سخت ہے

حکم یازدہم متعلق حج و عمرہ

قال تعالى وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ... الى أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
ماہ صیام کے بعد حج کے پہلے شروع ہوتے ہیں اس لیے روزوں کے بعد حج کا ذکر فرمایا اور پھر
حج کی مناسبت سے حج کے مہینوں میں قتل و قتل کا حکم ذکر فرمایا اب پھر حج اور عمرہ کے بقیہ احکام کو بیان
فرماتے ہیں۔ نیز حج مبرورہ و عمرہ مبرورہ اعلیٰ ترین اعمال میں سے ہے اور انفاق فی سبیل اللہ و احسان الی
العباد کا بہترین عمل ہے جسکا پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے۔ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى
التَّهْلُكَةِ وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور حج اور عمرہ کو خاص
اللہ کے لیے پورا کرو نہ تو شروع کر کے درمیان میں چھوڑو اور نہ حج کا احرام باندھ کر اسکو نسخ کر کے عمرہ
بناؤ جو شروع کیا ہے اسی کو پورا کرو اور حج اور عمرہ کے آداب و سنن کو پورا پورا ملحوظ رکھو بغیر اسکے حج اور
عمرہ ناقص رہے گا اور حج اور عمرہ کا تمام سفر خالص اللہ کے لیے ہو۔ بغیر اخلاص کے عبادت میں حسن
پیدا نہیں ہوتا اور سفر حج میں انفاق فی سبیل اللہ اور احسان سے دریغ نہ کرو سفر حج و عمرہ میں خیرات
کرنے سے اعضا فامضا عفوہ اجر ملتا ہے۔ پس اگر احرام باندھنے کے بعد تم اس حج اور عمرہ کے پورا
کرنے سے روک دیئے جاؤ کہ جس کے تمام کرنے کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور کسی دشمن یا مرض یا خرچ
کے ختم ہو جانے کی وجہ سے یا اور کسی عذر کے پیش آ جانے کی وجہ سے تم بیت الشتر تک نہ پہنچ سکو، تو
ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ فی الحال حج اور عمرہ کو ملتوی کرو اور احرام سے حلال ہونے کے لیے یہ طریقہ

۱۔ اس لفظ سے گزشتہ آیت وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۳

اختیار کرو کہ جو قربانی تم کو میسر آئے اونٹ یا گائے یا بکری کی اور بکری ادنیٰ درجہ ہے اسکو سرزمین حرم کی طرف بھیجو تاکہ وہ قربانی حرم میں ذبح کی جائے اور سرمنڈا کر اس وقت تک احرام کھول کے حلال نہ ہو جب تک کہ وہ قربانی کا جانور اپنے خاص موقع اور محل پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے اور ہدی کے ذبح کا محل اور موقع حرم ہے کما قال تعالیٰ ثُمَّ يَحْمِلُهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ وقال تعالیٰ هَذَا يَابِالْغَةِ الْكَبْبَةِ۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ خون بہانا اس وقت تک عبادت نہیں جب تک کہ کسی خاص مکان یا خاص زمان میں نہ ہو۔ چونکہ یہ زمانہ قربانی کا نہیں اس لیے مکان میں بھیجا ضروری ہوا۔ اس بنا پر محصر کے لیے یہ واجب ہوا کہ اپنی ہدی کو حرم میں بھیجے اور ذبح کے لیے کوئی دن مقرر کر لے تاکہ جب وہ دن آئے تو اس دن سرمنڈا کر حلال ہو جائے اور اس فوت شدہ حج اور عمرہ کی بعد میں قضا کرے۔ پھر اگر تم میں سے کوئی مریض ہو جائے یا اسکے سر میں کوئی تکلیف ہو اور اس بیماری اور تکلیف کی وجہ سے قبل از وقت ہی سرمنڈا نا چاہے تو اس کے لیے اجازت ہے مگر اس پر اس جنایت اور تقصیر کا فدیہ اور بدلہ واجب ہے اس طرح سے کہ یا تو تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ اور خیرات دے اور فی مسکین نصف صاع گہوں یعنی جو صدقہ فطر کی مقدار ہے وہ دے یا کسی جانور کی قربانی دے جسکا اعلیٰ درجہ اونٹ ہے اور اوسط درجہ گائے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے پس جب تم خاطر جمع ہو جاؤ یعنی احصار سے تم کو امن حاصل ہو جائے یا یہ کہ شروع ہی سے تم مامون اور بے خوف ہو تو جو شخص ایام حج میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر نفع حاصل کرنا چاہے یعنی یہ چاہے کہ حج کے زمانہ میں حج بھی کر لوں اور عمرہ بھی کر لوں خواہ دونوں کا احرام ساتھ باندھے یا یکے بعد دیگرے تو بیک وقت ان دو عبادتوں سے متمتع اور منتفع ہونے کے شکر میں اس کے ذمہ قربانی واجب ہے جو بھی میسر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی کہ حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہوا اس نعمت کے شکر میں ایک ہدی واجب ہے جیسی بھی میسر ہو اور جس شخص نے فقط حج یا فقط عمرہ کیا تو اس پر یہ ہدی واجب نہیں پس جو شخص ان ایام میں حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہو لیکن ناداری کی وجہ سے اسکو ہدی میسر نہ آئے تو اسکے ذمہ تین روزے تو زمانہ حج میں واجب ہیں۔ جنکا آخری دن نویں تاریخ ذی الحجہ ہے اور اگر اس سے پہلے ہی تین روزے رکھ لے تو وہ بھی بالاجماع جائز ہیں اور ان تین کے علاوہ سات روزے جب رکھو کہ جب تم حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس ہونے لگو پس یہ پورے دس دن کے روزے ہوتے اور زمانہ حج میں عمرہ اور حج کو ملا کر متمتع اور منتفع ہونے کی یہ اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے قرب و جوار اور اس کے آس پاس رہنے والے نہ ہوں یعنی حدود حرم اور حدود مواقیت سے باہر کے رہنے والے ہوں اور جو لوگ حدود حرم کے رہنے والے ہیں وہ صرف افراد کریں یعنی فقط حج کا احرام باندھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو مبادا کہ حالت احرام میں کوئی جنایت کر بیٹھو۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا والے ہیں۔ احرام کی حالت، دربار کی حاضری کی علامت ہے اور دربار میں حاضر ہو کر جنایت اور معصیت کا مرتکب ہونا سخت جرم ہے۔

الْحَجَّةُ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ ۖ فَسَنَ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ

حج کے کئی مہینے ہیں معلوم۔ پھر جس نے لازم کر لیا ان میں حج

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۖ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط

تو بے پردہ ہونا نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج میں ۔ اور

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ط وَتَزُودُوا

جو کچھ تم کر دو گے نیکی اللہ کو معلوم ہو گی اور خرچ راہ لیا

فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي

کرد کہ خرچ راہ میں بہتر ہے گناہ سے بچنا اور مجھ سے ڈرتے رہو اے

الْأَلْبَابِ ۝۱۹۴ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا

عقلمند ۔ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو

فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ط فَإِذَا أَفَضْتُمْ

فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کو چلو

مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے ۔

وَإِذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ

اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا اور تم تھے اس سے پہلے

لَيْسَ الضَّالِّينَ ۝۱۹۵ ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ

راہ بھولے ۔ پھر طواف کو چلو جہاں سے سب

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۹۶

لوگ چلیں اور گناہ بخشواؤ اللہ سے ۔ اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ

پھر جب پورے کرچکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو، جیسے یاد کرتے تھے

أَبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ط

اپنے باپ دادوں کو، بلکہ اس سے زیادہ یاد۔

شتمہ احکام حج

قال تعالیٰ: الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ الے أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔

(ربط) گزشتہ آیات میں حج اور عمرہ کے اتمام کا ذکر تھا مگر چونکہ عمرہ کے لیے کوئی وقت معین نہیں اور حج کے لیے وقت معین ہے۔ نیز حج عمرہ سے افضل ہے۔ اس لیے آئندہ آیات میں اشہر حج اور آداب حج کو ذکر فرماتے ہیں (بحر محیط) حج کے احرام اور افعال کا وقت چند مہینے معلوم ہیں، شوال اور ذی قعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے باقی اصل ارکان کا وقت یوم عرفہ اور یوم نحر ہے۔ شوال اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ یہ خاص فضیلتوں اور برکتوں کے مہینے ہیں اور عشرہ ذی الحجہ تو اس قدر فضیلت اور برکت والا ہے کہ ایک عشرہ ہی قائم مقام پورے مہینہ کے ہو گیا پس جس شخص نے ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو اس کو چاہیئے کہ احرام اور اشہر حج کا پورا احترام کرے لہذا اس کو چاہیئے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ رفتار سفر سے کوئی لڑائی اور جھگڑا کرے۔ جب تک حج میں رہے ان باتوں کا خاص طور پر خیال رکھے یہ تو ادنیٰ درجہ ہے کہ رفت اور فسوق اور جدال سے بچا رہے۔ اعلیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ نیک کاموں میں لگے رہو۔ حج کے زمانہ میں نیکی کی تاثیر اور بھی قوی ہو جاتی ہے اور کسی خیر کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑ د کوئی معمولی سے معمولی بھی نیکی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا کہ کس درجہ اخلاص اس کی تہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس کے مطابق تم کو اس کی جزا عطا فرمائے گا اور خیر کے سمجھنے میں غلطی نہ کرنا جیسا کہ یمن کے لوگ حج کو بغیر زاد راہ لیے آتے ہیں اور اس کو توکل سمجھتے ہیں اور پھر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں تم کو چاہیئے کہ حج کے لیے زاد راہ لے کر چلو۔ اپنے آپ کو بھیک اور سوال سے بچانا اس خیالی توکل سے کہیں بہتر ہے۔ اور خوب سمجھ لو کہ بہترین زاد راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ اور اپنے آپ کو سوال سے

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک احرام کے لیے نیت کے ساتھ تلبیہ بھی ضروری ہے جیسے نماز میں تکبیر تحریمہ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فقط قلب سے نیت کرنے کا نام احرام ہے تلبیہ شرط نہیں۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں احرام کو لفظ اہلال سے تعبیر کیا ہے اور اہلال کے معنی تلبیہ کے ہیں ۱۲

پہچانا یہ تقویٰ میں داخل ہے سفر آخرت میں اعمال صالحہ اور طاعاتِ نافلہ کا توشہ اس درجہ مفید نہیں جتنا کہ تقویٰ کا توشہ مفید ہے اور ہر وقت مجھ سے ڈرتے رہو اے خالص عقل والو۔ عقلِ سلیم کا مقتضی یہ ہے کہ تقویٰ سے غافل نہ ہو اور بغیر توشہ لیے سفر نہ کرو۔

اباحت تجارت در زمانہ عبادت | توشہ لینا تو کیا توکل کے منافی ہوتا زمانہ حج میں تجارت بھی توکل کے منافی نہیں اس لیے تم پر

کوئی گناہ نہیں کہ تم زمانہ حج میں تجارت کرو اور اللہ کے فضل کو طلب کرو تاکہ وہ تجارت تمہارے لیے موجب سہولت و راحت ہو اور تمہاری عبادت میں موجب اعانت ہو پھر جب تم میدانِ عرفات سے لوٹو تو مزدلفہ میں مشعر حرام کے قریب اللہ کو دل اور زبان سے یاد کرو اور اللہ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم کو ہدایت کی ہے یعنی کفار کی طرح اللہ کے ذکر میں کوئی کلمہ شرک کا نہ ملاؤ۔ خالص اللہ کا ذکر کرو اور تحقیق تم اللہ کی ہدایت اور رہ نمائی سے پہلے گمراہوں میں تھے صحیح راستہ ہمارے بتلانے سے تم کو معلوم ہوا پھر ہم تم کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ حج کے بارے میں گمراہوں کے طریقہ پر نہ چلنا صحیح راستہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے اسی طریقہ پر حج کرنا چونکہ عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے اور مزدلفہ حدودِ حرم میں ہے۔ اس لیے قریش مکہ نے اپنے لیے یہ طریقہ نکال رکھا تھا کہ مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور عام لوگوں کی طرح عرفات میں نہ جاتے اور یہ کہتے کہ ہم اہل اللہ ہیں اللہ والے ہیں۔ اور اس کے حرم کے رہنے والے ہیں اس لیے حرم سے باہر نہ جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم ہوا کہ سب لوگوں کو چاہیے خواہ وہ قریش ہوں یا غیر قریش سب اسی جگہ سے واپس ہوں جہاں سے تمام لوگ واپس آتے ہیں اور سعید بن جبیرؓ کی قرأت میں ہے ثُمَّ ارْفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ثُمَّ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ فَسَوَّيْكُمْ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ یعنی حضرت آدمؑ بھی عرفات سے واپس ہوئے تھے اور پھر مزدلفہ آئے اور پھر وہاں سے منیٰ آئے اس لیے حضرت آدمؑ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ واپسی عرفات سے ہو اور جب عرفات سے واپس ہو تو توبہ اور استغفار کرتے ہوئے واپس ہو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات کی مغفرت کا فرشتوں میں اعلان فرما دیا مگر تم کو چاہیے کہ توبہ اور استغفار سے غافل نہ ہو جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیر کر تین مرتبہ استغفار فرماتے اسی طرح تم کو چاہیے کہ عرفات سے واپسی پر توبہ اور استغفار کرو سابق مغفرت پر مغرور نہ ہو جاؤ عبادت کتنی ہی کامل کیوں نہ ہو مگر ہر حال میں لائق توبہ اور استغفار ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب حج سے فارغ ہو جاتے تو تین روز منیٰ میں قیام کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے آباء و اجداد کے مفاخر اور آثار بیان کرتے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور بجائے اس کے اپنے ذکر کا حکم دیا چنانچہ فرماتے ہیں پس جب تم اپنے افعال حج سے فارغ ہو جاؤ رمی جمرہ اور قربانی اور سر منڈا چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسے ذوق و شوق سے کیا کرو جیسا کہ تم اپنے آباء و اجداد کا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ باپ دادا کا احسان فقط اتنا ہے کہ انہوں نے تم کو پالا اور پرورش کیا مگر وہ

تمہارے خالق نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارا خالق اور سربراہ بھی ہے جس کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ایسے
مبارک مقامات میں اللہ کو یاد کرنا چاہیئے آبار و اجداد کا ذکر بے سود ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا

پھر کوئی آدمی کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں

وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں - اور کوئی

مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي

ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور

الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ أُولَٰئِكَ

آخرت میں خوبی ، اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ یہ لوگ

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ

انہی کو ہے کچھ حصہ اپنی کمائی سے اور اللہ جلد دیتا ہے

الْحِسَابِ ۚ ۚ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ

حساب - اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے۔ پھر جو

تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ

کوئی جلدی چلا گیا دو دن میں اس پر نہیں گناہ اور جو کوئی رہ گیا

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

اس پر نہیں گناہ ، جو کوئی ڈرتا ہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان

أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ۚ

رکھو کہ تم اسی پاس جمع ہو گے ۔

اہل ذکر اور اہل دعا کی اقسام

قال تعالى: فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا... الى... وَاعْلَمُوا أَنكُمُ إِلَٰهِي تَخْشَوْنَ (ربط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا حکم تھا اب اہل ذکر کی اقسام بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ جو فقط دنیا کے طالب ہیں۔ یہ لوگ فقط دنیاوی عزت اور وجاہت اور فقط مال و دولت کی دعا مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی خوبی اور بھلائی خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں ان کو تمام حسنات سے پورا حصہ ملے گا ایک تیسری قسم اور بھی ہے وہ یہ کہ سوائے آخرت کے کچھ نہ مانگے۔ سو اول تو ایسی قسم بہت ہی قلیل اور نادر بلکہ تقریباً معدوم ہے۔ نیز یہ صورت شرعاً بھی پسندیدہ نہیں۔ انسان ضعیف اور ناتواں ہے دنیاوی ضرورتوں سے مستغنی نہیں عبدیت کا مقتضی یہ ہے کہ جوتی کا قسم بھی خدا سے مانگے۔ انسان کو پیدا ہی مانگنے کے لیے کیا ہے۔ نیز انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی یہی ہے کہ تمام دینی اور دنیوی آفتوں سے پناہ مانگے تاکہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکے۔ نیز اللہ سے مانگنا عزت ہے اور مخلوق سے مانگنا ذلت ہے اللہ سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ خدا کے مقرب بنو گے۔ بخلاف مخلوق کے کہ اس سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ اس سے دور ہو گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ پس بعضے لوگ کوتاہ نظر جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایسے متبرک اور مقدس مقامات میں فقط دنیا ہی کی دعا مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو جو کچھ دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے اس شخص نے اگرچہ ہم کو پکارا اور ہم کو یاد کیا لیکن ہمارے گھر میں آکر ہم سے ہم کو نہ مانگا بلکہ دنیا سے دوں کو مانگا اس لیے اس شخص کو جو کچھ دینا ہو گا وہ ہم دنیا ہی میں دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہ ہو گا اور بعضے آخرت کے شیدائی اور فدائی ایسے ہوشیار ہیں کہ دنیا ہی میں آخرت کے طلبگار ہیں اور اپنی دعا میں یہ کہتے ہیں اے پروردگار ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے ایسی بھلائی اور نیکی عطا فرما جو ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہو اور برتر ہو اور تیری خوشنودی اور رضا مندی کا ذریعہ ہو اور آخرت میں بھی ہم کو نیکی اور بھلائی عطا فرما یعنی ثواب اور رحمت سے سرفراز فرما اور عفو اور مغفرت کے ذریعہ ہم کو عذاب و دوزخ سے محفوظ فرما ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں بہت بڑا حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی دعا اور استدعا اور اعمال صالحہ سے کمایا ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔ یعنی قیامت قریب ہے تم اس سے غافل نہ ہو اور ایام تشریق میں اللہ کو یاد کرو جو گنتی کے دن ہیں۔ ایام معدودات سے ذی الحجہ

۱۲۔ یہ ترجمہ حسنہ کی تنوین تنکیر کا ہے۔ نکرہ وہ ہے جو معلوم نہ ہو معرفہ اس کی ضد ہے ۱۲۔

کی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخیں مراد ہیں جن میں تینوں جہروں کی رمی ہوتی ہے بخلاف دسویں تاریخ کے کہ اس میں فقط جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے اس دسویں تاریخ کے علاوہ تین دن مراد ہیں ان دنوں میں منی میں قیام کا حکم ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ نمازوں کے بعد تکبیر کہو اور رمی جمار کے وقت بھی تکبیر کہو اور قربانی کے وقت بھی تکبیر کہو اور دیگر اوقات میں بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور تکبیر پڑھو پس جو شخص منی سے کوچ کرنے میں جلدی کرے اور کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد صرف دو دن منی میں ٹھہر کر بارہویں کو مکہ واپس آجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اس کا حج پورا ہو گیا حج کے ثواب میں کوئی کمی نہ رہے گی اور جو شخص منی میں ٹھہرا رہا اور تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے مکہ واپس آیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ آیت اہل جاہلیت کے رد کے لیے نازل ہوئی بعض لوگ جلدی چلے جانے والے کو گناہ گار سمجھتے تھے اور بعضے تاخیر کرنے والوں کو گناہ گار سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تعجل میں گناہ ہے اور نہ تاخیر میں اگرچہ ادنیٰ اور افضل یہ ہے کہ تین دن قیام کر کے واپس ہو۔ بہر حال تعجل اور تاخیر ہر صورت میں حج مکمل ہو گیا اس کو حج کا پورا ثواب ملے گا اور تمام گناہ اس کے معاف ہو جائیں گے مگر یہ فضیلت اور بہ رعایت اس شخص کے لیے ہے جو اپنے حج میں رقت اور فسوق اور جدال اور دیگر افعال ممنوعہ سے بچتا رہا۔ اور تقویٰ کے لیے حج کی کوئی خصوصیت نہیں ہر کام میں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ تم سب اللہ کے پاس جمع کیے جاؤ گے اور تمام اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ آیت شریفہ میں ایام معدودات سے علاوہ یوم النحر (یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کے علاوہ) تین دن مراد ہیں جن کو ایام تشریق بھی کہتے ہیں یعنی گیارہویں اور بارہویں اور تیرہویں تاریخیں مراد ہیں اور **فَمَنْ تَعَجَّلَ** یعنی **يَوْمَئِذٍ** میں دسویں تاریخ کے علاوہ دو دن یعنی گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ مراد ہیں۔ حضرات اہل علم کے لیے امام قرطبی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

”امراً لله سبحانه وتعالى عبادة بذكره في الايام المعدودات و هي الثلاثة التي بعد يوم النحر وليس يوم النحر منها لاجتماع الناس انه لا ينفر احد يوم النفر وهو ثاثة يوم النحر ولو كان يوم النحر في المعدودات لساغ ان ينفر من شاء متعجلاً يوم النفر لانه قد اخذ يومين من المعدودات خرج الدار قطنی والترمذی وغيرهما عن عبد الرحمن بن يعمر الديلي ان ناساً من اهل نجد اتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بعرفة فسألوه فامر منادياً فنادى بالحج عرفة فمن جاء ليلة جمع قبل طلوع الفجر فقد ادرك ايام منى الثلاثة فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه ومن تأخر فلا اثم عليه اي من تعجل من الحاج في يومين من ايام منى صار مقامه

بمینی ثلاثۃ بیوم النحر ویسقط عنه رمی الیوم الثالث ومن لم
ینفر منها الا فی آخر الیوم الثالث حصل له بمینی مقام اربعۃ ايام
من اجل یوم النحر الخ۔

(کذا فی احکام القرآن للقرطبی ج ۶ ص ۲۰)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اور بعض آدمی ہے کہ خوش آوے تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں ،

وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۚ وَهُوَ

اور گواہ پڑتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ

اللَّهُ الْخَصَّامُ ۚ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

سخت جھگڑالو ہے ۔ اور جب پیٹھ پھیرے ، دوڑتا پھرے ملک میں

يُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ ۚ وَ

کہ اس میں دیرانی کرے ، اور ہلاک کرے کھیتیاں اور

النَّسْلَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُ

جانیں اور اللہ خوش نہیں رکھتا فساد کرنا اور جو کہے اللہ

اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ

سے ڈر تو کھینچ لاوے اس کو غرور گناہ پر پھر بس ہے اس کو دوزخ

وَلَيَبْئَسَ الْيَهُادُ ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي

اور بُری تیاری ہے ۔ اور کوئی آدمی ہے جو بیچتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۚ

اپنی جان تلاش کرتا خوشی اللہ کی اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر

تقسیم دیگر

قال تعالى وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا... وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ (ربط) گزشتہ آیات میں اغراض دعا کے اعتبار سے تقسیم کا ذکر تھا اب ان آیات میں اخلاص اور نفاق کے اعتبار سے لوگوں کی تقسیم بیان فرماتے ہیں۔ پہلے ایک منافق کا حال بیان کرتے ہیں جس کا نام انفس بن شریق تھا۔ یہ شخص بڑا فصیح اللسان اور شیریں بیان اور حسین اور خوبصورت تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بڑی باتیں بناتا اور قسمیں کھاتا کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور جب آپ کے پاس سے جاتا تو فساد پھیلاتا، لوگوں کی کھیتوں کو جلاتا اور موشیوں کو ہلاک کرتا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور بعض آدمی ایسا چرب لسان ہے کہ جب وہ دنیاوی اغراض اور مقاصد کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو آپ کو بھی اس کی بات حیرت اور تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا دل اسلام اور آپ کی محبت سے بربز ہے اور حالانکہ دل اسکا عداوت سے بربز ہے۔ اسلام اور مسلمانوں سے ایسی شدید عداوت اور شدید خصومت رکھتا ہے کہ جگرے میں کسر اٹھا نہیں رکھتا ایسی شدید خصومت سے صاف ظاہر ہے کہ دل میں محبت کا نام و نشان بھی نہیں یہ حال تو دلی عداوت اور خصومت کا ہوا اور شرارت کا یہ حال ہے کہ جب آپ کی مجلس سے پشت پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے کہ زمین میں فساد اور تباہی پھیلائے اور کھیتوں اور موشیوں کو ہلاک کرے اگر حقیقتہً اللہ اور اس کے رسول کا محب ہوتا تو ہرگز ایسے کام نہ کرتا معلوم ہوا کہ محب نہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا مفسد ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور ایسا شخص تو اللہ کا محب ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس مغرور کو خدا تعالیٰ کی کوئی پرواہ نہیں اس کا حال تو یہ ہے کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر اور فساد نہ مچا اور لوگوں کی کھیتوں اور موشیوں کو مت برباد کر تو نخوت اور بڑائی اس کو اور گناہ پر آمادہ کرتی ہے اور ضد میں آکر اور زیادہ فساد برباد کرنے لگتا ہے پس سمجھ لو کہ جس کو تقویٰ اور خدا کے خوف کی نصیحت کافی نہ ہو تو اس کو جہنم ہی کفایت کرے گی۔ اور اس عزت اور نخوت کے بدلہ میں ہمیشہ کی ذلت میں مبتلا رہے گا اور جہنم کا یہ ذلت آمیز قریش بہت ہی بُرا فریش ہے اب آئندہ آیت میں ایک کامل الایمان مخلص کا ذکر فرماتے ہیں یعنی صہیب رضی اللہ عنہ کا جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے آکر گھیر لیا حضرت صہیبؓ نے کہا کہ میں تم کو اپنا تمام مال دے دیتا ہوں تم مجھ کو مدینہ جانے دو۔ قریش نے اس کو منظور کیا اس طرح حضرت صہیبؓ مدینہ پہنچے اور حضور پُر نورؐ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور یہ فرمایا۔

رَبِّحْ بَيْعَكَ يَا أَيُّهَا صِهْبِيُّ
لے ابویحییٰ تیری بیع بہت فائدہ مند ہوئی۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ تیسکر بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشُرِي نَفْسَهُۥٓ الْحَالِ یعنی اور بعض لوگ ایسے عاقل اور دانا ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ عزت اللہ کی راہ میں جانہازی اور سرفروشی اور تذل اور خاکساری سے حاصل ہوتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جان کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب اور تلاش میں کرتے ہیں اس کے سوا اور کوئی عرض نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر جو اس کی راہ میں اپنی جان بھی دے ڈالیں بڑے ہی مہربان ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سچے محب اور مخلص ہیں ان کو اگر خدا تعالیٰ کے تقویٰ کی نصیحت کرے تو ان کا عجب حال ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اَتَقِ اللّٰہَ (اللہ سے ڈرو) حضرت عمرؓ نے فوراً تواضع سے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا۔

ہارون رشید کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی ایک سال تک اپنی ضرورت لے کر ہارون رشید کے دروازہ پر حاضر ہوتا رہا۔ حاجت براری نہ ہوئی۔ ایک دن ہارون رشید محل سے برآمد ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ یہودی سامنے سے آکر کھڑا ہو گیا اور یہ کہا اتق اللہ یا امیر المؤمنین ”اے امیر المؤمنین اللہ سے ڈرو“ ہارون رشید یہ سنتے ہی فوراً سواری سے اتر پڑے اور وہیں زمین پر سجدہ کیا۔ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد حکم دیا کہ اس یہودی کی حاجت پوری کی جائے چنانچہ اسی وقت اس کی حاجت پوری کر دی گئی جب محل واپس ہوئے تو کسی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ ایک یہودی کے کہنے سے فوراً زمین پر اتر پڑے۔ فرمایا کہ یہودی کے کہنے کی وجہ سے نہیں اترتا بلکہ حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد یاد آیا۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰہَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَيْسَ الْمِيزَانُ اس لیے سواری سے اترنا اور سجدہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۹)

فائدہ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشُرِي میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یشری سے بیع یعنی فروخت کرنے کے معنی مراد ہیں اس تفسیر پر ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اپنی جان کو خدا کے ہاتھ معاوضہ جنت فروخت کر دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یشری بمعنی یشتری یعنی خریدنے کے معنی میں ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اعمال صالحہ کر کے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں یعنی خطرات اور فتنہاں چیزوں سے اپنی جان کو بچا لیتے ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ یشری سے بیع کے معنی مراد ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنی جان خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ جان پھر انہی کے قبضہ میں رہنے دیتے ہیں اور جان کی حفاظت انہی کے سپرد کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری امانت ہے بغیر ہماری اجازت کے اس میں کوئی تصرف نہ کرنا۔ نیز بندہ کا اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس کو خریدنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ ظاہراً بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی جان کا مالک ہوں درنہ فی الحقیقت سب چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن عطاء کا قول ہے کہ اِنَّ اَحَدَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط كُونُوا كَرِهُوا شَيْءًا هُوَ كُنْتُمْ تَكْرَهُونَ ۚ فَذَلِكُمُ اللَّهُ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ ۚ وَلَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ۚ
 انفسہم و اموالہم بان کہہم جنت ط کو اس کے عوض جنت ملے گی مگر خواص شرم کے مارے زمین میں گر گئے کہ ہم میں دعویٰ مالکیت کا تھا جب ہی تو اشتراکی فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ

اے ایمان والو! داخل ہو مسلمان میں پورے پورے اور

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

مت چلو قدموں پر شیطان کے، وہ تمہارا صریح دشمن

مُبِينٌ ۚ ۲۰۸ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ

ہے۔ پھر اگر ڈگنے لگو بعد اس کے کہ پہنچے تم کو

الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ ۲۰۹ هَلْ

صاف حکم تو جان رکھو کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ کیا

يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ

لوگ یہی انتظار رکھتے ہیں کہ آدے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں

وَالْمَلَائِكَةُ وَاقِفِينَ ۚ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ۚ ۲۱۰

اور فرشتے اور فیصل ہووے کام۔ اور اللہ کی طرف رجوع ہیں سب کام۔

حکم دوازدهم۔ استسلام تام وقبول جميع احکام اسلام

قال تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ۚ
 (رابطہ) گزشتہ آیات میں ایمان اور اخلاص کا ذکر تھا اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
 ایمان اور اخلاص کا مقتضی یہ ہے کہ دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اسلام میں
 داخل ہونے کے بعد دین سابق یعنی یہودیت اور نصرانیت کی رعایت سے کوئی کام نہ کرو ایک

دین میں داخل ہونے کے بعد دوسرے دین کی طرف بھی نظر رکھنا یہ اخلاص کے منافی ہے۔ نیز جو شخص اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرے اور اس کی رضا اور خوشنودی کا طلب گار ہو اور اس کی اُس خاص رحمت و رأفت کا امیدوار ہو جو عباد مخلصین پر نازل ہوتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اعمال میں قرآن کے بعد توریت اور انجیل کی رعایت نہ کرے ناسخ کے ہوتے ہوئے منسوخ کی رعایت، بدعت اور ضلالت ہے جو باعث عقوبت ہے۔ یہ آیت عبداللہ بن سلامؓ اور دیگر علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہم کو احکام کی تعمیل کے ساتھ اس کی بھی اجازت دے دی جائے کہ شریعت موسویہ کے مطابق ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے رہیں اور توریت کی بھی تلاوت کرتے رہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اسلام میں ظاہراً اور باطناً، اعتقاداً اور عملاً پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اسلام میں کسی اور چیز کو ہرگز نہ ملاؤ مبادا یہودیت اور نصرانیت کی آمیزش سے اسلام کے آبِ طہور کے رنگ یا بویا مزہ میں کہیں فرق آجائے اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو ناسخ کے بعد منسوخ کی رعایت کرنا شیطان کے نشان قدم پر چلنا ہے۔ تحقیق وہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کہ جو چیز دین نہیں اس کو دین بتا کر تم سے کرانا چاہتا ہے اور بدعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جو چیز دین نہ ہو اس کو دین سمجھ لیا جائے ان مومنین اہل کتاب کے دل میں شیطان نے یہ دسوسہ ڈالاکہ شریعت موسویہ میں ہفتہ کی تعظیم واجب ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں اور اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں۔ اس لیے اگر ہم بدستور عملاً ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اعتقاداً اس کو واجب نہ سمجھیں اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو عملاً ترک کر دیں اور اعتقاداً اس کو حلال سمجھتے رہیں تو اس میں شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے گی اور وہ عمل زیادہ موجب ثواب ہوگا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس خیال کی اصلاح فرمائی کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صرف اسلام ہی کی رعایت سے عمل کرنا فرض اور لازم ہے اور جو امر اسلام میں قابل رعایت نہیں، دین سمجھ کر اس کی رعایت کرنا بدعت ہے جو شیطان کا دسوسہ ہے اور ایک دین میں داخل ہونے کے بعد گزشتہ دین کی طرف نظر رکھنا اخلاص کے منافی ہے پس اگر تم واضح اور روشن احکام آنے کے بعد بھی پھسلے اور شیطان کے قدموں پر چلے اور شریعت محمدیہ کے احکام کے اتباع اور تعمیل میں اعتقاد ہی اور باطنی طور پر یہودیت اور نصرانیت کی رعایت کی تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے ایسے لوگوں کو سخت سزا دے گا جو ظاہر تو یہ کریں کہ

۱۔ اس بیان میں وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ اور ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اور اللّٰهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۲

ہم شریعت محمدیہ پر عامل ہیں اور باطن میں یہودیت یا نصرانیت محفوظ رہے اور بڑی حکمت والا ہے کہ ایسے لوگوں سے انتقام میں جلدی نہیں فرماتا کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے کیا یہ لوگ جو اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپاتے ہیں اب صرف اس اس کے منتظر ہیں کہ قیامت قائم ہو۔ اور اولین اور آخرین جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کے لیے خود سفید ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں اور فرشتے بھی ساتھ آئیں اور ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور سزا دے دی جائے اور اس میں شک اور تردد کیا ہے تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپایا اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا قہر ہر کے پردہ یعنی سفید بادل کی شکل میں نمودار ہوگا۔

فائدہ اول حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اور فرشتوں کے آنے کا واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے **كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ** **دَكًّا دَكًا** **وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا** **وَجِئَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ** **يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ** **الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى** **وَقَالَ تَعَالَى هَلْ يُنْظَرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ** **أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ**

و عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يجمع الله الأولين والآخرين لميقات يوم معلوم قياما شاخصا ابصارهم إلى السماء ينتظرون فصل القضاء وينزل الله في ظل من الغمام من العرش إلى الكرسي أخرجه ابن مردويه (تفسير ابن كثير)

اور اسی قسم کا مضمون ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انبیاء کرام شفاعت کرنے سے عذر فرماویں گے اور شفاعت کی نوبت مجھ تک پہنچے گی تو میں کہوں گا کہ ہاں ہاں میں شفاعت کے لیے ہوں تمہاری شفاعت کروں گا اور جا کر عرش کے نیچے سجدہ میں کروں گا اور درخواست کروں گا کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فصل قضاء کے لیے تشریف لائیں۔

فيشفعه الله ويأتي في ظل من الغمام بعد ما تشقق السماء الدنيا وينزل من فيها من الملائكة

پس اللہ تعالیٰ آپ کی درخواست منظور فرمائیں گے اور آسمان کے پھٹنے کے بعد ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں گے اور فرشتے بھی اتریں گے۔

اور عرش بھی اترے گا اور فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہوں گے سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان الحی الذی لا یموت سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت سبحان قدوس رب الملائکۃ والروح سبحان قدوس سبحان ربنا الاعلیٰ سبحان ذی السلطان والعظمۃ سبحانہ سبحانہ ایدلاً ایدلاً (تفسیر ابن کثیر)

جن آیات اور احادیث میں حق جل شانہ کا آنا اور اتنا اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے اس کے بارے میں علماء سلف کا مسلک یہ ہے کہ ان کی تحقیق اور تفتیش میں نہ پڑے اور بلا تشبیہ اور بلا تمثیل کے ان پر ایمان لائے جس طرح اس کی ذات بے چون و چگون ہے۔ اسی طرح اس کے افعال بھی بے چون و چگون ہیں۔ اور علماء خلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ عوام کے عقائد کی حفاظت کے لیے کوئی مناسب تاویل کر لیتے ہیں۔ تاکہ ظاہر الفاظ سے عوام کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مثلاً اَلَا اَنْ یَّاتِیَهُمْ اَحَدٌ میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا قہر کا آنا مراد ہے وغیر ذلک اور حضرات صوفیہ کرام یہ فرماتے ہیں کہ یَا تِیْهِمْ اَحَدٌ فِی ظُلْلِ مِنَ الْغَمَامِ سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی تجلیات مراد ہیں۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ظُلْلِ مِنَ الْغَمَامِ میں متجلی ہوگا۔ جس طرح کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی (کما قال تعالیٰ فَلَمَّا تَحَلَّیْ رَبُّہٗ لُبَّجِلٍ) بے چون و چگون تھی اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی ابر کے سائبانوں میں ہوگی اور جس طرح آنکھ کی پتلی میں آسمانوں کا جلوہ۔ اور الفاظ کے پردہ میں معانی کا جلوہ دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح ابر کے سائبانوں میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا بے چون و چگون جلوہ دیکھا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید آگیا۔ اور یہ بات میرے خیال میں آگئی اور صبح آگئی۔ آنا سب جگہ پایا جاتا ہے مگر حقیقت ہر جگہ مختلف ہے۔ آنا۔ آنے والے کے تابع ہے۔ زید کا آنا اور قسم کا ہے اور کسی بات کا دل میں آنا اور قسم کا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کے آنے کو سمجھو کہ اس کا آنا اس کی شان اور عظمت کے مطابق ہوگا جیسے حق تعالیٰ شانہ کی ذات بے چون و چگون ہے اسی طرح اس کا آنا بھی بے چون و چگون ہوگا۔

فائدہ سوم جب کہ دین موسوی کی رعایت سے اونٹ کے گوشت کا ترک کرنا اتباع شیطانی ہوا تو سامریان ہند کی رعایت سے ذبیحہ بقر کا ترک کرنا جو اعظم شعائر اسلام میں سے ہے بدرجہ ادلی اغواء شیطانی ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

سَلْ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ کَمَا اَتٰیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیۃٍ بَیِّنَۃٍ وَّ

پوچھ بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو آیتیں واضح اور

مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ

جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی اُس کو

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا

تو اللہ کی مار سخت ہے۔ رجھایا ہے منکروں کو

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں سے

وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ

اور پرہیزگار ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی

مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۲﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً

دیوے جس کو چاہے بے شمار۔ تھا لوگوں کا دین ایک

وَاحِدَةً قَدْ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَ

پھر بھیجے اللہ نے نبی خوشی اور

مُنذِرِينَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ

ڈر سناتے اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصل

بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ

کرے لوگوں میں جس بات میں جھگڑا کریں۔ اور کتاب میں جھگڑا

إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

ڈالا نہیں مگر انہوں نے جن کو ملی تھی بعد اس کے کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم

بُعِيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا

آپس کی ضد سے پھر اب راہ دی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی

فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِأَذْنِهِ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ چلا دے جس کو چاہے

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۸۲﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا

سیدھی راہ ، کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر آتے نہیں احوال ان کے جو آگے ہو چکے تم سے۔

مَسْتَهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ

پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلاَ

لگا رسول اور جو اُس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی مدد اللہ کی سن رکھو

إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۸۳﴾

مدد اللہ کی قریب ہے۔

تنبیہات و تہدیدات

قال تعالیٰ: سَلِّ بَنِي إِسْرَءِیْلَ كَمَا أْتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ... أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ه (اربط) گزشتہ آیات میں دلائل واضح آجانے کے بعد حق کی مخالفت پر تنبیہ اور تہدید تھی۔ آئندہ آیات میں اور چند تنبیہات اور تہدیدات کو ذکر فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کے صریح اور واضح حکم کے بعد عدول حکمی موجب عذاب ہے اگر تم کو اس میں کچھ تردد ہے تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے ان کو کتنی واضح اور روشن دلیلیں عطا کی تھیں تاکہ حق واضح اور روشن ہو جائے۔ یہ حق جل شانہ کی ایک نعمت کبریٰ تھی اس نعمت کا شکر اور حق یہ تھا کہ دل و جان سے حق کو قبول کرتے۔ لیکن دیدہ و دانستہ حق سے انحراف کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب میں مبتلا ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں دیکھنی پڑیں جیسا کہ پہلے پارہ میں اُنکی شناختوں اور عقوبتوں کا بیان ہوا اور ہمارا قانون یہی ہے ہے کہ جو شخص اللہ کی نعمت کو بعد اس کے کہ وہ نعمت خود اس کے پاس پہنچ چکی ہے یعنی وہ نعمت بلا مشقت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہے پس جو شخص ایسی نعمت کو کفر اور معصیت سے بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کی ناشکری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی نعمت کو نعمت سے

اور انعام کو انتقام سے بدل دیتے ہیں۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ سخت عذاب والے ہیں اور ایسے ناشکرے اسی کے مستحق ہیں کہ ان کو سخت سزا دی جائے اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا پر ایسے شیدا اور فریفتہ ہوئے ہیں کہ دنیاوی زندگی ان کی نظروں میں اس درجہ مزین اور خوب صورت کر دی گئی ہے کہ آخرت ان کو بد صورت معلوم ہونے لگی اس لیے اپنی ظاہری عیش و عشرت کے نشہ میں ان لوگوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں جو آخرت پر شیدا اور فریفتہ ہیں اور ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان اور تقویٰ کے لباسِ فاخر سے آراستہ ہیں قیامت کے دن یہی لوگ ان کافروں سے بالا اور بلند ہوں گے۔ جن کو یہ کافر دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔ دیکھ لو انہیں فقر و مہاجرین کو، جن کو تم حقیر و ذلیل سمجھتے تھے کس طرح روم اور فارس کی سلطنت کا مالک بنا دیا معلوم ہوا کہ چند روز کے فانی عیش پر مغرور و مست ہو کر حق کا انکار کرنا اور اہل حق کو حقیر سمجھنا حماقت ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ کے زمانہ کے قریب تک تمام لوگ ایک ہی جماعت تھے سب ایک ہی دین حق پر متفق تھے۔ اور احکامِ خداوندی پر عمل کرتے تھے۔ دسٹا قرن اسی طرح گزرے اس کے بعد جب لوگ دنیا پر فریفتہ ہوئے اور دنیا ان کو خوب صورت معلوم ہونے لگی تو دنیاوی اور نفسانی اغراض کی بنا پر حق میں اختلاف ڈالا۔ پس حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو بھیجا تاکہ حق میں کوئی اختلاف نہ ڈالے بلا اختلاف سب مل کر حق پر چلیں اس لیے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا کہ ایمان لانے والوں اور حق کے قبول کرنے والوں کو خوش خبری سنائیں اور حق میں اختلاف ڈالنے والوں کو خدا کے قہر سے ڈرائیں اور ان کے ساتھ حق تعالیٰ نے حق اور سچی کتابیں بھی اتاریں تاکہ وہ کتابِ الہی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے جس حق کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ کتابِ الہی کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کرتے اور اس کے حکم کے مطابق اپنے تمام اختلافات اور نزاعات کو ختم کر دیتے مگر افسوس کہ ان لوگوں نے اسی کتاب میں اختلاف شروع کر دیا کہ جو ان کو اختلاف کے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے دی گئی تھی اور یہ اختلاف کسی اشتباہ اور التباس کی بناء پر نہ تھا بلکہ مرتجح اور واضح احکام اور دلائل آجانے کے بعد آپس کی ضد و تضاد کی بنا پر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان خود غرضوں اور ہوا پرستوں کو تو اس باہمی اختلاف اور نزاع میں چھوڑ دیا جس کا منشا رسوائی حب دنیا کے اور کچھ نہ تھا۔ اور اہل ایمان کو جن کے قلوب حب دنیا اور حسد وغیرہ سے پاک تھے حق کی راہ دکھائی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور یہ ہدایت محض اس کے لطف اور عنایت سے تھی اور اللہ تعالیٰ مالک اور مختار ہے۔ جس کو چاہے اور جس طرح چاہے سیدھا راستہ بتاتا ہے کسی کو بغیر آیات و بینات اور بغیر کسی دلیل و برہان اور بغیر کسی استاد و معلم کے سیدھا راستہ بتلا دیتے ہیں اور کسی کو صاف نشانوں کے بعد بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ ہدایت اس کی ملک ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے لیکن اللہ کی عادت اور سنت یہ ہے کہ حق کی ہدایت سے اسی کو سرفراز فرماتے ہیں جو شخص دنیا پر فریفتہ نہ ہو اور

دنیا کی زینت نے اس کو اپنا گردیدہ اور شیدائی نہ بنایا ہو۔ کیونکہ جن کے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں وہ کبھی حق کو قبول نہیں کرتے اور انبیاء کرام کی ہدایت اور نصیحت کی طرف کان نہیں لگاتے بلکہ ایسے لوگ ہمیشہ اہل حق کو ستاتے ہیں اور طرح طرح کی ایذا میں اُن کو پہنچاتے ہیں۔ اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی فرماتے ہیں کہ تم اہل باطل اور اہل دنیا کی ایذاؤں سے ہرگز نہ گھبرانا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے اہل باطل حضرات انبیاء اور اہل ایمان کو ایذا پہنچاتے چلے آئے ہیں۔ یہ دنیا دارِ ابتلا اور دارِ امتحان ہے۔ یہاں کے چند روزہ مصائب پر نظر نہ کرو صبر پر جو دارِ آخرت میں راحتیں اور نعمتیں ملیں گی ان پر نظر رکھو کیا تم کو یہ گمان ہے کہ جنت میں بلا محنت اور بلا مشقت داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ابھی تک وہ احوال اور احوال نہیں گذرے جو تم سے پہلے حضرات انبیاء اور اہل ایمان پر گذرے دشمنوں کے ہاتھ سے ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور طرح طرح سے جھڑپیں کئے اور قسم قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے ہلائے گئے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مددِ الہی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اس زمانہ کے نبیؐ اور ان کے ساتھی شدائد اور مصائب سے مجبور اور لاچار اور بے تاب اور بے قرار ہو کر یہ بول اٹھے کہ اللہ کی وہ مدد کب آئے گی جس کا اس نے انبیاء اور اہل ایمان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بمقتضائے بشریت انتہائی پریشانی کی حالت میں یہ مایوسانہ کلمات زبان سے نکلے اور حق تعالیٰ کا منشاء بھی یہی تھا کہ ہمارے ماسوائے بالکل مایوس اور ناامید ہو جائیں چنانچہ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ گھبراؤ نہیں ثابت قدم رہو۔ آگاہ ہو جاؤ اور سن لو کہ اللہ کی مدد بہت نزدیک ہے۔ اے مسلمانو! اس طرح تمہارا بھی امتحان ہو رہا ہے گھبراؤ نہیں۔ عنقریب اللہ کی مدد تم کو پہنچے گی اور تمام مصائب اور تکالیف کا خاتمہ کر دے گی۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ تو کہہ جو چیز خرچ کرو

خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ

فائدے کی سو ماں باپ کو اور نزدیک ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

اور راہ کے مسافر کو۔ اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ

يَهْدِيهِ عَلِيمٌ ۝

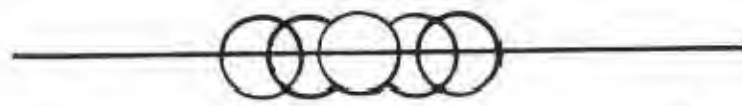
کو معلوم ہے

حکم سیزدہم متعلق بمصارف انفاق

قال تعالى . يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ اَلَمْ يَكُنْ لَكَ بِنَايَ ... فَانِ اللَّهُ بِهِ عَلِيمٌ

شروع سے احکامِ عملیہ کا بیان چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں ضمناً ایمان اور اخلاص کی ترغیب اور دنیا کی محبت کی مذمت کا ذکر آیا اب آگے پھر احکامِ عملیہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم اپنی جانوں کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جان و مال سے کسی قسم کا دریغ نہ کرو اور اس کی راہ میں جو تکلیف پیش آئے اس کا تحمل کرو۔ اب اس کلمہ کے تحت میں کچھ مصارف انفاق اور جہاد اور نکاح اور طلاق اور خلع اور ایلا کے احکام بیان فرماتے ہیں جو باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ہمارے نبی! یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی خوشنودی اور ثواب کے لیے کیا خرچ کریں۔ آپ فرمادیجئے کہ یہ سوال مت کر دے کہ کیا خرچ کریں یہ چیز تو بالکل واضح ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کوئی خاص شے اور خاص مقدار معین نہیں جو مینسر ہو وہ خرچ کرو ہاں یہ سوال کر دے کہ کہاں خرچ کریں سو آپ فرمادیجئے کہ جو مال بھی خرچ کرنا چاہو تو سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت میں صرف کرو جو تمہارے وجود ظاہری کا سبب بنے اور جس شفقت اور محبت سے تم کو پالا تم اس کا عشر عشر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اولاد اگرچہ والدین کی مالی اور بدنی خدمت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے لیکن والدین کی شفقت اور عنایت اور نظر محبت کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں کر سکتی۔ اور والدین کے قرابت داروں میں خرچ کرو تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں جمع ہو جائیں اور رشتہ داروں کے بعد یتیموں پر خرچ کرو کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں اور ان کے بعد عام محتاجوں پر خرچ کرو اور عام محتاجوں کے بعد مسافروں پر خرچ کرو کہ جو وطن اور عزیز اور اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے بمنزلہ محتاج اور فقیر کے ہو گئے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی تم خیر دینی کی کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں تمہارے خرچ کی مقدار اور کمیت اور تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ | یہ آیت نفل صدقات اور خیرات کے بارے میں ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ، مثل صدقہ فطر کے بارے میں نہیں اس لیے کہ والدین کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔



كَيْتَبَ عَلَيْكُمْ الْقِتَالَ وَهُوَ كُرَّةُ لَكُمْ وَعَسَىٰ

حکم ہوا تم پر لڑائی کا ، اور وہ بُری لگتی ہے تم کو اور شاید

أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ

تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو اور شاید تم کو خوش

تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ

لگے ایک چیز اور وہ بُری ہو تم کو اور اللہ جانتا ہے اور

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٩﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

تم نہیں جانتے ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں مہینے حرام کو

قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ط

اس میں لڑائی کرنا تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے

وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ ق

اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَآخَرُاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ

مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے

عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ

زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے زیادہ اور وہ تو لگے ہی

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ط

رہتے ہیں تم سے لڑنے کو یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر مقدور پادیں

وَمَنْ يَّرْتِدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ

اور جو کوئی پھرے گا تم میں اپنے دین سے پھر مر جاوے گا کفر ہی



كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

بیکر تو ایسوں کے ضائع ہوتے عمل دنیا میں اور

الْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۱۴﴾

آخرت میں اور وہ آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ

اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم چہارم متعلق بفرضیت جہاد و قتال شہر حرام

قال تعالى كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ... وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
گزشتہ آیات میں حضرات انبیاء کے ابتلاء اور مصائب کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ جنت میں داخل ہونا ابتلاء کے وقت صبر اور تحمل پر موقوف ہے۔ اس سلسلہ میں اولاً جہاد مالی یعنی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا اب اس کے بعد جہاد جانی کا ذکر فرماتے ہیں کہ جہاد مالی اور جانی سے مل کر دین قائم ہوتا ہے۔ (کذا فی البحر المحیط) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اے مسلمانو! تم پر جہاد فرض کر دیا گیا اور تمہیں طبعاً ناگوار ہے۔ کیونکہ اس میں جان پر مشقت اور مال کا خرچ ہے اور شاید کوئی شے تم کو طبعاً ناگوار ہو اور فی الواقع وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور جہاد فی سبیل اللہ بھی اسی قسم میں داخل ہے اس لیے کہ جہاد سے اسلام کو فتح و غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوئی ہارج اور مزاحم باقی نہیں رہتا اور دنیاوی فائدہ حکومت کا حاصل ہونا اور مال غنیمت کا ملنا ہے اور آخری فائدہ شہادت کی نعمت سے بہرہ یاب ہونا اور شاید تم کو کوئی چیز طبعاً بھلی معلوم ہو اور فی الواقع تمہارے حق میں

وہ بُری ہو جیسے جہاد میں سُستی اور کاہلی جو ظاہر میں راحت معلوم ہوتی ہے مگر ترک کا انجام سوائے ذلت اور مال غنیمت اور ثواب سے محرومی کے اور کچھ نہیں اور تمہاری بھلائی اور بُرائی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم اپنی مصلحتوں اور مضر توں کو نہیں جانتے لہذا تم اپنی طبعی رغبت اور کراہت کا اتباع مت کرو بلکہ احکام خداوندی کا اتباع کرو اسی میں تمہارے لیے خیر اور بہتری ہے احادیث میں جہاد کو افضل الاعمال اور سنام الاسلام یعنی اسلام کا کوہان قرار دیا ہے اس لیے کہ جہاد اسلام کی اشاعت اور خلق اللہ کی ہدایت اور دین کی عزت اور رفعت کا سبب ہے اور مجاہد کی کوشش سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اُن کی حسنات اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

شان نزول

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ چار مہینوں یعنی ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم الحرام اور رجب میں باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور ان مہینوں میں کسی پر چڑھائی کرنے کو معیوب جانتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے دو ماہ پیشتر ماہ جمادی الاخریٰ ۳ء میں اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کی ایک جماعت کو جس میں سوائے مہاجرین کے اور کوئی نہ تھا کافروں کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک والا نامہ لکھ کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب دو دن کا سفر طے کر لو اس وقت اس خط کو کھولنا۔ اور اپنے ساتھیوں کو سنا دینا اور کسی پر زبردستی نہ کرنا عبداللہ بن جحشؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس طرف جاؤں آپؐ نے فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ۔ عبداللہ بن جحشؓ وہاں سے روانہ ہوئے اور دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد ایک منزل پر پڑاؤ کیا اور آپؐ کا والا نامہ کھولا تو اس میں یہ مضمون تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد فسر علی بركة الله	اما بعد اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ
بمن تبعك من اصحابك حتى	اپنے رفقاء کو لے کر چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ
تنزل بطن نخلة فتصد	جب مقام نخلہ پہنچو تو قریش کے تجارتی
بها غير قریش	قافلہ کا انتظار کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
ان قاتینا منه بخیر.	ان کا مال تم کو عطا کرے اور پھر وہ مال
	تم ہمارے پاس لے آؤ۔

عبداللہ بن جحشؓ نے اس حکم نامہ کو پڑھتے ہی سمعاً و طاعتاً کہا اور اپنے ساتھیوں کو سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرما دیا تھا کہ کسی پر زبردستی نہ کروں۔ اب جس کو شہادت

کا شوق اور رغبت ہو وہ مسیگر ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے وہ لوٹ جائے یہ سب دل و جان سے تعمیل ارشاد پر راضی ہو گئے اور ایک شخص بھی واپس ہونے کے لیے راضی نہ ہوا۔ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان جب مقام نخلہ میں جا کر اُترے تو ابھی ٹھہرنے بھی نہ پائے تھے کہ اتنے میں قریش کا قافلہ دکھائی دیا جو طائف کی تجارت کا مال زیتون کا تیل اور کشمش اور چمڑے وغیرہ لے کر آ رہا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا۔ عمر بن الخطاب کو قتل کیا اور حکم بن کيسان اور عثمان بن عبد اللہ کو گرفتار کیا باقی لوگ بھاگ گئے۔ صحابہ کرام قیدیوں اور سامان کے اونٹوں کو لے کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ تاریخ یکم رجب الحرام تھی اور صحابہ کرام اس کو جمادی الثانیہ کی تیسویں تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر چاند انتیس کا ہو چکا تھا جس کا صحابہ کو علم نہ تھا اس لیے کفار نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ یہ لوگ شہر حرام میں بھی لڑتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر) لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک خاص طور پر یہ ماہ حرام کا ارادہ کر کے قتال کرنا بے شک ایک اعظمیٰ ہے مگر مسلمانوں نے قصداً اور ارادۃً ایسا نہیں کیا بلکہ صحیح تاریخ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے یہ لغزش ہوئی مگر مشرکین کو اس اعتراض کا حق نہیں اس لیے کہ شہر حرام میں قتل و قتال بہت سے بہت گناہ کبیرہ ہے اور تم تو کفر اور شرک میں مبتلا ہو جو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا یعنی دین حق اور اسلام میں داخل ہونے سے ان کو روکنا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا کہ وہاں جا کر کوئی بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی نہ کر سکے اور جو لوگ مسجد حرام کے واقعی اور حقیقی اہل اور مستحق تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ان کو حرم اور مسجد حرام سے تنگ کر کے نکالنا سو یہ تمام حرکتیں شناعة اور قباحت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر حرام میں بلا قصد قتال سرزد ہو جانے سے کہیں بڑھ کر ہیں اور فقط کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد ہی قتل سے بڑھ کر ہے۔ پھر یہ کفار مسلمانوں کی ایک غلطی پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ غلطی سے درگزر کیا جاسکتا ہے مگر کفر و شرک کا جرم کسی طرح اور کسی وقت بھی قابل معافی نہیں اور یہ لوگ دین حق کی عداوت اور دشمنی میں اس درجہ پختہ ہیں کہ حق کے مٹانے کے لیے ہمیشہ تم سے برسرِ پیکار رہیں گے یہاں تک کہ خدا نخواستہ تم کو تمہارے اس پاک دین سے پھیر دیں اگر کچھ قابو پائیں اور دین اسلام سے کسی کو مرتد بنا دینا یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس آیت میں دو اشارے ہیں ایک تو یہ کفار دین اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے۔ لہذا مسلمانوں کو متنبہ رہنا چاہیئے دوسرا اشارہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر اُن کا قابو چلے گا نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مرتد نہیں بنا سکیں گے۔ آئندہ آیت میں ارتداد کا انجام بیان فرماتے ہیں۔



انجام ارتداد

اور اے مسلمانو! تم پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ جو شخص تم میں سے دین اسلام سے پھر جائے گا اور اسی کفر کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے تمام عمل دنیا اور آخرت میں ضبط (ضائع) اور ضبط ہو جائیں گے۔ دنیا میں اعمال کے ضبط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی وجہ سے جو جان و مال محفوظ تھے وہ محفوظ نہ رہیں گے اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکیں گے۔ اور آخرت میں ضبط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی نیک عمل پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔

مسئلہ ۱۱ | امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مرجائے تب تو اس کے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور اگر مرتد ہونے کے بعد وہ مرنے سے پہلے تائب ہو گیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اس کے اعمال ضائع نہ ہوں گے کیونکہ اس آیت میں ضبط اعمال کے لیے دو چیزوں کا ذکر ہے ایک ارتداد یعنی وَمَنْ يَنْتَدِ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اور دوسرے موت علی الکفر یعنی فِيمَتٍ وَهُوَ كَافِرٌ ضبط اعمال کے لیے ان دونوں باتوں کا پایا جانا شرط ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ محض ارتداد سے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ موت علی الکفر شرط نہیں بقولہ تعالیٰ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ وقولہ تعالیٰ لَكِنَّ أَشْرَكَتَ لِيَحْبِطَنَّ عَمَلُكَ اور اس آیت میں جس طرح شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک ارتداد اور دوسرے موت علی الکفر اسی طرح جزاء کی جانب میں بھی دو چیزیں مذکور ہیں ایک ضبط اعمال فَاُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ اور دوسرے دخول نار اُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ الخ اعمال تو محض مرتد ہونے سے ضبط ہو جاتے ہیں۔ اور جہنم میں جانے کے لیے موت علی الکفر شرط ہے۔ جس طرح شرط کے دو جز ہیں اسی طرح جزاء کے دو جز ہیں۔ جزاء کا پہلا جز شرط کے پہلے جز سے متعلق ہے اور جزاء کا دوسرا جز شرط کے دوسرے جز سے متعلق ہے۔

صحابہؓ کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ہماری اس غلطی پر کوئی مواخذہ نہیں تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا ہمارے سفر جہاد میں شمار ہوگا اور کیا ہم کو اس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟ اس پر یہ آئندہ آیت نازل ہوئی یعنی إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا الْبَلَاءِ شَكَّ جَوَلُوا إِيْمَانُ لَاشَيْءٍ اور جنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا ایسے لوگ اللہ کی رحمت اور عنایت کے امیدوار ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور مہربان ہیں۔ غلطی سے درگزر فرماتے ہیں اور ایسے مخلصین کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ مالِ غنیمت جو عبد اللہ بن جحشؓ لے کر آئے تھے ابھی تک وہ اسی

طرح وحی کے انتظار میں رکھا ہوا تھا آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکال کر غنائین پر تقسیم کر دیا۔

مسئلہ (۲) | شہر حرام میں قتل و قتال ابتداء میں ممنوع تھا۔ جمہور علماء کے نزدیک بعد میں وہ مانعت منسوخ ہو گئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ طَقُلُ فِيهِمَا إِثْمٌ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ ان میں گناہ

کبیر و منافع للناس و اثمهما اکبر

بڑا ہے، اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے

مِنْ تَفْعِهِمَا ط

سے بڑا ہے۔

حکم پانزدہم متعلق بہ شراب و قمار

قال تعالى: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ... الے ... وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ تَفْعِهِمَا (رابط) جس طرح خدا کی راہ میں جان و مال کا خرچ کرنا دین اور دنیا کی عزتوں کا سبب ہے (جیسا کہ پہلی آیتوں میں اس کا ذکر ہوا) اسی طرح شراب و کباب اور قمار یعنی جوئے میں مال کا خرچ کرنا دینی اور دنیاوی تباہی کا موجب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ لوگ آپ سے شراب اور قمار یعنی جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال میں فقط ایک گناہ نہیں بلکہ ان کے اندر بہت سے بڑے بڑے گناہ مضمحل اور پوشیدہ ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ معمولی فائدے بھی ہیں۔ اس لیے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے فوائد اور منافع کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال جائز ہو اور مفاسد کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال ممنوع ہو آپ ان سے یہ اور فرمادیں کہ شراب اور قمار کا گناہ اور ضرر ان کے نفع اور فائدہ سے کہیں زیادہ ہے شراب اور قمار سے اول تو دنیا ہی میں بہت مضر تیں لاحق ہوتی ہیں۔ شراب پی کر عقل جیسی بے مثال نعمت ہاتھ سے کھودینا اور بد مستیوں اور کالیوں میں مبتلا ہو جانا اور بغض و عداوت میں پڑ جانا ہے غرض

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں کوئی صاف اور واضح حکم نازل فرما۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی اِنْصَابُ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْأَنْصَابُ وَالْكَازِبُ لَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا عَمِلَ الشَّيْطَانُ الْآيَاتِ یہ چوتھی آیت تھی جس میں صراحۃً شراب کی حرمت اور ممانعت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی ایک لخت شراب کے تمام ٹکے توڑ دیئے گئے۔ اور مدینہ کی گلی اور کوچوں میں شراب بھرنے لگی اور تمام مسلمان شراب سے فقط تائب ہی نہیں ہوئے بلکہ بیزار ہو گئے حدیث میں ہے کہ شراب تمام بے حیائیوں کی جڑ ہے۔ چوری اور زنا پر آمادہ کرتی ہے سورہ مائدہ کی آیت میں جو حکم نازل ہوا وہ آخری حکم تھا۔ اس سے پہلے جس قدر احکام نازل ہوئے وہ سب منسوخ ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے شراب حرام ہو گئی۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں؟ تو کہہ جو افزود ہو اسی طرح

يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾

بیان کرتا اللہ تمہارے واسطے حکم شاید تم دھیان کرو

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حکم شانزدہم متعلق بمقدار انفاق^{۱۴}

قال تعالیٰ۔ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ۔۔۔ الی۔۔۔ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط
در ربط گزشتہ آیت میں خمر اور میسر کی حرمت کا ذکر تھا۔ اب ارشاد فرماتے ہیں کہ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ سوتج سمجھ کر خرچ کرے دنیاوی حاجتوں کو پیش نظر رکھے۔ بندہ محتاج ہے بغیر دنیاوی ضرورتوں کے آخرت کا کام بھی نہیں کر سکتا۔ نیز بہت سی دینی حاجتیں یکایک پیش آجاتی ہیں اُن کا بھی خیال رکھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور آپؐ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں ہم کیا اور کتنا خرچ کریں آپؐ جواب میں کہہ دیجئے کہ آخرت کی اہمیت اور اس کے لازوال منافع کی عظمت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو مگر وہ رحم الراحمین تم کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو۔

بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی دنیوی ضرورتوں اور حاجتوں سے جس قدر مال زائد اور فاضل ہو اتنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ تاکہ تم سارا مال دے کر پریشانی میں نہ پڑ جاؤ البتہ جو خدا کے ایسے عاشق ہیں کہ اُن کو سارا ہی مال فضول اور زائد نظر آتا ہے بلکہ مال کے نہ خرچ کرنے سے اُن کو پریشانی ہوتی ہے جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو ایسے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایسے عاشق اس حکم میں داخل ہی نہیں۔

موسیا آداب وانا دیگر اند سوختہ جاناں رواناں دیگر اند

ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ اصحابِ صفہؓ میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے پاس سے ایک اشرفی نکلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر یہ فرمایا کہ دوزخ کی آگ کا ایک داغ ہے۔ بعد ازاں ایک اور شخص کا انتقال ہو گیا اس کے پاس سے دو اشرفیاں نکلیں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دو داغ ہیں (رواہ احمد والبیہقی) شرعاً ایک اشرفی اور دو اشرفی کا جمع کرنا حرام نہیں لیکن یہ دونوں حضرات اصحابِ صفہؓ میں تھے یعنی حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانقاہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زاہدانہ اور درویشانہ زندگی گزاریں گے اور قوتِ لایموت سے زائد کچھ نہ رکھیں گے اس لیے اصحابِ صفہؓ کے لیے اجازت نہ تھی کہ وہ کوئی درہم دینار اپنے پاس رکھ سکیں۔ اس بناء پر یہ دونوں معتب ہوئے۔ مسجد نبویؐ حضورؐ پر نورؐ کی درس گاہ تھی اور مسجد نبویؐ کے متصل جو ایک صفہ (چبوترہ) اصحابِ صفہؓ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوایا تھا وہ حضورؐ پر نورؐ کی خانقاہ تھی جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے زاہد اور درویش رہتے تھے جن کی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ کتنا ہی فقر و فاقہ گذرے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس کی حاضری سے محروم نہ رہیں۔

یک لحظہ نہ کوئے یار دوری در مذہب عاشقاں حرام است

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے صاف صاف احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا کے بارے میں اور آخرت کے بارے میں خوب غور و فکر کر لو۔ دنیوی اور اخروی حقوق اور مصالح کو دیکھ لو اور اپنے احوال کو بھی دیکھ لو اور پھر شریعت جیسا حکم دے اس کے موافق خرچ کرو۔ تاکہ بعد میں پریشان اور پشیمان نہ ہو۔ اور یہ امر پیش نظر رکھو کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ فانی لذتوں کی بناء پر دائمی اور باقی لذتوں اور راحتوں کو نہ چھوڑ دینا۔

-:-

-:-

-:-

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحُهُمْ لَكُمْ خَيْرٌ

اور پوچھتے ہیں تجھ سے یتیموں کا حکم۔ تو کہہ سنو! ان کا بہتر ہے۔

وَإِنْ تَخَاطَبُوهُمْ فَأَخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور اگر خرچ بلا رکھوان کا تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ کو معلوم ہے

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ وَكَوْشَاءَ اللَّهِ لَاَعْنَتُكُمْ

خرابی کرنے والا اور سنوارنے والا اور اگر چاہتا اللہ تم پر مشکل ڈالتا۔

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔

حکم ہفدہم۔ مخالطت یتیم

قال تعالیٰ: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ... اے... إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
گزشتہ آیات میں جو احکام تھے یعنی ترک خمر و میسر اور انفاق حسب مصلحت۔ وہ خود ان کے اموال اور احوال کی اصلاح کے لیے تھے اب اس آیت میں دوسروں کی اصلاح کے احکام ذکر فرماتے ہیں یعنی یتیم جو کہ خود اپنی مصالح سے قاصر اور عاجز ہے تم اس کے مال میں جو بھی تصرف کرو اس میں یتیم کی صلاح اور مصلحت کو پیش نظر رکھو اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یتیموں کا خرچ علیحدہ رکھیں یا اپنے ساتھ رکھیں اگر یتیم کا کھانا علیحدہ پکائیں تو بوسا اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا ہے اور اس طرح یتیم کا نقصان ہوتا ہے اور اگر ساتھ ملا کر پکاتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ ہم زائد کھائیں اور یتیم کم۔ اور یتیم کا مال کھانا آگ کا کھانا ہے اس لیے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یتیموں کے مال کا کس طرح انتظام کریں تو آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یتیموں کی مصلحت اور خیر خواہی کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے۔ جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے مال کو بالکل علیحدہ رکھو اور نہایت احتیاط سے اس کا انتظام کرو۔ اور اگر خرچ میں ان کو شریک کرو اور شریک رکھنے ہی میں اُن کی بہتری اور خیر خواہی سمجھو تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارے دینی اور نسبتی بھائی ہیں اور ایک بھائی دوسرے بھائی کی خیر خواہی اور امداد سے دریغ نہیں کرتا اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال سے کچھ نفع اٹھالے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اکثر و بیشتر بھائی بھائی ملے جُلے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تباہ کار کو صلاح کار سے خوب جانتے ہیں کہ کس نے خیانت اور یتیم کا مال خراب کرنے کی نیت سے شرکت کی ہے اور کس نے یتیم کی مصلحت اور خیر خواہی کا قصد کیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور خرچ کو بلا جُلا رکھنے کی اجازت نہ دیتا اور اگر بلا علم اور بلا قصد تم سے کوئی کمی بیشی ہو جاتی تو اس پر مواخذہ کرتا۔

لیکن اُس نے تم پر آسانی کی کہ شرکت اور مخالفت کی اجازت دے دی اور اللہ غالب ہے جو چاہے حکم دے خواہ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں اور بڑی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اور کوئی حکم بندوں کو ایسا نہیں دیا جو اُن کے لیے مشقت اور دشواری کا باعث ہو۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَا مِمَّنْ طَوَّلَ الْإِيمَانُ ۚ وَلَا مِمَّنْ

اور نکاح میں نہ لاؤ مشرک والی عورتیں جب تک ایمان نہ لاویں اور البتہ لونڈی مسلمان

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

بہتر ہے کسی مشرک والی سے اگرچہ تم کو خوش آوے اور نکاح نہ کر دو

الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

مشرک والوں کو جب تک ایمان نہ لاویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے کسی

مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ

مشرک والے سے، اگرچہ تم کو خوش آوے۔ وہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۚ وَيُبَيِّنُ

اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف، اپنے حکم سے اور بتاتا ہے

آيَتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲۱﴾

اپنے حکم لوگوں کو، شاید وہ چوکس ہو جاویں۔

حکم ہشتادم مناکحت کفار

قال تعالى - وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ اے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

(ربط) گزشتہ آیات میں یتیموں کی مخالفت کا حکم بیان فرمایا۔ اس آیت میں مشرکین اور مشرکات کے ازدواجی اختلاط کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ ازدواجی تعلق کے لیے دینی اخوت ضروری ہے اور وہ ان میں مفقود ہے لہذا اہل شرک سے ازدواجی تعلق جائز نہیں۔ کافروں سے نکاحی اختلاط اور ازدواجی

تعلقات خسر اور میسر سے زیادہ مضر اور مہلک ہیں کافروں سے ازدواجی اور معاشرتی تعلق کے بعد نہ تو دین باقی رہتا ہے اور نہ اسلامی تمدن۔ چند روز کے بعد نہ اسلامی خصلتیں باقی رہتی ہیں اور نہ عادتیں۔ اپنی قومیت فنا کر کے دوسری قوم کا فرد بن جاتا ہے اور اسلامی تمدن کو حقیر سمجھنے لگتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور البتہ ایک مسلمان کنیز یعنی لونڈی اور باندی ایک مشرک عورت سے بدرجہا بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک عورت آزاد بھی ہو اور حسین و جمیل اور مال دار بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کی لازوال دولت کے مقابلہ میں کسی مال اور جمال کی کوئی حقیقت نہیں اگرچہ وہ مشرک عورت اپنے مال یا حسن و جمال یا حسن عادت کی بنا پر تم کو اچھی معلوم ہو اور علیٰ ہذا مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایک غلام مسلمان ایک آزاد کافر سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ کافر مال و دولت یا عزت ووجاہت کی وجہ سے تم کو اچھا معلوم ہو۔ یہ مشرک لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی ایسے اقوال و افعال شرکیہ کی طرف بلاتے ہیں جو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں اور زن و شوئی کا تعلق اُن کی دعوت کی تاثیر کو قوی کرنے کا بہت بڑا سبب ہے اندیشہ ہے کہ اس تعلق کی بنا پر عقائد شرکیہ تم میں سرایت کر جائیں اور اسلام کی طرف سے تم کو شبہات میں ڈال دیں اور رفتہ رفتہ تم ہدایت اور گمراہی کو برابر سمجھنے لگو۔ اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اپنے حکم سے اور لوگوں کے لیے اپنے احکام کو صاف اور واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور سمجھ لیں کہ غلام اور باندی کا تعلق جو جنت اور مغفرت کی طرف لے جائے اُس آزاد اور معزز کے تعلق سے کہیں بہتر ہے کہ جس کا تعلق جہنم کی طرف لے جائے۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی دعوت اور کافروں کی دعوت میں تضاد اور عداوت ہے خدا تعالیٰ سے اگر تعلق مقصود ہے تو اس کے دشمنوں سے ازدواجی تعلق نہ قائم کرو۔ اجتماعِ ضدین عقلاً بھی محال ہے۔ نیز مناکحت اور زوجیت کے لیے باہمی محبت اور موانست ضروری ہے اور اختلافِ دین کی وجہ سے اگر محبت نہ ہوئی تو زوجیت کا فائدہ کچھ نہ ہوا اور اگر محبت ہوئی اور کفر اور کافر سے چشم پوشی کی گئی تو آخرت تباہ اور برباد ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے مناکحت کی قطعاً ممانعت کر دی۔

فوائد | اس آیت میں دو حکم ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان عورت کا کسی کافر مرد سے نکاح نہ کیا جائے یہ حکم اب بھی ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ مسلمان مرد کو کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں سو اس حکم میں ایک تخصیص ہے وہ یہ کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ اہل کتاب حقیقتہً اہل کتاب ہوں۔ بلحاظہ اور دہریانہ عقائد نہ رکھتے ہوں اور بشرطیکہ اُس یہودی اور نصرانی عورت کے نکاح سے اس مسلمان مرد کے دین میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو اس حکم کی تفصیل اور دلیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ مائدہ میں آئے گی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى لَا فَاعِلٌ لِّزَوَا

اور پوچھتے ہیں تم سے حکم حیض کا۔ تو کہہ وہ گندی ہے سو تم پر سے رہو

النِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّىٰ

عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہوں ان سے جب تک

يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ

کر پاک نہ ہوئیں پھر جب ستھرائی کر لیں تو جاؤ ان پاس جہاں سے

أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ

حکم دیا تم کو اللہ نے۔ اللہ کو خوش آتے ہیں تو بہ کرنے والے اور خوش

الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاءُكُمْ حَرَّتُمْ لَكُمْ فَأْتُوا

آتے ہیں ستھرائی والے عورتیں تمہاری، کھیتی ہیں تمہاری، سو جاؤ اپنی

حَرَّتُمْ أَنْي شَيْئَكُمْ وَقَدْ مُوا لَانْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

کھیتی ہیں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے

اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

رہو اللہ سے، اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

حکم نوزدہم حرمت جماع در حالت حیض

قال تعالى۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ..... ۱..... وَيَشِرُّ الْمُؤْمِنِينَ

(ربط) گزشتہ آیت میں نکاح کا حکم مذکور تھا۔ اس آیت میں حالت حیض میں جماع اور قربان کا حکم بیان کرتے ہیں۔ یہود میں یہ دستور تھا کہ آیام حیض میں عورت سے بالکل علیحدہ رہتے نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ پیتے بلکہ اس کو علیحدہ مکان میں رکھتے۔ اور اس کے برعکس نصاریٰ میں یہ دستور تھا کہ آیام حیض میں مخالطت تو درکنار مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے۔ مدینہ منورہ میں ہر قسم کے لوگ رہتے

تھے اس لیے صحابہ کرامؓ کو اس مسئلہ میں خلیجان پیش آیا اور حضورؐ پر نورصلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور لوگ آپؐ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے آپؐ کہہ دیجئے کہ حیض ایک گندگی اور ناپاکی ہے لہذا تم اُن سے اس حالت میں علیحدہ رہو یعنی اُن سے صحبت اور مجامعت نہ کرو باقی کھانے اور پینے اور ساتھ بیٹھنے میں کوئی پرہیز نہیں مقصود فقط گندگی سے علیحدہ رہنا ہے اور جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں اس وقت تک اُن سے قربان یعنی صحبت اور مجامعت نہ کرو پس جب وہ عورتیں اچھی طرح پاک ہو جائیں کہ ناپاکی کا شبہ بھی باقی نہ رہے تو پھر اُن سے مجامعت کرو مگر اس مقام سے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو صحبت کرنے کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی جانب سے پیچھے کی جانب سے نہیں اور اگر غلطی سے ایام حیض میں صحبت کر لی ہے تو توبہ کر لو تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو گناہ گزر کرنے کے بعد توبہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ سرے ہی سے گندگی سے پاک رہتے ہیں۔ ان سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ سرے ہی سے ناپاکیوں سے بچتے ہیں مثلاً ایام حیض میں صحبت سے پرہیز کرتے ہیں اور جس جگہ سے صحبت کی ممانعت ہے اس جگہ سے صحبت نہیں کرتے ایسے لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور آگے کی جانب سے تم کو صحبت کا حکم اس لیے دیا گیا کہ تمہاری عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتوں کے ہیں۔ اُن کے رحم میں جو نطفہ ڈالا جاتا ہے وہ بمنزلہ تخم کے ہے اور بچہ بمنزلہ پیداوار کے ہے سو تم کو اختیار ہے کہ اپنی کھیتی میں جس طرح اور جس طرف سے چاہو آؤ بیٹھ کر یا لیٹ کر مگر شرط یہ ہے کہ کھیتی سے باہر نہ جاؤ فقط حرث اور زرع (کھیتی) میں آنے کی تم کو اجازت دی گئی ہے۔ اور جو جگہ حرث (کھیتی) کے قابل نہیں یعنی پیچھے کی جانب اس جگہ میں تم کو جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں پیچھے کی جانب سے آنا یہ قوم لوط کا عمل ہے جس پر قہر خداوندی نازل ہوا۔ حدیث میں ہے۔

ملعون من اتى امراة فی دبرھا (رواہ احمد وابوداؤد)
ملعون ہے وہ شخص کہ جو عورت کی دبر میں دلی کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے حالت حیض میں دلی کی یا دبر کی جانب میں صحبت کی یا کسی کاہن اور نجومی کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اُس شخص نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ احکام کا کفر کیا۔ (رواہ الترمذی) شیعوں کے نزدیک بیوی سے اغلام درست ہے جو صریح قرآن کریم کے اس لفظ نسائکم حرثکم کے خلاف ہے اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے جیسے کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اغلام سے اولاد کا تولد ناممکن ہے۔ چنانچہ ترغیب نکاح کے بارہ میں جو حدیث نبوی مشہور ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ مکاش بکم الائم یعنی میں امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ معلوم ہوا کہ ترغیب نکاح سے اولاد کی کثرت مطلوب ہے جس سے حضورؐ پر نور کو قیامت کے دن سامان افتخار ہاتھ آئے اور یہ یاد رکھو کہ تم کو صحبت کی اجازت

محض لذت کے لیے نہیں دی گئی بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس لذت کو ذریعہ آخرت بناؤ اور اپنے لیے آگے کی کچھ تدبیر کرو یعنی صحبت کے وقت اللہ کا نام لوتاکہ اولاد شیطان کے اثر سے محفوظ رہے اور نیک اولاد کی نیت کر د تاکہ آخرت کی کھیتی بنے اور تمہارے لیے دعا اور استغفار کرے اور قیامت کے دن تمہارے کام آئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یعنی حالت حیض یا بے محل صحبت کرنے سے پرہیز کرو اور یقین رکھو کہ تم کو اللہ سے ملنا ہے ایک دن اس کے سامنے پیش ہونا ہے اور تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس روزِ تخم کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ بے وقت اور بے محل تو اس کو ضائع نہیں کر دیتا تھا اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجیئے کہ جنہوں نے اپنے تخم کو بروقت اور بر محل استعمال کیا ان کو اس تخم کے ثمرات وہاں مل جائیں گے مطمئن رہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا

اور نہ ٹھہراؤ اللہ کو ہتھ کنڈا اپنی قسمیں کھانے کا کہ سلوک نہ کرو

وَتَتَّقُوا وَتَصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

اور پرہیزگاری اور صلح درمیان لوگوں کے اور اللہ سنتا

عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾ لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ

ہے جانتا۔ نہیں پکڑتا تم کو اللہ ناکاری قسموں پر تمہاری لیکن

يُوَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

پکڑتا ہے اس کام پر جو کرتے ہیں دل تمہارے۔ اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا۔

حکم متعلق بہ احترام نام پاک خداوندِ انام

قال تعالیٰ - وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ.... اے.... وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

رابطہ گزشتہ آیت میں تقویٰ کا حکم مذکور تھا۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نام پاک کا ادب اور احترام محفوظ رکھو اور بات بات میں اللہ تعالیٰ کی قسم نہ کھاؤ اور نہ دنیاوی اعراض اور منافع کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو استعمال کرو۔

یہ سب ادب کے خلاف ہے۔

شان نزول

عبداللہ بن رواحہؓ اور ان کے داماد بشیر بن نعمانؓ میں کسی بات پر کچھ تکرار ہوا۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے قسم کھائی کہ میں نہ تم سے ملوں گا اور نہ تم سے کلام کروں گا اور نہ تمہاری کسی بھلائی اور بُرائی میں دخل دوں گا۔ اس کے بعد عبداللہؓ سے جب کوئی اس بارے میں کوئی بات کرتا اور کچھ کہنا چاہتا تو یہ کہہ دیتے کہ میں نے اللہ کی قسم کھالی ہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے لیے آڑ نہ بناؤ یعنی رشتہ داروں میں سلوک اور احسان کرنے کے لیے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا کام کرنے کے لیے اور لوگوں میں صلح کرانے کے لیے قسم کو بہانہ نہ بناؤ اور یہ نہ کہو کہ میں نے قسم کھالی ہے اس لیے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص نیک عمل کے چھوڑنے اور نہ کرنے پر قسم کھالے تو اس پر واجب ہے کہ وہ نیک کام کرے اور اس کا کفارہ دے۔ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز پر قسم کھالے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اس پر قائم رہنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور بتلادیا کہ قسم کی وجہ سے نیک کام کو نہ چھوڑو اور ایسی حالت میں قسم کو توڑ کر کفارہ دے دو اور نیک کام کرو۔ تاکہ تم کو کارِ خیر کا اجر حاصل ہو اور ایسی قسم کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ تمہارے عذر کو سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے کہ تمہاری نیت اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ تھی محض تعمیل حکم اور نیکی کرنے کے لیے قسم کو توڑا ہے اور بصد ہزار ندامت و پشیمانی اس کی تلافی کے لیے کفارہ ادا کیا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں کو سُنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے کہ کس نیت سے قسم کھائی ہے۔ تمہارا لفظ اور قصد کوئی بھی اس سے مخفی نہیں لہذا قسم کھاتے وقت لفظوں میں احتیاط رکھو اور نیت اور ارادہ کرنے میں بھی احتیاط رکھو اور قسم کے متعلق ہمارا یہ ضابطہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے اُن قسموں پر مواخذہ اور گرفت نہ کریں گے جو بلا قصد و ارادہ تمہاری زبان سے نکل گئی ہیں یا قصد اور ارادہ تو تھا مگر تم اس کو اپنے گمان میں راست اور صحیح سمجھتے تھے۔ ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ گناہ لیکن اللہ تعالیٰ تم سے اُن قسموں پر آخرت میں مواخذہ فرمائیں گے کہ جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے اور معصیت کرنے کا قصد اور ارادہ کیا ہے یا اُس قسم کو کسی بُر اور تقویٰ سے علیحدہ رہنے کا ذریعہ اور بہانہ بنایا ہے اور اللہ بخشنے والا ہے کہ یمین لغو پر مواخذہ نہیں فرماتا اور بُرا حلیم اور بردبار ہے کہ باوجود بالقصد والا ارادہ جھوٹی قسم کھانے کے مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید توبہ کر لے۔ توبہ کے لیے مہلت دیتے ہیں۔

عہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ یمین لغو کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”یعنی لا واللہ وبلی واللہ بغیر قصد گوید یا غلط دانستہ سو گند خورد علی اختلاف المذہبین۔“ واللہ اعلم۔

فائدہ (۱) | یمن یعنی قسم کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یمن لغو ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یمن لغو کے معنی یہ ہیں کہ جو قسم انسان کی زبان سے بلا قصد اور ارادہ نکل جائے جیسے عرب میں لا واللہ، اور بلی واللہ تکیہ کلام تھا۔ ایسی قسم میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یمن لغو وہ ہے کہ کسی گزشتہ چیز کو سچ سمجھ کر قسم کھالے اور واقع میں اس کے خلاف ہو لیکن اس نے اپنے گمان میں اس کو سچ سمجھ کر قسم کھالی ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ کوئی گناہ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس میں ارادہ ہو اگر وہ نفس الامر کے خلاف ہو تو اس میں کفارہ واجب ہوگا۔ اگرچہ قسم کھانے والے کے گمان میں وہ واقع اور نفس الامر کے مطابق ہو۔

دوسری قسم | یمن غموس ہے وہ یہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر قصداً جھوٹی قسم کھائے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اس قسم کی قسم پر حسب ارشاد باری وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ گناہ ہے جس کا علاج توبہ اور استغفار ہے۔ دنیا میں اس پر کوئی کفارہ نہیں اس لیے کہ کسی گزشتہ امر پر دیدہ و دانستہ قسم کھانا جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنے پر گناہ ہوتا ہے کفارہ نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمن غموس میں کفارہ واجب ہے کیونکہ سورہ مائدہ میں بجائے بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ کے بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ کا لفظ آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ اور مَا عَقَّدْتُمُ ایک ہی معنی مراد ہیں اور سورہ مائدہ میں کفارہ صراحۃً مذکور ہے معلوم ہوا کہ مواخذہ سے مراد کفارہ دینا ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُمْ میں اخروی مواخذہ مراد ہے یعنی دیدہ و دانستہ جھوٹ بولنے پر عذاب دینا مراد ہے کفارہ مراد نہیں۔

تیسری قسم | یمن منعقدہ ہے یعنی آئندہ فعل کے متعلق قصداً قسم کھائے کہ کروں گا یا نہیں کروں گا ایسی قسم کے توڑنے پر بالاتفاق کفارہ واجب ہوتا ہے اور سورہ مائدہ میں وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ الْفَقِيرِ سے بھی یمن منعقدہ مراد ہے کہ جو آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھائی جائے اور اس زیر تفسیر آیت یعنی وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ میں اسی قسم یعنی فعل آئندہ پر قسم کھانے کا حکم مذکور ہے کہ اگر تم آئندہ کے متعلق کسی گناہ اور خلافِ برّ اور خلافِ تقویٰ کام کی قسم کھا بیٹھے ہو کہ واللہ اپنے باپ سے یا رشتہ دار سے بات نہ کروں گا تو تم کو لازم ہے کہ ایسی قسم کو توڑو اور کفارہ دو جیسا کہ اس آیت کا شان نزول اس معنی کا شاہد عدل ہے لیکن اس آیت میں فقط اخروی مواخذہ کا ذکر ہے دنیاوی مواخذہ (یعنی کفارہ) کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔

اور سورہ نور کی اس آیت وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمُسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ میں بھی اسی قسم کی قسم کا ذکر ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی تھی کہ میں مسطح کو خراج نہ دوں گا اس کے بارے میں یہ آیت نازل

ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح کا وظیفہ دو چند کر دیا۔
ف (۲) اس آیت یعنی لَا يُؤْخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ مِمَّا فِيهَا لَعْنٌ اور یمین منعقدہ کا ذکر ہے یمین غموس کا ذکر نہیں۔ یمین غموس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الْاَيَةُ اس آیت میں یمین غموس پر اُفرادی مواخذہ کا ذکر ہے دنیوی مواخذہ یعنی کفارہ کا ذکر نہیں اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک یمین غموس کی حقیقت جھوٹ اور افتراء ہے جو اعلیٰ درجہ کا گناہ کبیرہ ہے جس میں توبہ اور استغفار واجب ہے مگر کفارہ نہیں۔ اور علیٰ ہذا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ میں بھی یمین غموس کی طرف اشارہ ہے۔

ف (۳) اس آیت میں حق جل شانہ نے لَا يُؤْخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ کو وَلَكِنْ يُؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے اور کسب قلب سے بالا جماع کذب اور معصیت کا ارادہ مراد ہے معلوم ہوا کہ یمین لغو جو بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ کے مقابلہ میں مذکور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس یمین میں کذب اور جھوٹ کا ارادہ نہ ہو بلکہ اپنے گمان میں سچ سمجھ کر قسم کھائی ہو وہ یمین لغو ہے جس میں کوئی مواخذہ نہیں نہ گناہ اور نہ کفارہ۔ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے یمین لغو کی یہی تفسیر منقول ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ تفصیل کے لیے احکام القرآن للجصاص ص ۲۵۵ کی مراجعت کی جائے۔



لَّذِيْنَ يُؤْلَوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرْبَصُ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

جو لوگ قسم کھا رہتے ہیں اپنی عورتوں سے ان کو فرصت ہے چار مہینے۔

فَاِنْ فَاَوْوُا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲۶) وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

پھر اگر مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر ٹھہرایا رخصت کرنا

فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۲۷)

تو اللہ سنتا ہے جانتا۔

حکم بست و یکم۔ ایلاء

قال تعالى: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ نَفَسَا۟رْهُمُ... اَلَمْ... فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ (ربط) گزشتہ آیات میں کچھ احکام عورتوں کے متعلق مذکور ہوئے اور کچھ احکام یمن یعنی قسم کے متعلق مذکور ہوئے۔ آئندہ آیت میں ایک خاص قسم کی یمن یعنی خاص قسم کی قسم کا ذکر فرماتے ہیں جو عورتوں سے متعلق ہے یعنی ”ایلاء“ اس میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایلاء ایک خاص قسم کی یمن ہے جس کے احکام علیحدہ ہیں۔ اس لیے ایلاء کا حکم علیحدہ بیان فرمایا۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ اگر بڑ اور تقویٰ اور اصلاح کرنے کے لیے قسم کو توڑا جائے اور کفارہ ادا کر دیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔ اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایلاء کو سمجھو کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا یعنی یہ قسم کھائی کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا تو اگر اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے دے تو نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں یعنی یہ قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم ان سے صحبت نہ کریں گے ایسے لوگوں کے لیے چار مہینے کا انتظار لازم ہے بس اگر ان چار مہینے کے اندر اپنی قسم کو توڑ کر یہ لوگ اپنی عورتوں کی طرف رجوع کریں یعنی اُن سے صحبت اور جماعت کریں اور اس طرح اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دیدیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ قسم کے توڑنے اور عورت کو تکلیف پہنچانے کے تصور کو معاف کر دیں گے اور آئندہ کے لیے حقوق زوجیت ادا کرنے کی نیت کر لینے کی وجہ سے اس پر رحمت اور مہربانی فرمائیں گے اور اگر ان لوگوں نے قطع تعلق ہی کی ٹھان لی ہے اس لیے اس نے چار مہینے کے اندر رجوع نہیں کیا اور اسی طرح اپنی قسم پر قائم رہا تو چار ماہ گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سنبھالے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں اس لیے اس کے مناسب یہ حکم دیا۔

ف (۱) عرب کا یہ دستور تھا کہ جب بیوی سے خفا ہوتے تو یہ قسم کھا لیتے کہ میں اب تیرے پاس نہ آؤں گا جاہلیت میں عورت کے ستانے کا یہ ایک طریق تھا اس سے نہ عورت بیوہ ہوتی اور نہ خاوند والی شریعت اسلامیہ نے اس کی ایک حد اور مدت معین کر دی۔ یعنی چار ماہ۔ اگر اس مدت میں رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا۔ اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔

ف (۲) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر ایلاء کرنے والا چار ماہ گزرنے کے بعد فوراً رجوع کرے تو وہ رجوع معتبر ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ پر فرطے

ہیں کہ اگر چار مہینے کے اندر اندر رجوع کرے تو معتبر ہے چار ماہ گزر جانے کے بعد رجوع کا اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں **فَإِنْ فَاءٌ وَافِيْهِنَّ** آیا ہے یعنی ان چار مہینے کے اندر رجوع کریں۔ اور یہ قراءۃ اگرچہ متواتر نہیں لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اگر قرأت شاذہ قرأت متواترہ کے معارض نہ ہو بلکہ اس کی مفسر اور شارح ہو تو وہ بھی حجت اور واجب العمل ہے۔ اور تعارض اس کو کہتے ہیں کہ جہاں دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ **فَإِنْ فَاءٌ وَافِيْهِنَّ** کی قرأت **فَإِنْ فَاءٌ وَافِيْهِنَّ** کے منافی نہیں بلکہ اس کی تفسیر اور بیان ہے۔

ف (۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑتی۔ چار ماہ گزر جانے کے بعد قسم کھانے والا یا تو طلاق دے یا رجوع کرے طلاق کا پڑنا اس کے طلاق دینے پر موقوف ہے اور اگر نہ طلاق دے اور نہ رجوع کرے بلکہ سکوت کرے تو حاکم اس سے زیر دستی طلاق دلائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چار مہینے بلا رجوع کے گزر گئے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

ف (۴) شریعت میں ایلا اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو شخص یہ قسم کھائے کہ چار مہینے یا چار ماہ سے زائد یا بلا تعین مدت اپنی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اور اگر چار مہینے سے کم کے لیے قسم کھائی تو وہ ایلاء شرعی نہ ہوگا۔ اول کی تین صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا اور کفارۃ قسم دینا پڑے گا۔ اور اگر چار مہینے بلا رجوع کے گزر گئے تو طلاق بائن ہو جائے گی اب رجوع درست نہیں۔ البتہ جدید نکاح بدون حلالہ کے جائز ہے اور ایلا کی آخری صورت یعنی چار مہینے سے کم کے لیے اگر قسم کھائی ہے مثلاً تین مہینے کے لیے قسم کھائی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو کفارۃ قسم دینا ہوگا اور نکاح باقی رہے گا اور اگر اپنی قسم کو پورا کیا یعنی تین ماہ کے اندر عورت کے پاس نہیں گیا تو تب بھی نکاح باقی رہے گا اور نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ کفارۃ لازم ہوگا۔

ف (۵) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجوع کے لیے فقط اتنا کافی ہے کہ میں نے رجوع کر لیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بلا و طی کے رجوع نہیں ہوتا۔



وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط

اور طلاق والی عورتیں انتظار کر وائیں اپنے تئیں تین حیض تک۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِيَّ

اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان

أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

کے پیٹ میں، اگر ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پیچھے دن پر

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ

اور ان کے خاوندوں کو پہنچتا ہے پھیر لینا اُن کا اتنی دیر میں اگر

أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ

چاہیں صلح کرنی اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان پر حق ہے

بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ

موافق دستور کے اور مردوں کو ان پر درجہ ہے اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ

زبردست ہے تدبیر والا۔

حکم لست دوم و سوم = عِدَّتِ طَلَّاقُ مَدَّتِ رَجْعَتِ

قال تعالى وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ... الخ... واللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
(رابطہ) ایلام میں ایک محدود مدت یعنی چار مہینے کے لیے عورت سے علیحدگی ہوتی ہے اور طلاق
میں غیر محدود مدت کے لیے علیحدگی ہوتی ہے اس لیے محدود اور محصور (یعنی ایلام) کے بعد غیر محدود اور
غیر محصور (یعنی طلاق) کا ذکر مناسب ہوا۔ نیز ایلام میں بعض مرتبہ عزم یعنی ارادہ رجوع کا ہوتا ہے۔
اس لیے ان آیات میں طلاق کے ساتھ رجعت کے احکام بھی بیان فرمائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
اور طلاق والی عورتیں جن پر کسی طرح سے طلاق پڑ چکی ہے خواہ بذریعہ ایلام کے یا کسی اور طریقہ سے
ان کو چاہیے کہ تین حیض کے گزرنے کا انتظار کریں یعنی جب تک یہ تین حیض نہ گزر جائیں اس وقت
تک کسی دوسری جگہ نکاح نہ کریں تاکہ اگر حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور دوسرے کی اولاد اس کے ساتھ
مخلوط نہ ہو جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان طلاق والی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو پوشیدہ
رکھیں جو اللہ نے اُن کے رحموں میں پیدا کیا ہے یعنی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے حیض یا حمل

کو چھپائیں کہ کسی طرح عدت جلدی پوری ہو جائے یا شوہر کو طلاق رجعی میں رجعت کا حق باقی نہ رہے۔ غرض یہ کہ عورتوں کے لیے اپنے حمل یا حیض کو چھپانا جائز نہیں اگر وہ حقیقۃً اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ایمان خیانت کی اجازت نہیں دیتا اور طلاق رجعی کی صورت میں ان کے شوہر ان کو اپنی زوجیت میں واپس لانے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ خواہ یہ عورتیں رضامند ہوں یا ناراض۔ مگر یہ یاد رہے کہ شوہروں کو طلاق دینے کے بعد رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی ہے کہ ان کا مقصود اس رجعت سے اصلاح اور خیر خواہی ہو جاہلیت کی طرح عورتوں کو ستانا اور پریشان کرنا مقصود نہ ہو یا اس طریق سے مہر کا معاف کرنا منظور نہ ہو۔ ستانے کی نیت سے رجعت اگرچہ صحیح ہے لیکن اس نیت سے رجعت کرنا گناہ ہے اور باعثِ سزا ہے۔ اِنْ اَرَادُوْا اَصْلَاحًا فَاٰتُوْا بِمِثْلِ مَا رَزَقْتُمُوهُنَّ لَیْسَ بِالْبَاطِلِ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ ۚ (سورۃ نساء ۳۵) اور شرط اجازت خداوندی کی شرط ہے صحت رجعت کی شرط نہیں۔ رجعت ہر حال میں صحیح ہے مگر من جانب اللہ رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ نیت خیر خواہی اور اصلاح کی ہو اور اصلاح اور خیر خواہی اُس وقت مکمل ہوگی کہ جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے کیونکہ عورتوں کا بھی مردوں پر حق ہے جیسا کہ اُن پر مردوں کا حق ہے۔ دستور کے مطابق لیکن حقوق میں مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اس لیے رجعت کا حق اور اختیار مردوں کو عطا کیا عورتوں کو نہیں دیا اور اللہ غالب ہے مظلوم کا ظالم سے بدلہ لینے پر قادر ہے پس اگر کوئی عورت پر ظلم کرے گا تو اس سے بدلہ لے گا۔ اور بڑی حکمتوں والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ حکمت اور مصلحت اسی میں ہے کہ طلاق اور رجعت کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھ میں رہے۔ عورتیں کچھ تو کم عقل ہیں اور کچھ جلد باز اور بے صبری ہیں ان کے ہاتھ میں اگر طلاق اور رجعت کا اختیار دیدیا جاتا تو ہر شہر میں روزانہ ہزار طلاقیں پڑا کرتیں۔ اور پھر جب طلاق دینے کے بعد کچھ ہوش آتا اور اپنا اور اپنے بچوں کا انجام نظروں کے سامنے آتا تو سر پٹیتیں اور روتیں۔ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ اختیار نہیں دیا کیونکہ یہ اختیار اُن کی تباہی کا باعث ہوتا۔ بچوں اور عورتوں کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کو اختیار نہ دیا جائے۔

(۱) آیت میں لفظ مطلقات اگرچہ عام ہے مگر یہاں مطلقات سے وہ خاص عورتیں مراد ہیں کہ جو آزاد ہوں۔ لونڈی اور باندی نہ ہوں اور اُن کو حیض بھی آتا ہو۔ نابالغ یا حاملہ نہ ہوں۔ اور اُن سے صحبت یا خلوت صحیح بھی ہو چکی ہو جن عورتوں میں یہ صفات پائی جائیں اُن کی عدت تین حیض ہے اور اگر آزاد نہ ہوں بلکہ لونڈی اور باندی ہوں تو اُن کی عدت دو حیض ہے اور ان کی طلاقیں بھی دو ہیں۔ اور اگر مطلقہ صغیر السن ہو یا بہت بوڑھی ہو گئی کہ حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر صحبت یا خلوت صحیح

سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی گئی تو اس پر عدت نہیں۔

ف (۲) لفظ قُرْءٌ اضداد میں سے ہے باتفاق ائمہ لغت حیض اور طہر دونوں پر بولا جاتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں قُرْء سے طہر کے معنی مراد ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں قُرْء سے حیض کے معنی مراد ہیں۔ خلفاء راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ قُرْء سے حیض کے معنی مراد ہیں (تفسیر ابن کثیر) نیز عدت کی مشروعیت سے غرض یہ ہے کہ رحم کا بچہ سے خالی ہونا معلوم ہو جائے اور یہ بات حیض ہی سے معلوم ہو سکتی ہے طہر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔

ف (۳) وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ سے صاف ظاہر ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے اور جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات پر تقریریں کرتے ہیں وہ بے علم ہیں اور بے عقل بھی۔ اور جن پر نفسانی شہوتوں کا غلبہ ہے اُن کے نزدیک عورت کا درجہ مرد سے بڑھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ عقل اور ہدایت دے۔ آمین

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ

طلاق ہے دو بار تک پھر رکھنا موافق دستور کے یا رخصت کرنا

بِإِحْسَانٍ ط

نیکی سے

حکم بست و چہارم عد طلاق زوجی

قال تعالیٰ۔ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ۔۔۔۔۔ الے۔۔۔۔۔ اَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ط
(رابطہ) گزشتہ آیت میں مرد کے لیے حق رجعت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ رجعت کا حق کب تک رہتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ پھر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد تم کو دو اختیار ہیں یا تو دستور اور حسن اسلوب کے ساتھ رک لو یعنی رجعت کر کے اُس کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور یا حسن اسلوب کے ساتھ اس کو چھوڑ دو کہ اس کی عدت گزر جائے اور جہاں چاہے وہ نکاح کر لے تم اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔



وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا

اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو، مگر کہ

إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ

وہ دونوں ڈریں، کہ نہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے۔ پھر اگر تم لوگ ڈرو

أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ

کہ وہ نہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے، تو نہیں گناہ دونوں پر جو بدلہ دے

بِهِ طِلْكَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوا وَهَآءِ مَنْ يَتَعَدَّ

کہ چھوٹے عورت یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے سو اُن سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی بڑھ

حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳۹﴾

چلے اللہ کے قاعدوں سے، سو وہی لوگ ہیں گنہگار۔

حکم لست ونجسم: خلع^{۲۵}

قال تعالى: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا... فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (ربط) گزشتہ آیت میں طلاق کا ذکر فرمایا۔ اب اس آیت میں خلع کا ذکر فرماتے ہیں جو ایک قسم کی طلاق ہے یا طلاق کی طرح ایک قسم کا فسخ نکاح ہے۔ نیز گزشتہ آیت میں تشریح باحسان کا حکم تھا اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بیوی سے خلع کی نوبت آئے تو اس کو حسن سلوک اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو۔ یعنی مہر وغیرہ جو کچھ اُس کو دے چکے ہو وہ اُس سے واپس نہ لو۔ دیئے ہوئے کو واپس لینا تشریح باحسان کے خلاف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ بیبیوں سے چھوڑنے کے وقت اُن سے اس مال میں سے کوئی شے واپس لو جو تم اُن کو نکاح کی حالت میں دے چکے ہو مگر جب کہ میاں بیوی دونوں کو یہ خوف ہو کہ ہم اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی آپس میں حقوق زوجیت نہ ادا کر سکیں گے تو ایسی صورت میں اگر مرد عورت سے کچھ مال لے کر اس کو چھوڑ دے اور عورت مال دے کر اپنے آپ کو اس کے نکاح سے چھڑالے تو کوئی گناہ نہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُس کو خلع کہتے ہیں۔ سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ میاں اور بیوی یا ہی

مناfert اور کمدرت کے باعث حقوق زوجیت کے بارے میں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ فدیہ یعنی بدلہ دے کر نکاح سے اپنا بیچا پھڑا لے تاکہ دونوں گناہ سے بچ جائیں ایسی صورت میں عورت کے لیے مال کا دینا اور مرد کے لیے مال کا لینا جائز ہے بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں پس ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ سراسر ظالم ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیسؓ کے دین اور اخلاق اور عادات پر کوئی عیب نہیں لگاتی مگر میں اور وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ میں نے برقع اٹھا کر بہت سے لوگوں میں ان کو آتے ہوئے دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ فام اور پست قدم اور ید صورت ثابت ہی نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو جو اس نے تم کو دیا ہے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیسؓ کو بلایا اور فرمایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ اسلام میں پہلا خلع تھا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ

پھر اگر اس کو طلاق دے تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح

زَوْجًا غَيْرَهُ ۖ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا پھر اگر وہ شخص اس کو طلاق دے، تب گناہ نہیں

يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ وَ

ان دونوں پر کہ پھر مل جاویں اگر خیال رکھیں کہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے اور

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳﴾

یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے، بیان کرتا ہے واسطے جاننے والوں کے۔

حکم بست و ششم۔ حلالہ و طلاق ثالث

قال تعالى: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ... إلخ... لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں دو طلاق کا حکم بیان فرمایا یعنی دو طلاق کے بعد تم کو امساک بمعروف اور تسریح باحسان کا اختیار ہے۔ اب اس آیت میں تیسری طلاق کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ تیسری طلاق کے بعد تم کو رجعت وغیرہ کا کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہتا بدون حلالہ کے تمہاری طرف واپس نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس اگر دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدے تو اس عورت کا تعلق اس سے بالکلیہ منقطع ہو جائے گا اس لیے کہ دو طلاق کے بعد تو رجعت کا امکان تھا اور جب تیسری طلاق بھی دے دی تو اب رجعت کا کوئی موقع نہیں رہا طلاق کی وضع ہی مفارقت اور انقطاع کے لیے ہے تیسری طلاق سے نکاح کی حلت بالکلیہ ختم ہو گئی اور یہ عورت اس کے لیے بالکل حلال نہ رہے گی۔ اب اس عورت سے نہ رجعت صحیح ہے اور نہ نکاح جدید یہاں تک کہ یہ عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر اگر یہ دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اس کو طلاق دے دے اور عدت بھی گزر جائے تو پھر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عورت اور پہلا شوہر جدید نکاح کر کے بدستور سابقہ حالت کی طرف لوٹ جائیں اور زن و شوئی کے تعلقات قائم کر لیں۔ بشرطیکہ دونوں کو گمان غالب ہو کہ ہم اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے اس لیے کہ آئندہ امور کے متعلق جزم اور یقین کا حاصل ہونا نہایت مشکل ہے اس لیے کہ غیب کا علم کسی کو نہیں کہ آئندہ کیا ہوگا اور یہ یعنی تیسری طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرنا اور پھر اس کا ہم بستری کے بعد طلاق دینا اور پھر شوہر اول اور عورت کا یہ گمان غالب ہونا کہ ہم دوبارہ نکاح کے بعد ایک دوسرے کے حقوق زوجیت میں کمی کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔ عرض یہ کہ یہ امور اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں جن سے تجاوز اور انحراف جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حدود اور احکام کو ایسے لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم اور فہم رکھتے ہیں اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ تیسری طلاق سے زوجیت اور محبت کا تعلق بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور محبت اور موانست مبدل بکراہت و منافرت ہو جاتی ہے اس لیے اس کراہت و منافرت کے ازالہ کے لیے یہ ضروری ہوا کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس کی لذت چکھنے کے بعد اگر طلاق ہو جائے تو پھر شوہر اول سے تعلق کی تجدید ہو سکتی ہے۔

فائدہ | آیت قرآنیہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا خواہ وہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا اکٹھی دی ہوں۔ تمام صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ مجتمعاً اور خواہ متفرقاً

علاہ طلاق رجعی میں رجعت ہو سکتی ہے اور طلاق بائن میں اسی شوہر سے تجدید نکاح ہو سکتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد اسی شوہر سے تجدید نکاح بھی جائز نہیں جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کو طلاق دے تب شوہر اول سے تجدید نکاح ہو سکتا ہے ۱۳

وہ واقع اور لازم سمجھی جائیں گی۔ صرف بعض اہل ظاہر اور بعض حنبلیوں کا قول ہے کہ تین طلاق دینے سے ایک طلاق پڑتی ہے اور شیعوں کے نزدیک تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ اور داؤد ظاہریؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ دفعۃً تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ (کما سیاتی فی کلام القرطبی) امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہ جن کی تقلید اور اتباع پر (سوائے چند ظاہرین اور خود رائے لوگوں کے) امت محمدیہ کے علماء اور فقہاء اور محدثین اور مفسرین متفق ہیں اُن کا متفقہ اور اجماعی فتویٰ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اور اسی کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اختیار فرمایا جس کے لیے صحیح بخاری میں ایک خاص باب منعقد فرمایا۔

”باب من اجاز الطلاق الثلاث“ بقولہ تعالیٰ الطَّلَاقُ مَرَّتَینِ الایۃ۔

قال الامام القرطبی اتفق ائمة الفتوی علی لزوم ایقاع الطلاق فی کلمۃ واحدة وهو قول جمهور السلف وشذ طائوس وبعض اهل الظاہرالی ان طلاق الثلاث فی کلمۃ واحدة یقع واحدة ویرد علی هذا عن محمد بن اسحاق وحجاج بن ارطاة وقیل عنہما لا یلزم منہ شیء وهو قول مقاتل۔ ویحکی عن داؤد انه لا یقع وجمهور السلف والائمة انه لازم واقع ثلاثا ولا فرق بین ان یوقۃ ثلاثا مجتمعۃ فی کلمۃ او متفرقۃ فی کلمات الخ ص ۱۲۹ وقال فی ص ۱۲۸ وترجم البخاری علی هذه الایۃ باب من اجاز الطلاق الثلاث بقولہ تعالیٰ الطلاق مَرَّتَینِ فامسالك بمعروف او تسریح باحسان۔ وهذا اشارۃ منه الی ان هذا التعدید انما هو فسخۃ لهم فمن ضیق علی نفسه لزمه۔ اھ

بعد ازاں امام قرطبیؒ نے ان تمام شبہات کا جواب دیا کہ جو لوگ تین طلاق کو ایک طلاق بنانے کے لیے پیش کرتے ہیں حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تمام فقہاء صحابہؓ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی اور جو اس کے خلاف کرے گا اُس پر دُتر سے پڑیں گے اور سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے تفصیل کے لیے بخاری شریف اور ہدایہ کی شرح کی مراجعت کی جائے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ تین طلاق کے بارہ میں کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہؓ کا اتباع کریں اس زمانہ کے چند مدعیان عمل بالحدیث کے کہنے سے حرام کے مرتکب نہ ہوں اور اپنے نسب کو خراب نہ کریں جو شخص اجماع صحابہ کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت سے نہیں۔



حدیث ابن عباسؓ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمرؓ کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں پھر حضرت عمرؓ نے تین طلاقیں جاری کر دیں بعض ظاہر پرست اس روایت کو دیکھ کر اس طرف چلے گئے کہ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت سے تین طلاق کو تین طلاق قرار دے دیا تھا ابن تیمیہ حنبلیؒ اور ان کے شاگرد ابن قیم حنبلیؒ اپنے امام احمد بن حنبلؒ کے برخلاف اور تمام صحابہؓ و تابعینؒ کے اجماع کے برخلاف اور ائمہ مجتہدین کے برخلاف اور تمام اہل سنت والجماعت کے برخلاف شذوذ اور تفرد میں مبتلا ہوئے اور شیعوں کی طرح تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے قائل ہوئے۔ اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور تین طلاق سے عورت مغفلہ بائنہ ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے شیخ تقی الدین سبکیؒ اور عز بن جماعہؒ وغیرہما نے ابن تیمیہؒ کا رد کیا جو ابن تیمیہؒ کے ہم عصر اور ہم شہر تھے اور یہ واضح کر دیا کہ ابن تیمیہؒ کا مسئلہ طلاق میں تفرد اور شذوذ ابن تیمیہؒ کے اُن مسائل میں سے ہے جن میں ابن تیمیہؒ نے اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہؒ کے خلاف کیا ہے اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا اور ہر زمانہ میں علماء نے اس مسلک کی تردید میں کتابیں اور رسائل لکھے اور بخاری اور مسلم کے شارحین نے خاص طور پر شرح حدیث میں اس مسلک کا بطلان اور ابن تیمیہؒ کی تردید کی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دلائل

(۱) تمام صحابہؓ و تابعینؒ سے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ - اور فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا کی تفسیر اسی طرح منقول ہے کہ دو طلاق کے بعد خواہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً زوج کو رجعت کا حق رہتا ہے اور تین طلاق کے بعد خواہ وہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً رجعت کا حق باقی نہیں رہتا بے شمار روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ شروع اسلام میں لوگوں کی یہ حالت تھی کہ بحد و حساب طلاقیں دے دیتے تھے حتیٰ کہ سو سو اور ہزار ہزار طلاقیں دیدیتے تھے اور جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو اس سے رجعت کر لیتے پھر اسی طرح ستانے کے لیے اس کو طلاق دیدی پھر رجعت کر لی اس پر یہ حکم نازل ہوا - الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اِلٰی اٰخِرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی نے طلاق کی حد مقرر کر دی کہ آخری حد تین ہے ایک اور دو طلاق کے بعد تو رجعت کا حق ہے اور تین یعنی تیسری طلاق کے بعد رجوع کا اختیار نہیں رہتا (تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۷ ج ۱) (۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ عویمر عجلائیؓ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو لفظ واحد میں تین طلاقیں دیں اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر

کوئی انکار نہیں فرمایا۔

(۳) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور نسائی میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں بعد ازاں اُس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اُس دوسرے شوہر نے اُس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی۔ اس پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے آپؐ نے فرمایا: نہیں جب تک دوسرا شوہر پہلے شوہر کی طرح صحبت اور مباشرت نہ کرے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۸ ج ۱)

(۴) حدیث عائشہ صدیقہؓ در قصہ رفاعہ قرظیؓ جس کا مضمون گزشتہ روایت کے قریب قریب ہے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں آیت مذکورہ کو اور ان تینوں حدیثوں کو ذکر فرمایا اور ائمہ اربعہ کے مطابق طلاق ثلاث کے جواز کے لیے ایک ترجمہ منعقد فرمایا (باب من اجاز الطلاق الثلاث) دیکھو فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۹۔ بعد ازاں امام بخاریؒ نے ایک اور باب منعقد فرمایا وہ یہ ہے باب اذا طلقها ثلاثاً تزوجت بعد العدة زوجاً غیرہ فلم یمسها۔ اور اس باب میں رفاعہ قرظیؓ کی حدیث نقل فرمائی دیکھو فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۹۔

(۵) امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب قصہ فاطمہ بنت قیسؓ کے عنوان سے منعقد کیا۔ فاطمہ بنت قیسؓ کو اس کے شوہر نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے دامن میں تین طلاقیں دے دی تھیں چونکہ فاطمہ بنت قیسؓ کے مزاج میں کچھ حدت تھی اس لیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اُس کو دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی اجازت دے دی تھی دیکھو فتح الباری ص ۴۲۳ ج ۹۔

(۶) معجم طبرانی اور سنن بیہقی میں سوید بن غفلہؓ سے مروی ہے کہ عائشہ خثعمیہؓ امام حسن بن علیؓ کے زوجیت میں تھیں جب علیؓ کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تو خثعمیہ نے امام حسن کو مبارک باد دی اور یہ کہا کہ تنہا الخلفاء خلافت آپ کو مبارک ہو امام حسنؓ کو سخت ناگوار گذرا اور کہا کہ کیا تجھ کو علیؓ کے قتل سے خوشی ہوئی اذہبی فانت طالق ثلاثاً۔ جانتھے تین طلاق۔

اور امام حسنؓ نے بقیہ مہر اس کا بھیج دیا اور مزید براں دس ہزار درہم اور بھیج دیئے عائشہ خثعمیہؓ کو بہت صدمہ ہوا اس پر امام حسنؓ نے یہ فرمایا کہ اگر میں اپنے جد امجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نہ سنے ہوئے تو رجوع کر لیتا وہ قول یہ ہے۔

ایما رجل طلق امرأته ثلاثاً	جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے
عند الاقراء او ثلاثة مبہمة لم	حیض کے وقت یا اور کسی طرح تو وہ اس
تحل لہ حتی تنکح زوجاً	کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے
غیرہ۔	شوہر سے نکاح کرے۔

(۷) مسند امام احمد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اُس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے اس کو طلاق قبل الدخول دے دی تو کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ جب تک شوہر ثانی شوہر اول کی طرح مباشرت نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۱)

(۸) اور اسی طرح کے مضمون کی ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۱)

حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما | محلی بن حزم میں اور زاد المعاد میں۔ اور سنن بیہقی میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا باسانید صحیحہ یہ قول نقل کیا ہے کہ تین طلاق دینے سے عورت مغفلہ بائٹہ ہو جاتی ہے بدون حلالہ کے اُس سے نکاح صحیح نہیں شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ خلفاء اور عبادلہ سے مراحتہ بہ ثابت ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

اجماع صحیح کرام | اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں حافظ ابن عبد البر سے اجماع نقل کیا ہے اور قاضی ابوالولید باجیؒ نے منقہ میں اور امام ابوبکر رازیؒ جصاص نے احکام القرآن میں اور امام لہجادیؒ نے شرح معانی الآثار میں اس پر سلف کا اجماع نقل کیا ہے اور حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

فالراجح فی الموضوعین تعریضاً لمتنوعہ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عہد عمرؓ علی ذلک ولا یحفظ ان احدا فی عہد عمر خالفہ فی واحدۃ منہما وقد دل اجماعہ علی وجود ناسخ وان کان خفی علی بعضہم قبل ذلک حتی ظہر لجمیعہم فی عہد عمر فالمتخالف بعدہذا الاجماع منابذلہ والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق واللہ اعلم (فتح الباری ص ۳۱۹ ج ۱)

اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ جو سچپن سے حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کی صحبت میں رہے جب ان پر یہ منکشف ہوا کہ ہمارے استاذ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ بہت سے مسائل میں سلف صالحین کے خلاف ہیں تو اپنی تصانیف میں انکار دیا اور اس مسئلہ یعنی طلاق ثلاث کے بارہ میں ایک خاص کتاب ان کے رد میں لکھی جس کا نام بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدہ رکھا۔ اس کتاب مذکور میں حافظ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

اعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف
المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شئ صريح في ان الطلاق الثلاث بعد الدخول
يحسب واحدة اذا سبق بلفظ واحد كذا في الاشفاق على احكام الطلاق للعلامة الكوثري
ص ۳۵ وقال ابن رجب لا نعلم من الامة احدا خالف في هذه المسألة مخالفة ظاهرة
ولا حكما — ولا قضاء ولا علما ولا افتاء ولم يقع ذلك الا من نفر ليسير جدا
وقد انكره عليهم من عاصرهم غاية الانكار وكان اكثرهم يستخفي بذلك ولا يظهر
فكيف يكون اجماع الامة على اخفاء دين الله الذي شرعه على لسان رسوله واتباع اجتهاد
من خالفه برأيه في ذلك هذا لا يحل اعتقاده البتة - اه - ولعله ظهر بهذا البيان ان
امضاء عمر للثلاث حكم شرعي مستمد من الكتاب والسنة مقارنة لاجماع فقهاء
الصحابة فضلا عن التابعين ومن بعدهم وليس بعقوبة سياسية ضد حكم شرعي فلما خرج
على امضاء عمر خارج على ذلك كله والله اعلم. كذا في الاشفاق على احكام الطلاق
للعلامة الكوثري ص ۵۳.

حدیث ابن عباسؓ کا جواب

حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری ص ۳۱ ج ۹ میں جہور کی طرف سے حدیث ابن عباسؓ کے آٹھ
جواب دیئے ہیں جن میں سے چند ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

جواب اول قرآنہ اور احادیث صحیحہ و مشہورہ اور اجماع صحابہ اور خلفاء راشدین کے
فیصلہ کے خلاف ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور عمرو بن دینارؒ اور مالک
بن حویرثؒ اور محمد بن ایاسؒ اور نعمان بن ابی عیاسؒ یہ تمام اکابر ثقات ابن عباسؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دے دے تو اس کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ تھا کہ اس
شخص نے خدا کی نافرمانی کی کہ یکدم تین طلاقیں دے دی۔ اس کی بیوی اس سے بائنے ہوگئی بغیر دوسرے
شخص سے نکاح کیئے اور طلاق حاصل کیئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ان ائمہ اکابر نے ابن عباسؓ
سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ جماعت صحابہ و تابعین کے مطابق ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ طاؤسؒ
وغیرہ نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے (تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی) وہ بالکل ضعیف اور
کمزور ہے یہ ممکن نہیں کہ ابن عباسؓ صحابہ کرامؓ کے خلاف کریں۔ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ طاؤسؒ
کی روایت وہم اور غلط ہے۔ حجاز اور شام اور مصر اور مشرق اور مغرب کے علماء میں سے کوئی بھی اس طرف

نہیں کیا کہ تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۹ ج ۳)
 نیز یہ امر تو اتر کو پہنچا ہے کہ ابن عباسؓ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی طلاقیں بڑھتی ہیں اور تین طلاق کے بعد عورت منغلظ بائنہ ہو جاتی ہے۔ امام ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے ساتھ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے پاس محفوظ ہو اور وہ ہمیشہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہیں پس اولیٰ اور مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ ایک قول کے مقابلہ میں جماعت کے قول کو ترجیح دی جائے۔ (فتح الباری ص ۳۱۴)

قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے پس اجماع صحابہؓ کے مقابلہ میں اس کو کیسے مقدم رکھا جاسکتا ہے (فتح الباری ص ۳۱۴ ج ۹)

جواب دوم | یہ کہ حدیث ابن عباسؓ منسوخ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کے مشورہ اور اتفاق سے تین طلاقوں کو جاری کرنا اور صحابہ میں سے کسی کا خلاف نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس حکم کا نسخ ثابت ہوا ہے جس کی بنا پر یہ حکم جاری کیا امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے یہی روایت کیا ہے کہ غالباً یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں باسناد صحیح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنی اس روایت مذکورہ کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کو کسی ذریعہ سے اس روایت کا منسوخ ہونا معلوم ہوا جب ہی تو فتویٰ اس کے خلاف دیا کرتے تھے (فتح الباری ص ۳۱۴) عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ فاروق اعظمؓ صحابہ کرام کو حدیث نبوی کے خلاف آمادہ کریں۔ اور صحابہ کرام بالاتفاق بلا چون و چرا حدیث کے خلاف ان کے حکم کو قبول کر لیں اور ابن عباسؓ (جو تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے راوی ہیں) وہ حضرت عمرؓ سے ایک مرتبہ بھی یہ عرض نہ کریں کہ اے امیر المومنین آپ کا تین طلاقوں کو تین بنا دینا ارشاد نبوی کے خلاف ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں تو تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی رہیں۔ آپ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور ابوبکر صدیقؓ کے خلاف کیسے حکم جاری کیا اور یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت سے یہ حکم جاری کیا یہ کمالِ ابلہی اور بے باکی ہے یہ ناممکن اور محال ہے کہ فاروق اعظمؓ کسی سیاست اور مصلحت کی بناء پر حکم نبوی کے خلاف کوئی حکم جاری کریں اور صحابہ کرامؓ میں کوئی متنفس زبان بھی نہ ہلائے اور ابن عباسؓ کی حدیث ان کو یاد نہ دلائے۔

جواب سوم | مان لو کہ حدیث ابن عباسؓ دربارہٴ وحدت طلاق صحیح ہے لیکن آیت قرآنی الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ اَلَا فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا کے صحیح اور صریح ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا دیگر روایات صریحہ میں سے تین طلاق ہونا ثابت ہے ان کے صحیح ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تو حاصل یہ نکلا کہ طلاق ثلاث کے مسئلہ میں ایک مختلف فیہ روایت تو ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے اور باقی

تمام احادیث صحیحہ و صحیحہ اور آیت قرآنہ تین طلاق کے تین ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور حضرت عمرؓ کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہوا فاروق اعظمؓ نے بمشورہ عثمانؓ و علیؓ و دیگر اکابر صحابہؓ اُن روایتوں کو ترجیح دی جو تین طلاق کے تین طلاق واقع ہونے پر دلالت کرتی تھیں تو امت کا فریضہ یہ ہے کہ احادیث مختلفہ میں جس جانب کو خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ بلا اختلاف اختیار کر لیں اگرچہ وہ حدیث باعتبار سند کے ضعیف ہو اسی جانب کا اتباع ضروری ہوگا اور جس چیز پر خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ متفق ہو گئے ہوں اُس کی مخالفت ناجائز ہوگی اور یہی ائمہ اربعہ اور تمام محدثین کا مسلک ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق کا واقع ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہؓ اور فاروق اعظمؓ کے حکم اور عثمانؓ اور علیؓ اور فقہاء صحابہؓ کے اتفاق سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ فاروق اعظمؓ کے حکم سے آنکھ بند کر لینا اور اجماع صحابہؓ کی پروا نہ کرنا نزعہ رافضیہ اور شیوہ شیعیت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو ، پھر پہنچیں اپنی عدت تک،

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا

تورکھ لو اُن کو دستور سے یا رخصت کرو دستور سے۔ اور مت

تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

بند کرو اُن کے ستانے کو تا زیادتی کرو۔ اور جو کوئی یہ کام کرے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ

اُس نے بُرا کیا اپنا۔ اور مت ٹھہراؤ حکم اللہ کے ہنسی،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ

اور یاد کرو احسان اللہ کا جو تم پر ہے اور وہ جو اتاری تم پر کتاب

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةَ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھاوے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان



أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۲۳۱

رکھو کہ اللہ سب چیز جانتا ہے۔

☆ حکم بست و ہفتم منع از اضرار لسا و زجر از لعن با حکام خودی

قال تعالى: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ... إِلَى... وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝
(ربط) گزشتہ آیت یعنی اَطْلَاقٌ مَرَّتَيْنِ صَ فَإِنْ مَسَّكَ بِكَيْسَرٍ وَفٍ أَوْ تَسْرِيٍّ بِأَحْسَنِ ط
میں یہ بیان فرمایا تھا کہ طلاق رجعی میں تم کو دو اختیار ہیں یا تو حسن اسلوب کے ساتھ اس کو روک لو
یا خوبصورتی کے ساتھ اس کو رخصت کر دو۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی
کر دو تمہیں اختیار ہے لیکن عورتوں کو تکلیف اور ضرر پہنچانے کے ارادہ سے نہ کرو چنانچہ فرماتے ہیں
اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دو اور پھر وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب ہو جائیں یعنی
اُن کی عدت اور ميعاد قریب الختم ہو مگر ابھی ختم نہ ہوئی ہو۔ پس اگر اُن کو اپنے نکاح میں رکھنا منظور
ہے تو اچھے طریق سے اُن سے رجعت کر کے اُن کو اپنے نکاح میں روک لو یا اُن کو اپنی زوجیت میں
رکھنا مقصود نہ ہو تو پھر خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو کہ وہ اپنی عدت گزار کر جہاں چاہیں
نکاح کریں اور ستانے اور ایذا دینے کے لیے ان کو نہ روکو یعنی ایذا پہنچانے کی غرض سے ان سے
رجعت نہ کرو تاکہ روک کر اُن پر کچھ ظلم اور زیادتی کرو جیسا کہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بیوی کو ستانے کی
غرض سے طلاق دیتے اور پھر جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو رجعت کر لیتے اور پھر طلاق
دیتے اور پھر اسی طرح کرتے رہتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایسا مت کرو اور جو
شخص ایسا کام کرے گا پس بلاشبہ اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اے مسلمانو تم ان جاہلوں کی طرح
اللہ کے احکام کو تمسخر اور ٹھٹھانہ بناؤ۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ اول طلاق دے دیتے
اور پھر یہ کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اور اسی طرح غلام اور لونڈی کو آزاد کر دیتے اور پھر کہتے کہ
ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ
اور حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا چرچہ یعنی حقیقت تو حقیقت ہی ہے۔
مگر ان کا ہزل یعنی اُن کا ہنسی اور مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کا حکم رکھتا ہے وہ تین چیزیں
یہ ہیں۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔ یعنی ان چیزوں میں تمہارے الفاظ کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار
نہیں۔ بندہ کہ جن اعمال کا تعلق فقط حق تعالیٰ سے ہو وہاں شریعت نے نیت کا اعتبار کیا ہے اور

جو اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہاں الفاظ کی لفظی دلالت کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ طلاق اور رجعت بھی اسی قبیل سے ہیں۔ طلاق اور رجعت میں الفاظ کا اعتبار ہوگا نیت کا اعتبار نہ ہوگا اس لیے کہ اگر معاملات اور معاشرت میں ظاہر الفاظ کے خلاف نیت کا اعتبار کیا جائے تو دوسروں کے حقوق پر اس کا اثر پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ معاشرت اور معاملات میں اگر الفاظ کی دلالت کا اعتبار نہ ہو اور لوگوں کی نیت کے مطابق فیصلے ہونے لگیں تو کارخانہ عالم دریم بزم ہو جائے۔ خود غرض لوگ طلاقیں دیں گے اور پھر عورتوں کو روکنے کے لیے اپنی نیتوں کو بہانہ بنائیں گے اور اس طرح عورتوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ اور اللہ کی نعمت کی یاد کر دے کہ اُس نے تم پر احسان کیا کہ تم کو عورتوں پر حاکم بنا دیا اور اگر وہ چاہتا تو تم کو عورتوں کے ہاتھ تلے کر دیتا اور پھر وہ بھی اسی طرح تمہارے ستانے پر قادر ہوتیں اس لیے تم کو چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکریہ کرو اور اس کی نعمت کو یاد کر دے کہ اُس نے تم پر کتاب اور حکمت کو اتارا یعنی قرآن کریم اور سنت نبویؐ تم کو عطا کی تاکہ تم اپنے علم اور عمل کی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ کتاب و سنت کے مقتضی پر چلو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے طلاق اور رجعت سے جو نیت بھی کر دے وہ اس سے مخفی نہیں۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنِ أَجَلَهُنَّ فَلَا

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچ چکیں اپنی عدت کو تو اب

تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا

نہ روکو ان کو کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہو جاویں

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

آپس میں، موافق دستور کے۔ یہ نصیحت ملتی ہے اس کو، جو کوئی تم میں

يَوْمَئِذٍ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمَنْ لَكُمْ وَ

یقین رکھتا ہے اللہ پر، اور پچھلے دن پر۔ اسی میں سنوار زیادہ ہے تم کو

أَطْهَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

اور ستھرائی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حکمِ لبست و شتم منع از اضرارِ نسأ بعد از عدت

قال تعالى: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغُنَّ أَجَلَهُنَّ... إلخ... وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ هـ (ربط) گزشتہ آیات میں اندرونِ عدت ضرر پہنچانے کی ممانعت کا بیان تھا۔ اس آیت میں عدت گزرنے کے بعد ضرر پہنچانے کی ممانعت کا بیان ہے کہ عدت گزرنے کے بعد عورتوں کو نکاح سے نہ روکو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم یعنی تمہارا کوئی عزیز عورتوں کو طلاق دے دے اور پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت پوری ہو جائے اور وہ پھر اپنے سابق شوہر سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو اپنے پہلے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ شریعت اور مروت کے دستور کے مطابق نکاح کرنے پر باہم رضامند ہو جائیں۔ البتہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرنے لگے یا عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنے لگے تو پھر خویش اور اقارب کو ایسے نکاح سے روکنے کا حق حاصل ہے۔

یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ معقل نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا۔ بعد چند سے اُس شخص نے ان کی بہن کو طلاق دے دی عدت گزرنے پر پھر اُسی شخص نے پیغام دیا۔ معقل نے کہا میں نے پہلے تم سے اپنی بہن کا نکاح کیا اور تمہارا گھر بسایا مگر تم نے اس کو طلاق دے دی اور اب پھر پیغام لے کر آئے ہو۔ خدا کی قسم اب وہ تمہارے گھر ہرگز نہیں جاسکتی معقل کہتے ہیں کہ وہ آدمی کچھ بُرا نہ تھا اور میری بہن بھی اس کے یہاں جانا چاہتی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ آلَا یہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں ضرور اُس سے نکاح کر دوں گا۔ اور پھر میں نے اسی شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔ یہ نصیحت اس شخص کو کی جاتی ہے کہ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ نصیحت اسی کو فائدہ دیتی ہے جسے خدا کا خوف اور آخرت کا یقین ہو۔ اور خوب سمجھ لو کہ یہ جو کچھ تم کو نصیحت اور ہدایت کی گئی یہی تمہارے لیے خیر اور برکت اور طہارت اور نزاہت کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے روکنے میں کیا مضر تیں اور کیا خرابیاں ہیں اور تم پیش آنے والے مفسد کو نہیں جانتے اگر باوجود باہمی رضامندی اور رغبت کے تم نے عورتوں کو نکاح سے روکا تو شیطان طرفین کے دلوں میں طرح طرح کے دوسے ڈالے گا اور اس طرح سے دلوں کی طہارت اور نزاہت کو مکر کرے گا اور عجب نہیں کہ نکاح سے روکنا خود اہل خانہ سے ناجائز تعلقات کا ذریعہ بن جائے۔ ذَلِكُمْ أَذْكٰى كُمْ کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور لڑکے والیاں دودھ پلاویں اپنے لڑکوں کو دو برس پورے

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ

جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے پر ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

کھانا اور پہننا ان کا موافق دستور کے۔ تکلیف نہیں کسی شخص کو

إِلَّا وَسْعَهَا لَا تَضَارُّ وَالِدَاتُهُمْ يَوْلِيهَا وَلَا

مگر جو اس کی گنجائش ہے نہ ضرر چاہے ماں اپنی اولاد کا اور نہ

مَوْلُودٌ لَهُ يَوْلِيهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

لڑکے والا اپنی اولاد کا۔ اور وارث پر بھی یہی ذمہ ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

پھر اگر دونوں چاہیں دودھ چھڑانا آپس کی رضا سے اور مشورت سے تو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَدْتُمُ أَنْ

ان کو نہیں گناہ۔ اور اگر تم مرد چاہو کہ

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ

دودھ پلوا لو اپنی اولاد کو تو تم پر نہیں گناہ جب حوالہ کر دیا

مَّا أَتَيْتُمُ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ

جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے۔ اور ڈرو اللہ سے، اور جان رکھو کہ

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۲﴾

اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

حکم بست و نہم متعلق برضاع

قال تعالى: وَالْوَالِدَتُ يُرَضِّعْنَ أَوْلَادَهُنَّ... إلخ... وَعَلَّمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (در ربط) گزشتہ آیات میں عورتوں کے احکام کا بیان تھا یعنی طلاق اور عدت اور رجعت کے احکام کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں بچوں کے احکام بیان فرماتے ہیں یعنی رضاعت کی مدت اور اس کی اجرت کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ بچہ والی عورتوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔ اگرچہ ان کے شوہروں نے ان کو طلاق دے دی ہو اور یہ مدت اس کے لیے ہے کہ جو شیر خوارگی کو مکمل کرنا چاہے اور جو مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے کہ دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دے اور باپ پر جس کے لیے دراصل یہ بچہ پیدا کیا گیا کیونکہ بچہ باعتبار نسب کے باپ ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ان دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور پہنانا دستور کے مطابق واجب ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کسی نفس کو کسی حکم کا مکلف نہیں بنایا جاتا مگر اس کی طاقت اور گنجائش کے موافق لہذا ماں کو بچہ کی وجہ سے کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچایا جائے اور علیٰ ہذا نہ باپ کو لڑکے کی وجہ سے کوئی تکلیف دی جائے یعنی طلاق ہو جانے کے بعد ماں کو یہ نہ چاہیے کہ دودھ پلانے میں نخرے کرے اور شوہر سے نفقہ اور اجرت دستور سے زیادہ مانگے یا بچہ کی خبر گیری میں کمی کرے اور علیٰ ہذا باپ کو یہ نہ چاہیے کہ ضد میں بجائے ماں کے کسی آٹا سے دودھ پلوئے اور اس کو تو اجرت دے مگر ماں کو دودھ پلانے کی اجرت نہ دے یا ماں کی اجرت میں کمی کرے۔

عرض یہ کہ دودھ پلانے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ ہو تو پھر اسی طرح کا خرچہ وارث کے ذمہ ہے۔ وارث کی تفسیر میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وارث سے ذی رحم محرم مراد ہے اس لیے کہ عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں وَ عَلَى الْوَارِثِ ذِي السَّرْحِ الْمَحْرُومِ مِثْلُ ذَلِكَ آیا ہے۔ اور ایک قراۃ دوسری قراۃ کی مفسر ہوتی ہے یعنی وارث سے وہ ذی رحم محرم مراد ہے کہ اگر بچہ مر جائے تو یہ اس کا وارث بنے بقدر میراث کے سب پر خرچ لازم ہوگا۔ مثلاً اگر ذی رحم محرم دو بھائی یا دو بہنیں ہیں تو دونوں سے نصف نصف لیا جائے گا اور اگر ایک بھائی اور ایک بہن ہے تو بھائی سے دو ثلث اور بہن سے ایک ثلث لیا جائے گا اور وارثوں پر خرچہ اس صورت میں ہے کہ خود بچہ کے پاس مال نہ ہو ورنہ اگر بچہ کے پاس مال ہے تو پھر تمام خرچہ اسی کے مال میں سے دیا جائے گا اور امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ وارث سے خود وہ لڑکا ہی مراد ہے جو اپنے متوفی باپ کا وارث ہے اس کے دودھ پلانے کی اجرت اسی کے مال میں سے لی جائے گی اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو پھر ماں کے ذمہ ہے اور بچہ کے خرچہ کے لیے سوائے والدین کے کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا پس اگر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے دوبرس سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں اور اگر تم کسی ضرورت یا مصلحت کی وجہ سے

یہ ارادہ کر دے کہ اپنے بچوں کو بجائے ماں کے کسی دایہ کا دودھ پلوانا چاہو بشرطیکہ تم حوالہ اور سپرد کر دو جو کچھ تم نے دینا مقرر کیا تھا دستور کے موافق یعنی دودھ پلانے والی کا حق پورا دے دینا اس میں سے کچھ کمی نہ کرنا کسی کا حق مارنا یا کاٹنا بہت بُری بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ جو احکام ماؤں اور دودھ پلانے والیوں کے متعلق دیئے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس بات کو پیش نظر رکھو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ طلاق دے دینے کے بعد ماں سے دودھ پلوانے میں یا ماں کے ہوتے ہوئے کسی اتنا سے بچہ کو دودھ پلوانے میں کوئی نفسانی غرض تو شامل نہیں کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ تمہارے دل کے خیالات اور نفس کے خطرات کو بھی دیکھتا ہے۔

ف (۱) طلاق کے بعد اکثر و بیشتر میاں اور بیوی کے درمیان میں ایک قسم کی عداوت اور منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص کر جب کہ طلاق ایسی حالت میں ہو کہ گود میں خمیر خوار بچہ بھی ہو تو یہ باہمی منافرت اور کدورت ایک قسم کی مخالفت اور منازعت کا سبب بن جاتی ہے۔ اور پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں عجب دشواری پیش آتی ہے کبھی مرد یہ چاہتا ہے کہ بچہ کو ماں سے چھین کر کسی اور عورت سے دودھ پلوائے اور اس طرح بیچاری ماں کو فراق میں تڑپائے اور کبھی عورت بچہ کو دودھ پلانے سے اس لیے انکار کرتی ہے کہ ظاہر میں کوئی اور دودھ پلانے والی موجود نہیں۔ پہلا شوہر مجبور ہو کہ میری خوشامد کرے گا اور جو معاوضہ مانگوں گی وہ مجبوراً دے گا اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فیصلہ فرمادیا کہ مائیں دو برس تک بچہ کو دودھ پلائیں اور باپ کے ذمہ اس کے معاوضہ میں اس کا کھانا اور پہنانا واجب ہو گا ایک دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے اور نہ کسی کا حق کاٹے۔

ف (۲) مدت رضاعت جمہور کے نزدیک دو سال ہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک ڈھائی سال یعنی تیس مہینے ہیں جیسا کہ حنبلہ و فضالہ ثلثون شہراً میں مذکور ہے۔ تفصیل نفقہ کی کتابوں میں دیکھی جائے۔

ف (۳) یہ آیت اگرچہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی مگر بیوی بھی اس حکم میں داخل ہے اور اگر بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے بیوی کو کچھ دیا جائے تو حق زوجیت اس کے لیے مانع نہیں۔

ف (۴) ماں اگر معذور نہ ہو تو دینا نہ اس کے ذمہ۔ بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے اور منکوحہ کے لیے یا اس مطلقہ کے لیے جو ابھی تک عدت میں ہو اجرت لینا جائز نہیں البتہ عدت گزرنے کے بعد اجرت دینا واجب ہوگی۔

ف (۵) ماں کا دودھ اگر بچہ کے لیے مضر ہو تو ایسی صورت میں کسی اور عورت سے دودھ پلوانے میں کوئی حرج نہیں۔



وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اور جو لوگ سر جائیں تم میں اور چھوڑ جائیں عورتیں

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

وہ انتظار کروائیں اپنے تنہیں چار مہینے اور دس دن

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

پھر جب پہنچ چکیں اپنی عدت کو تو تم پر نہیں گناہ

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

جو وہ اپنے حق میں کریں موافق دستور کے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔

حکم سی ام = عدتِ وفات زوج

قال تعالیٰ: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا۔۔۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔
(رابطہ) گزشتہ آیات میں عدتِ حیات یعنی عدتِ طلاق کو بیان فرمایا اور اسی کے ساتھ
اشداء عدت میں مدتِ رضاعت اور اجرتِ رضاعت کا حکم بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں عدتِ حیات
کے بعد عدتِ وفات کو بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عدتِ وفات اور عدتِ حیات الگ الگ
ہیں اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر کو پوری کر کے دنیا سے چلے جائیں اور بیویوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان
کو چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھیں جب تک یہ مدت نہ گزر جائے
کہیں نکاح نہ کریں پس جب کہ وہ اپنی مدت اور عدت پوری کر لیں تو اسے وارثانِ میت تم پر
اب کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو وہ اپنی ذات کے لیے دستور کے مطابق کریں اب ان کو زینت
کرنے کی اور نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اگر تم نے
کسی امرِ مشروع پر ان کو طاعت کی یا ان کی کسی بات میں ہرج اور مزاحم ہوئے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس
کی سزا دے گا۔

- ف (۱) یہ عدت اُس بیوہ کی ہے کہ جو حاملہ نہ ہو اس لیے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہے۔ کمال قال تعالیٰ۔ وَ اُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔
- ف (۲) آئندہ ایک آیت میں آئے گا کہ عدت وفات ایک سال ہے وہ حکم پہلے تھا جو اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے۔
- ف (۳) شریعت نے عدت کا حکم پہلے نکاح کی عزت و حرمت اور نسب اور حمل کی حفاظت کے لیے دیا۔



وَلَا جُنَّةَ عَلَيْكُمْ فِي مَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةٍ

اور گناہ نہیں تم پر جو پردے میں کہو پیغام نکاح عورت

النِّسَاءِ أَوْ أَكُنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ

کو یا چھپا رکھو اپنے دل میں معلوم ہے اللہ کو کہ تم

سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا

البتہ ان کا دھیان کر دو گے لیکن وعدہ نہ کرو ان سے چھپ کر، مگر

أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزَمُوا

یہی کہ کہہ دو ایک بات جس کا رواج ہے اور نہ باندھو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ط

گرہ نکاح کی جب تک پہنچ چکے حکم اللہ کا اپنی مدت کو

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ

اور جان رکھو، کہ اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے

فَاذْكُرُوهُ ج وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ع (۲۳۵)

تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشتا ہے تحمل والا -



حکم سی و یکم متعلق پیغام نکاح در اثنا عدت

قال تعالى . وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا عَرَضْتُمْ بِهِ . . . إِلَى . . . إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ .
 (رابطہ) گوشتہ آیات میں عدت کے بعد نکاح کی اجازت مذکور تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ عدت کے اندر اندر نکاح اور نکاح کا وعدہ اور نکاح کا صریح پیغام تو جائز نہیں البتہ نکاح کا اشارہ اور کنایہ جائز ہے اس لیے کہ کسی کے مرتے ہی اس کی بیوہ سے نکاح کا پیغام دینا بے مردتی ہے گویا کہ پیغام دینے والا اس کی موت کا منتظر ہی تھا خصوصاً جب کہ بیوہ صاحب کمال اور صاحب جمال بھی ہو تو پیغام والے اور بھی جلدی کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا عدت کے اندر عورت کا نکاح کے متعلق گفتگو کرنا بے وفائی پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے شوہر کے مرتے ہی اس کے حق رفاقت کو بھول گئی اور سابق نکاح کی عزت اور حرمت کا کوئی لحاظ نہ کیا کہ جس کے گھر میں عدت گزار رہی ہے اور جس کی میراث تقسیم کر رہی ہے اس کے مرتے ہی نکاح کی بات چیت کر رہی ہے۔ گویا کہ یہ بے وفا عورت اپنے شوہر کے مرنے کی ہی منتظر تھی۔ اس لیے ان آیات میں اس کی بابت حکم فرمایا۔ اور جس طرح عدت کے بعد نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں اسی طرح تم پر اس بار سے میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ عدت و فوات کے اندر عورتوں کے پیغام کے متعلق بطور تعریض اور کنایہ کچھ اشارہ کرو۔ مثلاً یہ کہو کہ مجھے ایک نیک عورت کی ضرورت ہے یا نکاح کے خیال کو بالکل دل میں مضمر رکھو اور کسی طرح اس کا ذکر نہ کرو نہ صراحتاً اور نہ تعریضاً اور نہ کنایتاً اس کی طرف کوئی اشارہ کرو اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم عدت کے بعد ان سے صراحتاً اس کا ذکر کرو گے اور بغیر ذکر کے تم صبر نہ کر سکو گے اس لیے تم کو تعریض اور کنایہ کی اجازت دے دی۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر یہ بھی نہ ہو تو بہتر ہے یہ بھی ایک قسم کا عتاب ہے لیکن تم کو چاہیے کہ اجازت سے آگے نہ بڑھو یعنی عدت کے اندر ایک دوسرے سے مخفی طور پر نکاح کا صریح وعدہ نہ کر لو کہ عدت کے بعد ضرور نکاح کر لیں گے مگر اتنی بات کہو کہ جو قانون شرعی کے مطابق ہے یعنی بطور تعریض اور کنایہ کچھ کہہ سکتے ہو صراحتاً کہنے کی اجازت نہیں اور جب تک عدت اپنی پوری مدت تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک عقد نکاح کا عزم مصمم بھی نہ کرو۔ یعنی یہ اداہ اور عزم کہ عدت گزرنے کے بعد ضرور نکاح کریں گے یہ بھی ممنوع ہے بسا اوقات عزم کر لینے کے بعد صبر نہیں ہوتا اور عدت کے اندر ہی نکاح کر بیٹھتا ہے اس لیے بطور سد ذرائع اس ارادہ کی بھی ممانعت کر دی گئی اگرچہ یہ ممانعت تحریم کے درجہ میں نہیں بلکہ تنزیہ کے درجہ میں ہے جیسے وَلَا تَقْرَبُوا الزَّيْنَةَ میں زنا کے قریب جانے کی ممانعت فرمائی اور حدیث میں ہے کہ جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے عجب نہیں کہ وہ کسی وقت چراگاہ کے اندر گھس بھی جائے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں عدت کے اندر نکاح کا میلان چھپا ہوا ہے بس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانو کہ اللہ تعالیٰ

بڑا بخشہ والا ہے کہ میلان اور رغبت پر مواخذہ نہیں فرماتا اور جو قصداً ارادہ کے بعد اللہ کے خوف کی وجہ سے نہ کرے اُس کو معاف کر دیتا ہے اور بڑا تحمل والا ہے کہ خلاف حکم کرنے والوں پر مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ

گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو عورتوں کو،

مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً

جب تک یہ نہیں کہ ان کو ہاتھ لگایا ہو یا مقرر کیا ہو ان کا کچھ حق

وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ

اور ان کو خرچ دو وسعت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے

قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۲﴾

پر اس کے موافق جو خرچ دستور ہے لازم ہے نیکی والوں کو۔

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ

اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا

فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

چکے ہو ان کا حق تو لازم ہو آدھا جو کچھ ٹھہرایا تھا۔

إِلَّا أَنْ يَعْفُوَنَّ أَوْ يُعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ

مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے جس کے ہاتھ گره ہے

النِّكَاحِ ط وَ أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ط وَلَا تَنْسُوا

نکاح کی اور تم مرد درگزر کرو تو قریب ہے پر ہیزگاری سے۔ اور نہ بھلا دو

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۳﴾

بھلائی رکھنی آپس میں۔ تحقیق اللہ جو کرتے ہو سودیکھتا ہے۔

حکم سی و دوم۔ بابت مہر

قال تعالى: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ... إلخ... وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (رابطہ) گزشتہ آیات میں عدت کے اعتبار سے مطلقہ کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں مطلقہ کے احکام باعتبار لزوم مہر کے ذکر کرتے ہیں اس لیے کہ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر معین ہوا تھا اور پھر خلوت کے بعد ان کو طلاق دی گئی تو اس صورت میں شوہر کو تمام مہر دینا ہوگا جو نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا دوم یہ کہ مہر تو معین ہوا تھا مگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو اس صورت میں شوہر کو آدھا مہر دینا لازم ہوگا۔ شوم یہ کہ نہ مہر معین ہوا تھا اور نہ خلوت کی نوبت آئی تھی خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی اس صورت میں مہر نہیں بلکہ دستور کے مطابق خرچہ اور جوڑا دینا پڑے گا۔ چہارم یہ کہ مہر تو مقرر نہ ہوا تھا مگر خلوت یا صحبت کے بعد طلاق دی ایسی صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی اس خاندان کی عورتوں کا جو مہر رائج ہے وہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم عورتوں کو ایسے وقت میں طلاق دے دو کہ ابھی تک تم نے ان کو چھو یا اور ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ ان کے لیے تم نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر کیا ایسی حالت میں اگر تم ان کو طلاق دے دو تو نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ تم سے کوئی مہر کا مطالبہ ہے اور البتہ اس سے جدائی اور مفارقت کے وقت ان کو کچھ نفع اور فائدہ پہنچا دو یعنی پہننے کا کوئی جوڑا اور کچھ خرچہ دے دو۔ وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حالت کے بقدر واجب ہے اور یہ فائدہ پہنچانا خوش خوی اور خوبصورتی کے ساتھ چاہیے حاکم کی زبردستی سے نہ ہو یہ فائدہ پہنچانا نیکوکاروں پر حق واجب ہے جن کی نظر اللہ پر رہتی ہے وہ خلق خدا کو نفع پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ جوڑا دینا واجب ہے اور قائم مقام مہر کے ہے جیسا کہ صیغہ امر اور لفظ علیٰ اور حقاً سے وجوب ظاہر ہوتا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے واجب نہیں اور اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو دراصل حالیکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو ایسی صورت میں تم کو اس مہر کا نصف دینا پڑے گا جو تم نے نکاح کے وقت ٹھہرایا تھا اور نصف تم سے معاف ہو جائے گا۔ مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ایک یہ کہ عورتیں اپنا حق (نصف مہر) معاف کر دیں اور شوہر سے کچھ نہ لیں۔ یا یہ کہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گره ہے وہ اپنا حق معاف کر دے۔ یعنی بجائے نصف مہر دینے کے پورا مہر دے دے اور اگر شوہر پورا مہر دے چکا ہے تو نصف مہر عورت سے واپس نہ لے اور تمہارا اپنے اپنے حق کو معاف کر دینا تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے۔ یہ خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو ہے اور تم باہمی احسان اور نیکوئی کو نہ بھولو ہر ایک

کو چاہیے کہ اس کی کوشش کرے کہ فضل و احسان میرے ہاتھ سے سرزد ہو دوسرے کے احسان پر نظر کرنا فضل اور فضیلت کے خلاف ہے تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں وہ اس کو بھی دیکھتے ہیں کہ کون احسان کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون دوسرے کے احسان کی طرف نظر کرتا ہے۔

فائدہ چار صورتیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان آیات میں صرف دو کا حکم مذکور ہے ایک یہ کہ مہر نہیں ٹھہراتھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ دوسرے یہ کہ مہر تو ٹھہرا تھا مگر طلاق ہاتھ لگانے سے پہلے ہی دے دی اور دو صورتیں باقی رہ گئیں جن کا حکم ان آیات میں ذکر نہیں کیا گیا۔ ایک یہ کہ مہر مقرر ہوا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی تو پورا مہر لازم ہو گا۔ یہ حکم سورۃ نسا میں مذکور ہے۔ دوسرے یہ کہ مہر نہیں ٹھہراتھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی تو اس صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی اس عورت کے خاندان میں جو دواج ہے اس کے مطابق مہر دینا ہو گا۔

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ قَوْ

خبردار رہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور

قَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَآلًا أَوْ

کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لو یا

رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم

سوار۔ پھر جس وقت چین پاؤ تو یاد کرو اللہ کو، جیسا تم کو سکھایا

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

حکم سی و سوم۔ محافظتِ صلواتِ عموماً و صلوة وسطیٰ خصوصاً

قال تعالى۔ حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ الے كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ہ (رابطہ) دور سے سلسلہ کلام، احکام معاشرت کے بارے میں چل رہا ہے اس کے ضمن میں محافظتِ صلوة کا حکم اس لیے ذکر کیا کہ اکثر و بیشتر اہل و عیال میں مشغولی نماز اور نیاز سے غفلت کا باعث ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ
وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ه

اے ایمان والو! مال اور اہل و عیال
کا تعلق تم کو خدا کی عبادت اور بندگی
سے غافل نہ کرے۔ اور جو ایسا کریں گے
وہ خاسرین میں سے ہوں گے۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ رَٰنَمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةً ۖ

انما اموالکم را یاد گیر
یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں حقوق العباد کا ذکر تھا۔ اس آیت میں حق اللہ کا ذکر ہے۔
یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں یعنی لَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ میں یہ حکم تھا کہ باہمی سلوک اور
احسان کو فراموش نہ کرو اور اس آیت میں اشارۃً یہ حکم ہے کہ اپنے نفس کو سلوک اور احسان سے نہ بھولو
جس نے نماز ادا کی اُس نے اپنے نفس پر احسان کیا اور جس نے نماز سے غفلت برتی اس نے اپنے
نفس کو فراموش کیا کہ آخرت کے منافع سے اس کو محروم کیا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں طلاق کی اجازت مذکور تھی اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ طلاق
اگرچہ بوجہ ضرورت شرعاً جائز ہے مگر حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور ایک ناپسندیدہ امر کے
ضمن میں کتنے ناپسندیدہ امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے وہ اللہ ہی کے علم میں ہے اس لیے آئندہ آیت میں
نماز کا حکم نازل کیا تاکہ نماز کی محافظت ناپسندیدہ امور کے ارتکاب کا کفارہ بن سکے۔ کما قال تعالیٰ
رَاتِ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ
السَّيِّئَاتِ ط

بیشک نیک کام (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے
ہیں بُرے کاموں کو۔

نماز دین کا ستون ہے۔ گناہوں کو مٹاتی ہے۔ اور دلوں کے زنگ کو کھڑچتی ہے اہل و عیال کی
ملاست سے جو دلوں پر میل کچیل آجاتا ہے وہ نماز کی محافظت سے صاف ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ دن میں پانچ نمازوں کا ادا کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی کے دروازہ کے آگے نہر
بہتی ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے کیا اُس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ یعنی سر اور بدن
پر پانی بہا لینے سے بھی غسل ہو جاتا ہے لیکن غسل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بجائے اپنے اوپر پانی بہانے کے
خود نہر کے اندر گھس جانے کے جس کا پانی تیزی سے بہ رہا ہو۔ ایسی نہر میں جس کا پانی نہایت تیزی کے ساتھ
چل رہا ہو غسل کر لینے سے میل باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور تمام نمازوں کی محافظت کرو اور
خصوصاً درمیانی نماز کی یعنی عصر کی۔ نمازوں کی حفاظت اور نگرانی کے معنی یہ ہیں کہ نمازوں کو اپنے وقتوں
پر ادا کرو اور نماز کے ارکان اور واجبات اور سنن اور آداب کا پورا پورا لحاظ رکھو۔ تم نماز کی حفاظت کرو نماز
تمہاری حفاظت کرے گی۔ اسی وجہ سے حَافِظُوا باب مفاعله کا صیغہ لایا گیا جو مشارکت پر دلالت کرتا
ہے۔ جس درجہ تم نماز کی حفاظت اور خبر گیری کر دگے اسی درجہ نماز تمہاری حفاظت کرے گی اور کھڑے

رہو اللہ کے سامنے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ نماز میں نہایت خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو کسی سے کوئی بات نہ کرو۔ نگاہ نیچی رکھو۔ ادھر ادھر نہ دیکھو۔ دنیاوی خیالات سے قلب کو محفوظ رکھو۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (اہل بیت) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز میں بات چیت بھی کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَتَقُوْا لِلّٰهِ قِنْتِیْنَ تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم ہو گیا۔ اور نماز میں باتیں کرنے سے ہم کو منع کر دیا گیا (بخاری و مسلم وغیرہ) اس لیے کہ نماز کی حقیقت مناجاتِ خداوندی ہے آپس میں باتیں کرنے سے خدا تعالیٰ سے مناجات باقی نہیں رہ سکتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ اس نماز میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ نماز تو وہ ہے کہ جس میں دل سے بھی باتیں نہ ہوں چہ جائیکہ زبان سے باتیں اور آنکھوں سے اشارے ہوں پس اگر تم کو کسی دشمن وغیرہ کا خوف ہو جس کی وجہ سے تم نماز کے آداب اور سنن کی پوری حفاظت نہ کر سکو تو پھر جس طرح بھی ممکن ہو۔ پیادہ یا سوار نماز پڑھ لو اور اس طرح اصل نماز کی حفاظت کر لو۔ اگرچہ اس خوف کی حالت میں رکوع اور سجود اور خشوع اور خضوع اور استقبال قبلہ کی پوری رعایت اور حفاظت نہ کر سکو تو پھر جب تم کو امن اور سکون حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو پورے سکون اور اطمینان اور آداب کے ساتھ یاد کرو جس طرح اس نے تم کو اپنی بندگی اور یاد کے طریقے سکھائے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ خوف کی حالت مجبوری کی حالت ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس حالت میں بغیر رکوع و سجود کے اشارہ سے نماز کی اجازت دے دی اگرچہ تمہارا منہ بھی قبلہ کی طرف نہ ہو۔

ف (۱) صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں اقوال مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز صبح مراد ہے۔ جو رات کی نماز یعنی عشاء اور دن کی نماز یعنی ظہر کے درمیان ہے ابو قبیصہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مغرب کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ نماز ثلاثی ہے (تین رکعت والی ہے) ثنائی اور رباعی کے درمیان ہے یعنی دو رکعت والی سے زائد اور چار رکعت والی نماز سے کم ہے۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں میں سے ایک نماز بتائیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ اسم اعظم اور شب قدر اور ساعتِ جمعہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کو پوشیدہ رکھا ہے جمہور علماء کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے اور بہت سی احادیث صحیحہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مختار ہے۔

ف (۲) عصر کی تخصیص، تاکید اور اہتمام کے لیے کی گئی کیونکہ یہ وقت لوگوں کے بازاروں میں مشغول رہنے کا ہے۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فوت نہ ہو جائے یا بغیر جماعت کے ادا کی جائے یا تاخیر سے پڑھی جائے۔

ف (۳) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خوف کی حالت میں نماز پیروں پر کھڑے ہو کر یا سواری پر جائز ہے مگر چلتے چلتے نماز جائز نہیں اس لیے کہ رجالاً۔ راجل کی جمع ہے اور راجل کے معنی لغت میں چلنے والے کے نہیں بلکہ لغت میں راجل پیروں پر کھڑے ہونے والے کو کہتے ہیں اور اس آیت میں راجل کو مقابلہ میں راکب کے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجل سے مراد وہ شخص ہے کہ جو سوار نہ ہو امام شافعیؒ کے نزدیک اگر دشمن کا خوف شدید ہو تو چلتے چلتے بھی نماز درست ہے۔ جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر خوف اتنا شدید ہے کہ ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو پھر نماز کو مؤخر کرے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں نمازوں کو مؤخر فرمایا اور چلتے چلتے نمازیں نہیں پڑھیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اور جو لوگ تم میں مرجاویں اور چھوڑ جاویں عورتیں۔

وَصِيَّةٌ لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ

وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس، نہ نکال دینا

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

پھر اگر وہ نکل جاویں تو گناہ نہیں تم پر، جو کچھ

فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ

کریں اپنے حق میں دستور کی بات اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾

زبردست ہے حکمت والا۔

حکم سی و چہارم۔ وصیت برائے سکونت بیوہ

قال تعالى: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا... وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (رابطہ) احکام معاشرت کے ضمن میں محافظت صلوات پر متنبہ فرمایا۔ اب اُس تنبیہ کے بعد پھر

کچھ احکام بیان فرماتے ہیں۔ گزشتہ آیات میں مطلقاً کے متعہ کا ذکر فرمایا اب اس آیت میں بیوہ کے متعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر پوری کر کے دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف انتقال کر جائیں اور عورتوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان پر یہ شرعاً واجب ہے کہ وہ بیویوں کے لیے ایک سال تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں اس طرح پر کہ وہ عورتیں انہیں کے مکان میں رہیں اور ایک سال تک ان کو نان و نفقہ ملتا رہے بغیر اس کے کہ ان کو ایک سال کے اندر گھر سے نکال دیا جائے۔ شوہر کو چاہیے کہ وصیت نامہ میں اس کی بھی تصریح کر دے کہ ان عورتوں کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر اگر وہ عورتیں ایک سال پورے بغیر ہی چار ماہ اور دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد خود بخود ہی کسی ضرورت کی وجہ سے بغیر وارثوں کے نکالے ہوئے نکل جائیں تو اسے وارث اس چیز پر کہ جو یہ عورتیں شریعت کے دستور کے مطابق اپنے بارے میں کریں۔ مثلاً زیب و زینت کریں یا نکاح کریں تو تم کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ ورثہ کو یہ حق ہے کہ گھر سے چلے جانے کے بعد عورت کا خرچ اگر بند کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور اللہ غالب ہے خلاف حکم کرنے والوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے۔ حکمت والا ہے مروت اور مصلحت کے مطابق حکم دیتا ہے۔

فائدہ عورتوں کے لیے ایک سال کی وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ جب وارثوں کے حصے مقرر نہ تھے اور آیت میراث ابھی نازل نہ ہوئی تھی بلکہ مردہ کے اختیار پر تھا کہ وہ جس قدر وارثوں کو دلوانا چاہے اس کے مطابق وصیت کر جائے۔ شروع اسلام میں والدین اور اقارب کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ مرنے والے پر وصیت واجب تھی۔ لکھا قال تعالیٰ کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ الْآيَةُ اسی طرح مرنے والوں پر اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا واجب تھا کہ وہ ایک سال تک اُن کے مال میں سے کھانے پہننے کا فائدہ اٹھاتی رہیں اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس لیے اُس کو اختیار تھا کہ چاہے سال بھر شوہر کے گھر میں رہ کر ورثہ سے اپنا حق وصول کرے یا چار مہینہ اور دس دن پورے کر کے چلی جائے اور اپنا حق چھوڑ دے عورت کے لیے اپنے اختیار سے چلا جانا جائز تھا مگر وارثوں کو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا۔ غرض یہ کہ اس آیت کی رو سے مرنے والوں پر اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے نفقہ اور سکنی کی وصیت واجب تھی بعد میں جب آیت میراث نازل ہوئی اور والدین اور اقارب اور بیوی کا حصہ میراث میں مقرر ہو گیا تو بیوی وغیرہ کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا۔

الا لا وصیۃ لوارث۔ آگاہ ہو جاؤ وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔
غرض یہ کہ شروع اسلام میں عورت کی عدت ایک سال تھی اور عورت کے لیے کوئی میراث نہ تھی صرف یہی ایک سال کا نان و نفقہ تھا۔ آیت میراث کے نازل ہونے کے بعد نان و نفقہ کی وصیت

کا حکم منسوخ ہو گیا اور آیت **يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا** سے جو پہلے گزر چکی ہے ایک سالہ عدت کا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں مؤخر ہے جیسا کہ آیت **سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ آلُ الْحَارِثِ تَلَاوت میں مقدم ہے اور آیہ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ** نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی **مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ** محکم ہے منسوخ نہیں۔ اصل عدت تو چار مہینے اور دس دن ہے۔ اس عدت کا پورا کرنا واجب اور لازم ہے اور ایک سال کی عدت کا حکم استحبابی اور اختیاری ہے۔ چار ماہ اور دس دن کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ چاہے سال بھر پورا کرے یا نہ کرے اس لیے کہ اس آیت سے عورت پر ایک سال کی عدت کا واجب ہونا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ شوہروں پر ایک سال کی وصیت کا وجوب مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں تر بص (عدت نشینی) کا ذکر نہیں جیسا کہ آیت عدت میں ہے اس آیت میں تو صرف وصیت کا ذکر ہے اور شوہروں کو حکم ہے کہ تم مرتے وقت بیویوں کے لیے ایک سال کی وصیت کر جاؤ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہے اس وصیت کے موافق ایک سال تک رہیں اور چاہیں تو چار مہینے اور دس دن پورا کر کے چلی جائیں پس مجاہدؒ کے اس قول پر عدت کی دو میعادیں ہو گئیں ایک ضروری اور حتمی جو اقل میعاد ہے یعنی چار مہینے اور دس دن۔ اور دوسری اختیاری میعاد جو زائد اور اکثر ہے یعنی ایک سال لہذا اس صورت میں نہ اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے اور نہ اس آیت کو **أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا** والی آیت سے نزول میں مقدم ماننے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ جب دو آیتوں کو دو حالتوں پر محمول کر لیا تو تعارض ہی نہ رہا تو پھر نسخ کی کیا ضرورت رہی۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں عدت ایک سال تھی جو بعد میں چار مہینے اور دس دن کی آیت سے منسوخ ہوئی۔ اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے اور اسی پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے اور کسی امام اور فقیہ نے مجاہدؒ کی موافقت نہیں کی اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی سے مجاہدؒ کے موافق منقول نہیں بلکہ ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے جمہور کے مطابق ایک قول نقل کیا ہے۔ پس الحمد للہ کہ اجماع مکمل ہوا اور خلاف مرتفع ہوا (احکام القرآن للامام القرطبی ص ۲۲ ج ۳)

وَلِلْمُطَلَّاتِ مَتَعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۲۴۱

اور طلاق والیوں کو خرچ دینا ہے موافق دستور کے لازم پر ہینر گاروں کو۔

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝۲۴۲

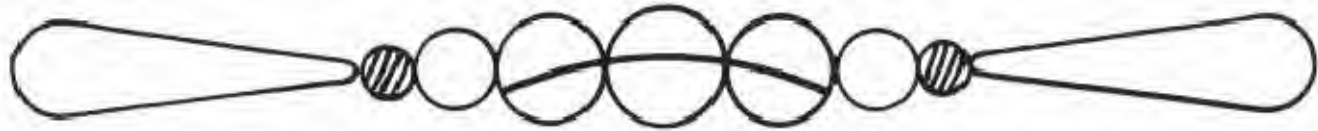
اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنی آیتیں شاید تم بوجھ رکھو۔

حکم سی و پنجم۔ متعہ برائے مطلقات

قال تعالیٰ۔ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِأَمْعُرُوفٍ... اَلَمْ... كَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝
(رابطہ) گزشتہ آیات میں ان مطلقات کے متعہ (جوڑا) کا ذکر تھا جن کا مہر نہ مقرر ہوا ہو اور ہاتھ لگانے سے پہلے اُن کو طلاق دے دی ہو۔ اب اس آیت میں عام طلاق والی عورتوں کے متعہ کا ذکر فرماتے ہیں اور تمام طلاق والیوں کے لیے دستور کے مطابق کچھ نہ کچھ نفع پہنچانا ہے من جانب اللہ یہ حق گردانا گیا ہے۔ پرہیزگاروں پر یعنی تمام مسلمانوں پر جو کفر اور شرک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو اور اس کے احکام کی حکمتوں میں غور و فکر کرو کہ اس کے احکام کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں تک نکاح اور طلاق کے احکام تمام ہوئے۔
فَلِلَّهِ الْحَمْدُ۔

ف (۱) جس عورت کا کوئی مہر نہ ٹھہرا اور ہاتھ لگانے سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو جوڑا دینا واجب ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں گزرا۔ باقی اور طلاق والی عورتوں کو جوڑا دینا واجب نہیں صرف مستحب ہے اس لیے کہ جو عورت مستحق مہر کی ہے وہ مستحق متعہ کی نہیں جس کے لیے پورا مہر یا آدھا مہر واجب ہے اس کے لیے متعہ واجب نہیں۔

ف (۲) اس آیت میں تمام مطلقات کے متعہ کا ذکر ہے جو واجب اور غیر واجب سب کو شامل ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ”وَلِلْمُطَلَّقاتِ“ میں ”الف لام“ عہد کا ہے اس سے وہی مطلقات مراد ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی جن کا مہر نہ مقرر ہوا ہو اور غلو سے پہلے اُن کو طلاق دے دی گئی ہو اُن کے لیے متعہ واجب ہے۔ اب یہ آیت عام نہ ہوگی بلکہ پہلی ہی آیت کے حکم کی تاکید ہوگی اس لیے کہ پہلی آیت کے اخیر میں یہ تھا مَتَاعًا بِأَمْعُرُوفٍ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ جس سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ یہ متعہ دنیا محض احسان اور تبرع ہے واجب اور لازم نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِأَمْعُرُوفٍ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ جس میں حق لازم ہونے کی عام مومنین پر تصریح فرمادی۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ

تُونِي نَدِيكِهِمْ وَهَ لُوكِ جُو نَكَلِي أَپَنے گھروں سے، اور وہ

أَلَوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ

ہزاروں تھے، موت کے ڈر سے۔ پھر کہا ان کو اللہ نے مر جاؤ پیچھے

أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

ان کو جلایا اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر اور لیکن

أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۲﴾

اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

خاتمہ احکام معاشرت برتذکر آخرت

حکایتِ قصہ گریزندگاں از موت و بابرائے تنبیہ شیفتگانِ جیات دنیا

و تمہید تشجیع بر جہاد و قتال و ترغیب انفاق مال

قال تعالى. أَلْفُتْرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ... إِلَى... وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ هـ
(رابطہ) یہاں تک ابواب البر والصلہ کے متعلق مختلف الانواع اور مختلف الاقسام احکام مذکور ہوئے
مگر ان احکام میں سب سے زیادہ اہم اور مہتمم بالشان اور نفس پر شاق اور گراں دو حکم ہیں ایک جہاد و
قتال کا اور دوسرا انفاق مال کا۔ چنانچہ اصول بر کے بیان میں وَ اتَى الْعَالِ عَلَى حُبِّهِ اور الصَّابِرِينَ
فِي الْبُسَاةِ وَالضَّرَآءِ وَ حِينَ الْبَأْسِ کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اس لیے کہ انسان کو خداوند
ذوالجلال کی اطاعت سے روکنے والی زیادہ تر دہی چیزیں ہوتی ہیں ایک حب دنیا اور ایک کراہت
موت بلکہ یہی دو چیزیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں مغل اور منراہم ہوتی ہیں اس لیے حق جل شانہ
نے اولاً بنی اسرائیل کا ایک قصہ ذکر فرمایا جو موت اور دہار کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے
اور غضب خداوندی سے سب ہلاک ہوئے اور پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے دوبارہ زندہ
ہوئے تاکہ اس بلا سبب موت اور بلا سبب حیات کے مشاہدہ سے یہ یقین کر لیں کہ موت اور حیات
کسی ظاہری سبب پر موقوف نہیں۔ موت اور حیات کا خالق اور مالک صرف خدا تعالیٰ ہے وہ بغیر
دہار اور طاعون کے اور بغیر میدان کارزار کے بھی موت دے سکتا ہے لہذا موت کے خوف سے
بھاگنا بے سود ہے۔ نیز اس بلا سبب موت اور بلا سبب دوبارہ زندگی کے مشاہدہ سے گویا کہ آخرت

اور حشر اور نشر اور قیامت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جس سے آخرت کے بارے میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی اور اب تک آخرت اور قیامت کے بارے میں جو ایمان استدلالی اور بُرہانی تھا اب وہ اس دوبارہ زندگی کے مشاہدہ کے بعد بمنزلہ شہودی اور عیانی کے ہو گیا جس میں ارتداد کا احتمال نہیں۔ استدلال میں احتمال کی گنجائش ہے مشاہدہ اور معاینہ میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیس بود پائے چوبیس سخت بے تمکین بود

پس یہ قصہ اُن دو حکموں کی تمہید ہے جو آئندہ آیات میں مذکور ہوں گے۔ ایک جہاد و قتال کا حکم جو اس قصہ کے متصل مذکور ہے یعنی وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ دوسرا حکم انفاقِ مال کا ہے جس کو مَوْءِذُ الْقَذِیْ يُقْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا الخ سے بیان فرمایا پھر ان دو حکموں کے بعد اولاً جہاد و قتال کی ترغیب اور تاکید کے لیے قصہ طالوت و جالوت ذکر فرمایا اور ثانیاً خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کے احکام اور فضائل بیان فرمائے جو دور تک چلے گئے اور پھر احکام صدقات سے فراغت کے بعد ربا اور سود کے احکام بیان فرمائے اس لیے کہ ربا اور سود صدقہ اور خیرات کی ضد اور نقیض ہے اور پھر اس سورت کو ایمان اور اطاعت اور دعا و رحمت و مغفرت پر ختم فرمایا۔ اس سورت کا آغاز بھی ایمان اور ہدایت اور تقویٰ اور فلاح سے ہوا تھا هُدًی لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ الخ۔ وَ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور خاتمہ بھی ایمان اور اطاعت اور دعا و رحمت پر ہوا جو کہ عین فلاح اور عین ہدایت اور عین سعادت ہے۔

بیان ربط بطریق دیگر | دور سے نکاح اور طلاق کے احکام کا سلسلہ چلا آ رہا تھا یہاں آکر احکام معاشرت پورے ہوئے۔ اس لیے اب احکام

معاشرت کے بعد ایک قصہ تذکیرِ آخرت کے لیے ذکر فرمایا جس کو عدت و نفات کے احکام سے خاص مناسبت ہے یعنی اگر تم بے کس عورتوں کا عرصہ حیات تنگ کرو گے اور اُن کے مہر اور متعہ کے دینے میں کوتاہی کرو گے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عدولِ حکمی کی سزا میں تمہارے اموال اور ذخائر کو اور تمہاری مستعار حیات کو تم سے واپس لے لے جیسا کہ پہلی امتوں میں اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے دیکھنے والے اور اے سننے والے تو نے بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سنا مگر کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے بطور سزا اور تنبیہ یہ حکم دیا کہ مر جاؤ یہ حکم تکوینی تھا اسی وقت سب مر گئے اور جس موت کے ڈر سے بھاگے تھے اسی میں اچانک پکڑے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک نبی کی درخواست اور استدعا پر دوبارہ زندہ کر دیا۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ طاعون سے بھاگ کر نکلے تھے۔

ایک بیابان میں جا کر اترے اور یہ گمان کیا کہ اب ہم سلامتی اور تندرستی کی جگہ پہنچ گئے تب بحکم خداوندی سب کے سب وہیں مَر گئے۔ اور ایک ہفتہ یا کچھ عرصہ بعد حزقیل علیہ السلام جو انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے وہاں سے گذرے اور یہ منظر دیکھا کہ ہزاراں ہزار آدمی مار پڑا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن سب کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔

ضحاک اور مقاتل اور کلبی سے یہ منقول ہے کہ یہ لوگ جہاد سے بھاگے تھے کہ غنیم سے لڑنا نہ پڑے موت کے ڈر سے وطن چھوڑ کر نکل گئے۔ بھاگ کر جہاں پہنچے اللہ کے حکم سے موت بھی وہیں پہنچ گئی اور سب کا کام تمام کیا۔ پھر بعد چندے اُس زمانہ کے پیغمبر کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے۔

نکتہ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ یہ موت موت عقوبت تھی یعنی بطور سزا اور تنبیہ تھی۔ موت اجل نہ تھی جو کہ عمر پوری ہونے کے بعد آتی ہے اس لیے سزا اور تنبیہ کے بعد دوبارہ حیات عطا کر دی گئی تاکہ اپنی عمروں کو پورا کر لیں اور اگر یہ موت اجل ہوتی یعنی عمریں پوری کر چکے ہوتے تو پھر حیات واپس نہ ہوتی اس لیے کہ موت اجل کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۳۱، ۳۳۲)

فائدہ اللہ کے یہاں عام قاعدہ تو یہی ہے کہ کوئی مرنے کے بعد قیامت سے پہلے دنیا میں نہیں آتا لیکن بطور خرق عادت کبھی احیانا اللہ تعالیٰ مردہ کو دنیا میں زندہ کرتے ہیں تاکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ظاہر ہو اور منکرین قیامت پر حجت تمام ہو۔

اور تحقیق بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے کہ اس طرح دوبارہ زندہ کر کے اپنی قدرت کا کرشمہ اور قیامت کا نمونہ ایک نبی کی نبوت کی دلیل اور معجزہ لوگوں کو دکھلادیا تاکہ ملاحظہ اور منکرین قیامت اور مکذبین نبوت و رسالت عبرت حاصل کریں اور سمجھ جائیں کہ نہ تو مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا محال ہے اور نہ خدا تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر کسی خارق عادت کرشمہ کا ظاہر ہونا ناممکن ہے۔ اور ایمان کے اصل اصول بھی یہی تین اسر ہیں۔ یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت جو اس واقعہ سے ثابت ہوئے اور اِنَّ اللّٰهَ يَٰۤاُمُّرُکُمْ اَنْ تَذُبُّوْا بَقَرَةًۭ ۙ فِیْہِیْ جَوْقَصَۃٌ ذَکَرٌ کیا گیا وہ بھی اسی طرح ان تین امور کی دلیل تھا اور آئندہ پارہ میں حضرت ابراہیمؑ کا جو قصہ آنے والا ہے وہ بھی ان ہی تین امور کی دلیل واضح ہے اب دیکھ لو کہ کس طرح سے سورۃ کا اوّل اور آخر اور اوسط باہم متناسب اور مرتبط ہیں۔ ملاحظہ کو چاہیے تھا کہ اس واقعہ کو سامان ہدایت سمجھتے اور اس کو خدا کی نعمت جان کر شکر ادا کرتے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور ایسے واقعات سے عبرت اور ہدایت حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔ یہ واقعہ کوئی معمولی نعمت نہ تھا کہ ایمان بالغیب کو شہودی اور عیانی بنا دیا۔ اور ارتداد کے خطرہ سے نکال دیا اس نعمت پر تو اگر لاکھوں اور کروڑوں جانیں بھی قربان ہو جائیں

تو بہت کم ہیں۔ اور اُن نبی پر بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں جن کی توجہ اور دعا سے یہ نعمت ظہور میں آئی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معهم یا رحم الراحمین۔

ف (۱) اَلْكَوْتَرُ کے معنی ”کیا تو نے نہیں دیکھا“ مگر محاورہ میں اس کے معنی اَلْكَوْتَعْلُو کے ہیں کیا تم کو معلوم نہیں۔ ظاہراً چونکہ روایت بصری علم کا ذریعہ ہے اس لیے لفظ روایت بول کر علم کے معنی مراد لیے گئے۔ فصحاء اور بلغار کے نزدیک یہ لفظ تنبیہ اور تشویق کے لیے مستعمل ہوتا ہے یعنی متنبہ کرنے اور شوق دلانے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سیبویہ سے منقول ہے کہ اَلْكَوْتَرُ کے معنی تَنْبِيْہٌ اِلٰی اُمُوْلَ الذِّیْنِ کے ہیں (تفسیر القرطبی ص ۲۳ ج ۳) یعنی یہ واقعہ عجیب و غریب ہے اس قابل ہے کہ اس کو شوق اور رغبت کے ساتھ سنا جائے یہ چیز قابل دید تھی۔ اور چونکہ یہ واقعہ شہرت اور تواتر کی وجہ سے بمنزلہ محسوس اور مشاہد کے تھا اس لیے بجائے اَلْكَوْتَعْلُو کے لفظ اَلْكَوْتَرُ لایا گیا۔ جیسا کہ حضرات فقہاء اور محدثین نے لکھا ہے کہ خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بمنزلہ مشاہدہ اور روایت بصری کے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو امور خبر متواتر سے ثابت تھے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا اُن کو اَلْكَوْتَرُ سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بھاگنے والے بنی اسرائیل میں سے ایک قوم تھی جو واسط کے قریب قصبہ داوڑان میں رہتی تھی۔

ف (۳) وَهُمُ الْكُوفُ۔ اور یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہزار تھے بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ہزار تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ چار ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین ہزار تھے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

والصحيح انهم زادوا عشرة آلاف
لقولہ تعالیٰ وہم الکوف وهو جمع
الکثرة ولا يقال في عشرة فما
دونها الکوف۔
صحیح ہے کہ دس ہزار سے زیادہ تھے۔
اس لیے کہ الکوف جمع کثرت ہے۔ اس
کا اطلاق دس اور دس سے کم پر نہیں آتا۔
(تفسیر قرطبی ص ۲۲ ج ۳)

ف (۴) حدیث میں ہے کہ جب تم یہ سُنو کہ فلاں زمین میں وبادا در طاعون ہے تو تم اس زمین میں داخل نہ ہونا اور اگر وبادا در طاعون اُس زمین میں پھیل جائے جس میں تم رہتے ہو تو تم اس سے بھاگ کر نہ نکلا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو مقام سرخ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شام میں طاعون اور وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس وقت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ حدیث سنائی۔ حضرت عمرؓ یہ حدیث سُن کر سرخ سے واپس آ گئے۔ ابو جمیدہؓ نے کہا۔

أَفْرَارًا مِنْ قَدَرِ اللَّهِ

اے امیر المومنین کیا اللہ کی قضا و قدر سے بھاگتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لَوْ غَدِرْتُ قَالَهَا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ، نَعَمْ نَفْسٌ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ الِے قَدَرِ اللَّهِ -

کاش! تیرے سوا کوئی یہ شبہ کرتا۔
(یعنی یہ کلمہ تیری شان کے مناسب نہیں)
ہاں ہم اللہ کی ایک قضا و قدر سے خدا کی
دوسری قضا و قدر کی طرف بھاگ رہے ہیں

جس طرح بیماری میں علاج کرنا ایک قضا و قدر سے دوسری قضا و قدر کی طرف بھاگنا ہے اس لیے کہ بیماری بھی اللہ کی قضا و قدر سے ہے اور علاج اور دوا بھی اللہ کی قضا و قدر ہے اسی طرح ہمارا وہائی زمین میں داخل نہ ہونا اور وطن کی طرف لوٹ جانا ایک قدر سے دوسری قدر کی طرف جاننا ہے۔ یہ آیت معاد جسمانی کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل ہے۔ معاد جسمانی کا اقرار اصول ایمان میں سے ہے اور معاد جسمانی کا منکر باجماع امت بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اور لڑو اللہ کی راہ میں، اور جان لو کہ اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾

سُنا ہے جانتا۔

تشجيع شاکرین بر جہاد و قتال کافرین

قال تعالى: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
گزشتہ آیت میں حکم جہاد کی تمہید تھی۔ اس آیت میں اصل مقصود کو بیان کرتے ہیں۔ نیز
گزشتہ آیت شاکرین اور غیر شاکرین کے بیان پر مشتمل تھی اب اس آیت میں شکر گزاروں کو ناشکروں
سے جہاد و قتال کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اب تو تم نے دیکھ لیا کہ موت سے بھاگنا کچھ فائدہ نہیں
دیتا۔ لہذا خدا کی راہ میں خوب دل کھول کر لڑو۔ خدا کی راہ میں اگر موت بھی آتی ہے تو حقیقت

اس کی حیات ہوتی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جہاد میں جانے اور نہ جانے کی بابت جو باتیں کرتے ہو وہ سب سنتا ہے اور جو نیت دل میں چھپائے ہو اس کو جانتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ

کون شخص ہے ایسا؟ کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض، کردہ اس کو دونا

لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ

کردے کتنے برابر؟ اور اللہ تنگی کرتا ہے اور کشائش

وَالِيهِ تَرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

اور اسی پاس اُلٹے جاؤ گے۔

ترغیب انفاق مال در راہ خداوند ذوالجلال

قال تعالیٰ: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ... اُلٹے... وَالِيهِ تَرْجَعُونَ ۝
گزشتہ آیت میں خدا کی راہ میں جان دینے کا بیان تھا اب اس آیت میں مال دینے کا بیان ہے کون شخص ہے جو اللہ کو نہایت عمدہ اور اچھا قرض دے یعنی حلال مال سے اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ دے پس اللہ تعالیٰ اُس کو گونا گوں بڑھا کر دیں گے۔ دنیا کی طرح برابر برابر نہ دیا جائے گا۔ خداوند ذوالجلال معاذ اللہ حاجت کی بنا پر قرض نہیں مانگتا بلکہ تم سے اس لیے قرض مانگتا ہے کہ تم سے ایک لے کر بے شمار اس کے عوض عطا کرے۔ باپ کبھی اپنے خور و سال بچے کو ایک پیسہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ بیٹا یہ پیسہ ہم کو قرض دے دو۔ جب وہ بچہ باپ کے ہاتھ پر وہ رکھ دیتا ہے تو باپ بصد ہزار محبت و پیار اس کے ہاتھ پر ایک دینار رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی مطلق اور مالک مطلق ہے اس کو کسی کے قرض کی ذرہ برابر حاجت نہیں وہ اپنے خزانہ سے جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وسعت اور کشائش کے ساتھ دیتا ہے اور جس طرح تم دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے اسی طرح تم خالی ہاتھ اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر خدا تعالیٰ تم سے قرض کے نام سے بھی نہ مانگتا اور نہ کسی معاوضہ کا وعدہ فرماتا تب بھی تم کو تمام مال اس کے لیے حاضر کر دینا تھا۔ یہ مال اور جان اور یہ وجود سب اسی کا عطیہ ہے۔

ف (۱) خدا کی راہ میں دینے کو مجازاً قرض کہا گیا اس لیے کہ قرض دینے کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اپنا مال اس شرط پر دے کہ پھر وہ برابر سراسر اس کے پاس واپس آجائے اور بندہ حقیقتہً کسی چیز کا مالک نہیں سب چیز اللہ کی ہے۔ آقا کو غلام سے قرض مانگنے کی کیا ضرورت۔ خود غلام اس کا مملوک ہے۔

محض تطف اور اظہار عنایت کے لیے اس کا نام قرض رکھ دیا کہ خدا کی راہ میں جو خرچ کرو گے من جانب اللہ اس کا معاوضہ ملے گا جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ اَمْوَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةَ۔ میں نفوس اور اموال کے عوض میں جنت دینے کا نام بیع و شراء رکھا۔ حالانکہ جان اور مال اور جنت سب کے وہی مالک ہیں۔ بیع و شراء کے لیے یہ ضروری ہے کہ بائع اور مشتری کی ملک علیحدہ علیحدہ ہو۔ پس جس طرح اس آیت میں درحقیقت وہی بائع اور وہی مشتری ہیں محض ظاہر کے اعتبار سے بندہ کو بائع اور اپنے کو مشتری مجازاً قرار دیا اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ لینے والے اور دینے والے سب وہی ہیں مجازاً اس کو قرض سے تعبیر کر دیا تاکہ اس ظلم و جہول کا دل خوش ہو جائے اور اگر کچھ عقل ہے تو غیرت سے زمین میں گڑ جائے کہ اللہ اکبر خود اپنے فضل و کرم سے مال و دولت ہم کو دیتے ہیں اور پھر ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ فرماتے ہیں کہ لاؤ اس میں سے کچھ ہم کو قرض دے دو اور حکم بھی بصورت اس میں نہیں بلکہ استفہام کی صورت میں ہے کہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کو قرض دے یہود بے بہبود بڑے ہی نادان تھے کہ اس تطف اور عنایت کو تو نہ سمجھے بلکہ التایہ سمجھے کہ معاذا اللہ خدا حاجت مند ہے۔ اس لیے ہم سے قرض مانگتا ہے۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَنَحْنُ اَغْنٰی عَنْہُ الْاٰیۃ۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں مضاف مقدر ہے۔ اِی من ذالذی یقرض عباد اللہ یعنی کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرض دے اللہ کو قرض دینے سے اس کے بندوں کو قرض دینا مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عبادت نہ کی۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھ کو کھانا نہیں دیا۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھ کو پانی نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! آپ کو کیسے پلاتا آپ تو تمام عالم کے مربی اور کھلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے کھانا نہیں

یا ابن آدم مرضت فلم تعد فی واستطعمتک فلم تطعمنی و استسقیتک فلم تسقنی قال یارب کیف اسقیث و انت رب العالمین قال استسقا ل عبدی فلان فلم تسقه اما انتک لو سقیته وجدت ذلک عندی الحدیث اخرجه

مسلم و البخاری کذا فی

تفسیر القرطبی ص ۲۷ ج ۳۔

دیا اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کو ضرور میرے

پاس پاتا۔ الی آخر الحدیث۔

(۲) حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا نَّازِل ہوئی تو ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے (بطور مسرت اور لذت) عرض کیا۔

یا رسول اللہ! وان اللہ تعالیٰ

یرید منا القرض قال نعم یا

ابا الدحداح۔

ابوالدحداحؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے پاس دو باغ ہیں ایک عالیہ میں اور ایک سافلہ میں اور

خدا کی قسم ان دو باغوں کے سوا اور کسی چیز کا مالک نہیں۔ دونوں باغوں کو خدا تعالیٰ کے لیے قرض دیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک باغ خدا کے لیے دیدے اور ایک باغ اپنے اہل و عیال کے گذران معاش کے لیے رہنے دے۔ ابوالدحداحؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں آپؐ کو گواہ بناتا ہوں کہ ان دو باغوں میں جو سب سے بہتر باغ ہے جس میں چھ ستر کھجور کے درخت ہیں وہ اللہ کے لیے دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا يَجْزِيكَ اللَّهُ بِهِ

اللَّهُ تَعَالَى تَجْهَ كُوَ اس کے عوض میں جنت

میں باغ دے گا۔

ابوالدحداحؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر اپنے اس بڑے اور عمدہ باغ میں پہنچے جسے خدا تعالیٰ کی نذر کر آئے تھے۔ ابوالدحداحؓ کی بیوی ام دحداحؓ اور بچے اُسی باغ میں تھے اور پھل کھا رہے تھے اور درختوں کے سایہ میں کھیل رہے تھے ابوالدحداحؓ باغ میں داخل ہوئے اور بیوی دام دحداحؓ سامنے آئیں۔ ابوالدحداحؓ نے یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔

هَذَاكَ رَبِّي سُبُلَ الرَّشَادِ

إِلَى سَبِيلِ الْخَيْرِ وَالسَّادِ

اللہ تعالیٰ تجھ کو رشد اور ہدایت اور خیر اور صواب کے راستے پر چلائے۔

وَبَيْنِي مِنَ الْخَائِطِ بِأَلْوَدَادِ

فَقَدْ مَضَى قَرْضًا إِلَى التَّادِ

اس باغ سے فرحت اور مسرت کے ساتھ ابھی علیحدہ ہو جاؤ اور باہر چلی جاؤ۔ یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قیامت تک کے لیے قرض دیدیا ہے۔

أَقْرَضْتَهُ اللَّهُ عَلَى اِعْتِمَادِي

بِالطَّوْعِ لَا مَنِّ قَوْلًا رَتَدَا

یہ باغ میں نے اللہ تعالیٰ کو نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ قرض دیا ہے جس کا نہ کوئی احسان ہے اور نہ جس کو واپس لینا ہے۔

إِلَّا رَجَاءُ الضَّعْفِ فِي الْمَعَادِ

فَارْتَحِلِي بِالنَّفْسِ وَالْأَوْكَادِ

صرف اضعافاً مضاعفہ اجر اور ثواب کی امید پر قرض دیا ہے لہذا اسی وقت تو خود مع بچوں کے باغ سے باہر نکل جا اب یہ باغ خدا تعالیٰ کا ہو چکا ہے ہمارا نہیں رہا۔
 وَالْبِرُّ لَا شَكَّ فَخَيْرٌ زَادَ قَدَمَهُ الْمَرْءُ إِلَى الْمَعَادِ
 اور آخرت کا بہترین توشہ وہ خدا کی راہ میں نیکوئی ہے یعنی اپنی محبوب چیز کو خدا کی راہ میں دے دینا ہے کما قال تعالیٰ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔
 ام و حداح نے شوہر کا یہ کلام سُننے ہی اول تو مبارک باد دی اور یہ کہا۔

رَبِّحْ بَيْنُكَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ تیری تجارت نفع مند ہوئی اللہ تعالیٰ
 فِيمَا اشْتَرَيْتَ برکت دے اُس میں جو تو نے خریدا ہے۔

بعد ازاں شوہر کی نظم کا جواب نظم میں دیا اور یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔
 بُشِّرْكَ اللَّهُ بِخَيْرٍ وَفَرَحْ مِثْلُكَ أَذَى مَالِدِيهِ وَنَصَحْ
 تجھ کو خیر اور فرحت کی بشارت ہو تجھ جیسا ہی ایسے حوصلے کے کام کرتا ہے
 قَدْ مَتَّمَ اللَّهُ عِيَالِي وَمَنَحْ بِالْعُجُوتِ السَّوْدَاءِ وَالزَّهْوِ الْبَلَحْ
 اللہ تعالیٰ نے میرے بچوں کو قسم قسم کی کھجوریں دی ہیں۔ اگر ایک باغ خدا کو دے دیا تو کیا ہوا۔

وَالْعَبْدُ يَسْعَىٰ وَلَهُ مَا قَدْ كَدَحْ طُولَ اللَّيَالِي وَعَلَيْهِ مَا اجْتَرَحْ
 بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اپنی ہی منفعت اور آخرت کی درستی کے لیے کرتا ہے
 یعنی خدا تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں نیکی سے بندہ کو ثواب ملتا ہے اور گناہ کا وبال اس پر پڑتا ہے۔

بعد ازاں ام و حداح بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں بچے جو پھل دامنوں میں لے رہے تھے وہ دامن جھٹک دیئے اور جو کھجوریں بچوں کے منہ میں تھیں وہ انگلی ڈال کر نکال دیں اور بچوں سے کہا کہ اس باغ سے نکلو اور اسی وقت دو گرا باغ میں منتقل ہو گئیں۔
 اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔

كَمْ مِنْ عِدْقٍ رَدَّاحٍ وَدَارٍ نِيَّاحٍ نہ معلوم ابو الدحداح کے لیے آخرت میں
 لَا بَنِي الدَّحْدَاحِ (تفسیر قرطبی) کتنے بے شمار کھجور کے لمبے لمبے درخت
 ہیں اور کتنے وسیع اور کشادہ مکان ہیں۔ (ص ۲۳ ج ۳)

(۳) قرض دینے میں بڑا اجر عظیم ہے مسلمان کی پریشانی اُس سے دور ہوتی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا۔

الصدقة بعشر امثالها والقرض
بثمانية عشر - صدقہ کا اجر دس گونہ ہے اور قرض کا
اٹھارہ گنا۔
میں نے جبریل سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ قرض کو صدقہ سے افضل قرار دیا گیا۔ جبریل نے کہا سائل
سوال کرتا ہے اور اس کے پاس کچھ ہوتا ہے۔ اور قرض مانگنے والا بغیر حاجت کے قرض نہیں مانگتا۔
(تفسیر قرطبی ص ۲۴۰ ج ۳)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ

تو نے نہ دیکھی ایک جماعت بنی اسرائیل میں ،

مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّهِمْ

موسیٰ کے بعد ؛ جب کہا اپنے نبی کو ، کھڑا

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ

کر دے ہم کو ایک بادشاہ ، کہ ہم لڑائی کریں اللہ کی

اللَّهِ قَالَهُ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

راہ میں ، وہ بولا کہ یہ بھی توقع ہے تم سے ، کہ اگر حکم ہو تم کو

الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ

لڑائی کا تب نہ لڑو ۔ بولے ہم کو کیا ہوا ہم نہ لڑیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

اللہ کی راہ میں ، اور ہم کو نکال دیا ہے۔ ہمارے گھر سے اور

أَبْنَانَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا

بیٹوں سے ۔ پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا پھر گئے مگر

قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ

تھوڑے ان میں سے ، اور اللہ کو معلوم ہیں گنہ گار ۔ اور کہا

لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ط

ان کو ان کے نبی نے اللہ نے کھڑا کر دیا تم کو طالوت بادشاہ - بولے

قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ

کہاں ہو گی اس کو سلطنت ہمارے اوپر اور ہمارا حق زیادہ

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُوتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ

ہے سلطنت میں اس سے اور اس کو ملی نہیں کشائش مال کی کہا

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي

اللہ نے اس نے اس کو پسند کیا تم سے اور زیادہ کشائش دی عقل

الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ط

میں اور بدن میں اور اللہ دیتا ہے اپنی سلطنت جس کو چاہے

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۲۳۷ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ

اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا - اور کہا ان کو اُن کے نبی نے نشان ان

مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الثَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ

میں سلطنت کا یہ کہ آوے تم کو صندوق جس میں ہے دل جمعی تمہارے

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

رب کی طرف سے اور کچھ بچی چیزیں جو چھوڑ گئے موسیٰ اور ہارون کی اولاد،

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ

اٹھا لادیں اس کو فرشتے اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر یقین

مُؤْمِنِينَ ۝۲۳۸ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ

رکھتے ہو - پھر جب باہر ہوا طالوت فوجیں لے کر کہا اللہ تم



اللَّهُ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ

کو آزماتا ہے ایک نہر سے۔ پھر جس نے پانی پیا اس کا وہ میرا نہیں

وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ

اور جس نے اس کو نہ چکھا وہ ہے میرا، مگر جو کوئی بھرے

غُرْفَةً يُبَدِّهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ

ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھری گئے اس کا پانی مگر تھوڑے ان میں۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ قَالُوا لَا

پھر جب پار ہوا وہ اور ایمان والے اس کے ساتھ کہنے لگے

طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ

قوت نہیں ہم کو آج جالوت کی اور اس کے لشکروں کی بولے جن کو

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلاقُوا اللَّهَ ۚ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

خیال تھا کہ اُن کو ملنا ہے اللہ سے بہت جگہ جماعت تھوڑی

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً ۚ يَٰٓأَذِينَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ مَعَ

غالب ہوئی ہے جماعت بہت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ

الصَّابِرِينَ ۚ ﴿٢٣٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا

ہے ٹھہرنے والوں کے۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے بولے

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا

اے رب ہمارے ڈال دے ہم میں جتنی مضبوطی ہے اور ٹھہرا ہمارے پاؤں اور مدد

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۚ ﴿٢٤٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ ۖ يَٰٓأَذِينَ اللَّهِ ۖ تَفَٰ

کر ہماری اس کافر قوم پر پھر شکست دی ان کو اللہ کے حکم سے اور

قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

مارا داؤد نے جالوت کو اور دی اس کو اللہ نے سلطنت اور تدبیر

وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ^ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

اور سکھایا اس کو جو چاہا ۔ اور اگر دفع نہ کروادے اللہ لوگوں کو

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ

ایک کو ایک سے تو خراب ہو جاوے ملک لیکن اللہ

ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ^{۲۵۱} تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ نَتْلُوهَا

فضل رکھتا ہے جہاں کے لوگوں پر ۔ یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ^ط وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ^{۲۵۲}

کو سناتے ہیں۔ تحقیق اور تو بے شک رسولوں میں ہے ۔

قصہ طالوت و جالوت

برائے ترغیب جہاد و قتال و رعایت آداب جہاد

قال تعالى: أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَكِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى... وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ^ه
(رابط) حق جل شانہ ان آیات میں بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ بیان فرماتے ہیں جو حضرت عیسیٰ
علیہ السلام سے تخمیناً اور اندازاً گیارہ سو سال پہلے گذرا ہے۔ اس قصہ سے جہاد و قتال کی ترغیب اور
آداب جہاد کی تعلیم اور صبر و تحمل کی تلقین مقصود ہے۔ نیز گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا قابض اور باسط
ہونا مذکور ہوا وَادَّهَمُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ اب ان آیات اور اس
قصہ میں جو یہاں مذکور ہوا اس کے قبض اور بسط کی دلیل ہے کہ وہ مالک الملک ایسا قابض اور باسط
ہے کہ جب چاہتا ہے فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو فقیر بنا دیتا ہے۔ بادشاہت کا دینا اور چھیننا سب اس

سہ کما فی التفسیر المحقانی ۱۳

کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے مخاطب! تو نے بنی اسرائیل کے سربراہ آدرہ اور اشراف لوگوں کی جماعت کو نہیں دیکھا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ایک زمانہ بعد اپنے زمانہ کے ایک نبی جن کا نام شمول تھا یہ کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے جس کے ساتھ ہو کر ہم راہ خداوندی میں جہاد و قتال کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک مدت تک بنی اسرائیل کا حال درست رہا اور ان کا کام بننا رہا۔ رفتہ رفتہ جب وہ احکامِ تورات سے دور ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو ان پر مسلط کیا اور علاقہ ان پر غالب آ گئے اور جالوت جو کافر بادشاہ تھا اُس نے بنی اسرائیل کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا اور سینکڑوں بچوں کو پکڑ کر لے گیا اور ان کو غلام اور لونڈی بنالیا۔ اور بنی اسرائیل سے توریت بھی چھین کر لے گئے۔ جب ذلت اور رسوائی یہاں تک پہنچ گئی تو بنی اسرائیل کے اشراف اور سرداروں کو خیال پیدا ہوا کہ اس ذلت کا کوئی مداوی ہو اس لیے اپنے نبی سے جن کا نام شمول تھا بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی حضرت شمول نے ان کو یہ جواب دیا کہ کیا تم سے اس کی توقع ہے کہ اگر تم کو جہاد و قتال کا حکم ہو جائے تو نہ لڑو یعنی تمہاری حالت سے مجھے توقع نہیں کہ اگر تم پر جہاد و قتال فرض ہو جائے تو تم بادشاہ کے ساتھ ہو کر جہاد و قتال کرو۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمیں کیا ہوا کہ خدا کی راہ میں جہاد و قتال نہ کریں اور حالانکہ جہاد کے لیے اس وقت ایک خاص داعیہ اور سبب بھی موجود ہے وہ یہ کہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ غرض یہ کہ اس طرح لوگوں نے جہاد پر اپنی بے چنگی اور آمادگی کو ظاہر کیا پس جب ان کے اصرار اور اظہارِ بے چنگی کے بعد ان پر جہاد و قتال فرض کیا گیا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور وہ چند آدمی وہ تھے کہ جو نہر سے پار اترے جس کا بیان عنقریب آئے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں اور ستمگاروں کو خوب جانتا ہے ظلم اور معصیت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔ اور ظلم و ستم کی اصل جڑ نبی پر اعتراض کرنا ہے جس نے نبی کی بات کو بے چون و چرا قبول کیا اس نے اپنی جان پر رحم کیا اور جس نے نبی کی بات پر اعتراض کیا اس نے اپنی جان پر ظلم عظیم کیا۔ چنانچہ جس وقت ان کے نبی نے ان کے جواب میں کہا کہ (اَوَّل) تو یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یعنی تمہاری عزت اور سرداری کے حصول کے لیے طاوت بادشاہ مقرر کیا ہے سنتے ہی نبی پر اعتراضات شروع کیے اور یہ کہا کہ طاوت کو ہم پر حکومت اور سلطنت کا کیا حق حاصل ہے۔ طاوت ایک فقیر آدمی ہے قوم کا ستکار یا

۱۔ یہ ترجمہ لفظ ملا کا ہے اس لیے کہ ملا لغت میں اشراف اور سرداروں کی جماعت کو کہتے ہیں جو اپنی عظمت اور ہیبت سے مجلس کو بھر دے۔ ۲۔ جمہور کا قول یہی ہے کہ ان کا نام شمول تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی شمعون تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یوشع بن نون تھا اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب زمانہ کا ہے اور یوشع بن نون حضرت موسیٰ کے کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے تھے ۱۲۔

رنگیز ہے۔ شاہی خاندان سے نہیں۔ اور ہم سلطنت کے اُس سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم شاہی خاندان سے ہیں اس لیے کہ ہم یہود کی اولاد میں سے ہیں جس میں بادشاہت چلی آرہی ہے اور علاوہ ازیں طاوت کو مال و دولت کی فراخی اور فراوانی بھی حاصل نہیں اور ہم دولت مند اور اصحاب ثروت ہیں۔ لہذا ایسے شخص کو کہ جس کو نہ خاندانی وجاہت حاصل ہو اور نہ مالی عزت حاصل ہو بادشاہ بنانا کسی طرح مناسب نہیں۔ اللہ کے نبی نے ان کے اعتراض کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے یہ اعتراض سب مہمل اور لایعنی ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے طاوت کو محض تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے پسند کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جس کو سلطنت کے لیے پسند فرمائیں گے اُس سے بڑھ کر کوئی شخص سلطنت اور حکمرانی کا اہل نہیں ہو سکتا اور خصوصاً جب کہ ارادہ خداوندی تمہارے نفع اور خیر کا ہے جیسا کہ لفظ **لَا تُكْذِرُ** سے صاف ظاہر ہے تو ایسی صورت میں تو کسی شر اور فساد کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ معلوم ہوا کہ طاوت کی سلطنت تمہارے لیے سراپا خیر و برکت ہوگی اور دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے تمہارے لیے باعث عزت ہوگی۔

حق جل شانہ جب کسی قوم کی تباہی اور بربادی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس پر ظالموں اور ستمگروں کو حاکم بناتے ہیں اور جب کسی قوم کی فلاح اور یہودی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پاکیزہ اور پسندیدہ حکمران اُن کے لیے مقرر فرماتے ہیں۔ غرض یہ کہ طاوت کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خیر اور نفع اور مصلحت کے لیے پسند کیا ہے اور تم اپنی مصلحتوں کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتے اس لیے اس انتخاب خداوندی میں تم کو خدشہ اور دوسوسہ نہ کرنا چاہیئے اور دوسرے یہ کہ سلطنت اور بادشاہت کا اصل دار و مدار عقل سلیم اور جسم سلیم پر ہے حسب و نسب اور مال و دولت پر نہیں جس شخص کے قوائے عقلیہ اور اکیہ اور قوائے جسمانیہ صحیح اور تندرست ہوں وہی بادشاہ بنائے جانے کا مستحق ہے اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ نے طاوت کو عطا کی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم و فہم اور عقل و دانش میں وسعت اور فراخی عطا کی ہے اور قوت جسمانیہ اور بدنیہ میں بھی اس کو زیادتی عطاء فرمائی ہے اور بادشاہ ہونے کے لیے انہی دو صفتوں کی ضرورت ہے علم اور فہم سے ملکی انتظام پر قدرت ہوگی اور بدنی قوت اور جسمانی شجاعت اور بہادری کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ جب فہم و فراست کے ساتھ شجاعت بھی مل جائے گی تو کارخانہ سلطنت نہایت خیر و خوبی کے ساتھ چلے گا۔ اس لیے کہ سلطنت چلانے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بادشاہ کی عظمت اور ہیبت لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو۔ اگر دلوں میں بادشاہ کی عظمت اور ہیبت نہ ہو تو لوگ اطاعت اور فرمانبرداری نہ کریں گے اور کارخانہ سلطنت نہ چلے گا اور حقیقی عظمت اور ہیبت کا مدار فہم و فراست اور قوت و شجاعت پر ہے اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ نے طاوت کو عطا کی ہیں طاوت علم اور فہم میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور قوت جسمانیہ کا یہ حال تھا کہ طاوت تمام بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ خوبصورت اور قد آور اور بہادر تھے اور ان **اِذْ هَا صُفْیٰہُ** سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاوت **مُلْهُم مِّنْ اَحَدِہٖ**

بھی تھے یعنی صاحب الہام بھی تھے اس لیے کہ قرآن کریم میں جس کسی کو شانِ اصطفا سے حصہ ملا ہے وہ ضرور صاحب الہام اور صاحب کشف کرامت ہوا ہے اور فی العلم کا لفظ اپنے عموم اور اطلاق کی بنا پر علم ظاہری اور علم باطنی اور علم شریعت اور علم سلطنت اور علم سیاست سب کو شامل ہے کیونکہ ایسی سلطنت جس سے دین اور دنیا دونوں ہی درست ہوں وہ جب ہو سکتی ہے کہ جب بادشاہ اوصاف مذکورہ کا حامل ہو اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں اس کی عطا اور بخشش کے لیے کسی اہلیت اور قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اہلیت اور قابلیت کے لیے اس کی عطا شرط ہے کسی کی مجال کیا ہے جو اس خداوند ذوالجلال سے سوال کر سکے وہ مالک مطلق ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں بادشاہی عطا کرتے ہیں اور اگر وہ شخص بادشاہت کی ذرہ برابر لیاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس کو سلطنت کی لیاقت اور قابلیت عطا فرمادیتے ہیں اور غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور کشائش والے ہیں اس کے خزانہ کی کوئی حد اور نہایت نہیں انہیں کسی فقیر کو امیر بنا دینا کیا مشکل ہے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بادشاہت کے لائق ہے۔ اور کون اس کے لائق نہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں طاوت کی بادشاہی کے چار سبب بیان کیے اول اس کی خداداد صلاحیتیں جس کو اصطفا سے تعبیر کیا دوم وسعت علم جس پر حکمرانی اور تدبیر مکی کا دار و مدار ہے سوم توانائی جسم جو شجاعت اور ہیبت اور قدرت علی المدافعت کا موجب ہے چہارم تائید غیبی جس کو **يُؤْتِي مَمْلَكَةً مِّنْ تَشَاءُ** اور **إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ لَئِنْ أَمَرَ** سے ظاہر فرمایا۔

چونکہ بنی اسرائیل کے سرداروں نے طاوت کے بادشاہ بنانے کو بہت بعید سمجھا اس لیے اُن کے رد میں قدرے تفصیل فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کہ بادشاہت کا اصلی اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش اور اس کا اصطفا اور پسندیدگی ہے خدا تعالیٰ جس کو بادشاہت کے لیے پسند فرمائے وہی بادشاہ ہے اور خدا تعالیٰ جس کو پسند فرمائے وہ کبھی ناپسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اور اگر تمہاری نظر ظاہری اسباب پر ہے تو سمجھ لو کہ سلطنت کا مدار حسب و نسب اور مال و دولت پر نہیں اس لیے کہ مال آنے جانے والی چیز ہے صبح آتا ہے اور شام جاتا ہے۔ بلکہ سلطنت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ علم اور فہم ہو اور اس کے ساتھ قوت بدنیہ ہو تاکہ اس قوت جسمانیہ سے علم اور فہم کے موافق عمل کرنے کی قدرت حاصل ہو سکے ورنہ علم بغیر قدرت اور قوت کے بیکار ہے خصوصاً کارخانہ سلطنت محض علم سے بدون قدرت کے نہیں چلتا۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو مجال دم زدنی نہیں۔ وہ تمام مصلحتوں کو تم سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے وہ تم پر تم سے زیادہ مہربان ہے۔ اس لیے اب تم کو طاوت کی بادشاہت میں کوئی حجت نکالنا روا اور زیبا نہیں۔ مگر یہ ظالم کب خاموش ہونے والے تھے اللہ کے نبی نے ان ظالموں کے اعتراض کا نہایت

علم۔ اس لفظ ظالم میں گزشتہ آیت **وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ** کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۷۲

شافی اور کافی جواب دے دیا لیکن یہ لوگ اپنے دوسو سوں کی وادی تیرہ میں بھٹکتے رہے اور بالآخر ان لوگوں نے حضرت شمویلؑ سے یہ کہا کہ اچھا ہمیں طاوت کی بادشاہت اور ان کے برگزیدہ ہونے کی کوئی ظاہری نشانی بتلائیے جسے دیکھ کر ہمیں ان کے بادشاہ ہونے کا بالبداہت یقین آجائے اور قلب مطمئن ہو جائے اس وقت ان کے پیغمبر نے یہ فرمایا کہ تحقیق طاوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس بلا کسی ظاہری سبب کے وہ صندوق آجائے گا جو تم سے چھن گیا تھا۔ اس صندوق کے اس طرح آنے میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری دل جمعی اور سکون قلب اور آرام دل کا سامان ہوگا اور اس صندوق میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے خاندان کے کچھ برکات بھی ہوں گے جنکو وہ چھوڑ گئے ہیں، ان برکات کا تمہیں مل جانا صد ہزار خیرات و برکات کا موجب ہوگا۔ ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور سدیؓ اور عکرمہؓ اور ربیع بن انسؓ اور ابوصالحؓ سے مروی ہے کہ اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے عصا اور ان کے عمامے اور جوتے وغیرہ تھے۔ اور اس صندوق کی آمد بھی عجب شان سے ہوگی۔ وہ یہ کہ فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر لائیں گے اور طاوت کے سامنے لا کر رکھ دیں گے تحقیق اس صندوق کے اس طرح آنے میں تمہارے لیے ایک نشانی ہوگی جو طاوت کی بادشاہت اور میری نبوت کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ اگر تم باور کرو۔ صندوق کا اس خارق عادت طریق پر آنا جس طرح طاوت کی بادشاہت کی دلیل ہوگا۔ اسی طرح حضرت شمویلؑ کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہوگا کہ اللہ کے نبی نے جس طرح خبر دی تھی اسی طرح ظہور ہوا اور فرشتوں نے وہ تابوت لا کر طاوت کے سامنے رکھ دیا۔ بنی اسرائیل خوش ہو گئے اور ان کو بادشاہ مان لیا اور سب کے سب جہاد کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ پس جب طاوت ان فوجوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا تو فوجوں سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارے صبر اور تحمل کی آزمائش فرمائیں گے ان لوگوں نے اللہ کے نبیؑ پر اعتراضات کیے اور طاوت کی بادشاہت کی نشانی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک آزمائش میں مبتلا کیا۔ بظاہر یہ ابتلا اور آزمائش کا حکم بذریعہ وحی حضرت شمویلؑ پر نازل ہوا اور پھر حضرت شمویلؑ کی ہدایت کے مطابق طاوت نے اس حکم کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت طاوتؑ کو اس کا الہام ہوا ہو اس لیے کہ حضرت طاوت خدا کے پسندیدہ تھے اگرچہ نبی نہ تھے۔ مگر ولی ضرور تھے۔ الہام یا خواب کے ذریعہ سے اس کا القاء ہونا کوئی مستبعد نہیں اور ولی کا الہام اگرچہ فی حد ذاتہ ظنی ہے مگر جب نبیؑ اس کی تصدیق کر دے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ایسے عظیم الشان امر کے متعلق طاوت کو کوئی الہام ہو اور وہ اپنے اس الہام کا بغیر حضرت شمویلؑ کی تصویب اور اجازت کے اعلان کریں۔ نبیؑ کی تصدیق اور تصویب تو بہت بڑی چیز ہے کسی چیز کو ہوتے دیکھ کر نبیؑ کا انکار نہ کرنا یہ بھی اس امر کے جائز ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس کو تقریر نبوی کہتے ہیں۔ یعنی نبی کے سکوت اور عدم انکار نے اس امر کو جائز اور درست قرار دیا جو باجماع امت

حجت ہے۔ اب آئندہ آیت میں اس امتحان کی تفصیل ہے۔ پس جو شخص اس نہر سے سیر ہو کر پانی پی لے گا اس کا میسر سے کوئی تعلق نہیں یعنی میرے گروہ سے نہیں رہا اور جس شخص نے اس کا مزہ بھی نہ چکھا یعنی پینا تو درکنار منہ سے بھی نہ لگایا تو وہ بلاشبہ میرے سے وابستہ ہے اور میرے خاص رفقاء اور ساتھیوں میں سے ہے مگر وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے سودہ میرے گروہ سے خارج نہ ہوگا۔ عزیمت اور اصل حکم تو یہی تھا کہ پانی کو بالکل نہ چکھتا۔ بمقدار ایک چلو کے رخصت ہے یعنی جس نے سیر ہو کر تو پانی نہیں پیا اور صرف جان بچانے کے لیے ہی برائے نام پی لیا تو وہ بھی فی الجملہ مقبول ہے اور غنیمت ہے پس جب اُس نہر پر پہنچے تو سب نے بے تحاشا اس نہر سے منہ لگا کر پانی پی لیا مگر تھوڑے آدمیوں نے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی انہوں نے عزیمت اور رخصت پر عمل کیا اور اجازت سے تجاوز نہ کیا۔ جن لوگوں نے چلو سے پانی پیا اُن کی پیاس بجھ گئی اور ان کا دل قوی ہو گیا اور جن لوگوں نے زیادہ پیادہ بزدل اور نامرد ہو گئے اور نہ ان کی پیاس بجھی اور نہ وہ اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہو سکیں پس جب طالت اور ان کے رفقاء مومنین نہر سے پار ہو گئے اور دیکھا کہ ہم ایک مٹھی بھر جماعت ہیں اور جالوت کا لشکر ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہے اس لیے بعض ضعیف القلب یہ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ دشمن کی طاقت بہت ہے اور ہم بہت تھوڑے ہیں البتہ ان میں سے جو لوگ اولوالعزم اور اہل ہمت تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک دن خدا سے ملنا ہے اور اس کو منہ دکھانا ہے اور خدا تعالیٰ نے جو فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے۔ ان لوگوں نے کمزوروں کو ہمت دلائی اور یہ کہا کہ گھبراؤ نہیں فتح و نصرت کا دار و مدار قلت و کثرت پر نہیں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بہت تھوڑی اور چھوٹی سی جماعت بڑی سے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے کے لیے میدان میں نکلے تو اپنی ہمت اور شجاعت پر نظر نہیں کی بلکہ خداوند ذوالجلال کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعا مانگنی شروع کی اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کو پانی کی طرح بہا دے کہ سر سے پیر تک صبر کے پانی میں نہا جائیں اور صبر کی برودت اور سکینت ہمارے ظاہر اور باطن میں سرایت کر جائے اور کافروں کے مقابلے میں ہم کو ثابست قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہم کو فتح دے۔ پس اس صبر اور تحمل اور اللہ پر اعتماد اور توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تھوڑے آدمیوں نے جالوت کی فوجوں اور لشکروں کو اللہ کی تائید سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جو

عہ اشارہ اس طرف ہے کہ اَفِرْ عَلَيْنَا میں استعارہ ہے۔ افراغ اصل میں پانی بہا دینے کو کہتے ہیں اور کلمہ علی علینا میں استعارہ کے لیے ہے یعنی وہ صبر ہماری کمزوری پر غالب آجائے ۱۲

اس وقت مع اپنے والد اور چھ بھائیوں کے طاوت کے لشکر میں تھے اور ابھی تک اُن کو نبوت نہیں ملی تھی جالوت کو قتل کر ڈالا۔ داؤد علیہ السلام اپنے سب بھائیوں میں چھوٹے تھے جب میدان کارزار سامنے آیا اور جالوت نہایت کزدن کے ساتھ زرہ اور خود پہن کر میدان میں آیا اور بنی اسرائیل سے مبارزہ اور مقابل طلب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بغیر تلوار اور بغیر ہتھیار کے صرف تین پتھر لے کر اس کے مقابلہ کو نکلے۔ جب سامنے آئے تو اُن پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر جالوت کی پیشانی پر مارا۔ وہ پتھر جالوت کی گڈی کی جانب سے نکل گئے۔ اور جالوت منہ کے بل زمین پر گر پڑا فوراً اُس کی تلوار نکال کر اس کا سر قلم کیا۔

کہا جاتا ہے کہ راستہ میں داؤد علیہ السلام کو ایک پتھر نے آواز دی۔

یَا دَاوُدُ خُذْ نَاقَتَی تَقْتُلْ جَالُوتَ۔
اے داؤد! مجھ کو اٹھا لو۔ میرے ذریعہ سے تم جالوت کو مارو گے۔

پھر اسی طرح ایک اور پتھر نے آواز دی۔ اور پھر ایک اور پتھر نے آواز دی داؤد علیہ السلام نے تینوں پتھروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور روانہ ہوئے۔ جب جالوت گھوڑے پر سوار ہو کر اور زرہ اور تلوار لگا کر میدان میں نکلا تو داؤد علیہ السلام فقط یہ تین پتھر لے کر آگے بڑھے اور یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ کرے تو تلوار اور گھوڑا اور ہتھیار بھی بے کار ہے۔ جالوت نے داؤد علیہ السلام سے کہا کہ تم تو فقط پتھر لے کر میرے سامنے آرہے ہو جیسے کوئی کتے کے مارنے کے لیے نکلتا ہے۔ فرمایا تو کتے سے بھی بدتر ہے اور اللہ کا نام لے کر وہ تینوں پتھر جالوت کے مارے ہوئے تھے میں لگے اور گڈی کے پیچھے سے نکل گئے (تفسیر قرطبی ص ۲۵ ج ۳)

طاوت نے اس خوشی میں اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دے دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے طاوت کے مرنے کے بعد داؤد علیہ السلام کو سلطنت عطا کی اور طاوت کے مرنے کے بعد اتفاق بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام بادشاہ مقرر ہوئے۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کسی کی بادشاہت پر اتنے مجتمع نہیں ہوئے جتنا کہ داؤد علیہ السلام کی بادشاہت پر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت اور بادشاہت کے ساتھ علم اور حکمت یعنی نبوت بھی عطا کی اور داؤد علیہ السلام سے پہلے کبھی کسی آدمی میں سلطنت اور نبوت جمع نہیں ہوئی۔ سلطنت شاہی خاندان میں رہتی تھی اور نبوت نبی کے خاندان میں رہتی تھی اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو جو امور چاہے سکھائے۔ جیسے بغیر آلات کے زرہیں بنانا سکھایا اور لوہے کو مثل موم کے اُن کے لیے نرم کر دیا پس اپنے ہاتھ سے کام کرتے اور اس کی مزدوری سے کھاتے اور پرندوں اور چوٹیوں کی بولی اور زبان سکھائی اور خوش آوازی عطا کی۔

ف نبی اگرچہ نبی ہونے سے پہلے نبی نہیں ہوتا مگر ولی ضرور ہوتا ہے اور اولیاء کی کرامتیں

حق ہیں۔ جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ محض تین پتھروں سے جالوت کو مارنا یہ داؤد علیہ السلام کی کرامت تھی اور اُسذہ نبوت کا ارباب یعنی پیش خیمہ تھی اور حضرت داؤد کی یہ کرامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا نمونہ تھی جو حضور سے جنگ حنین میں ظاہر ہوا کہ ایک مشت خاک سے ہوازن سر اسیمہ ہو گئے (تفسیر قرطبی ص ۲۵۸ ج ۳) اور اسی صبر استقلال کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایک عظیم الشان سلطنت عطا کی جو داؤد کی سلطنت کا نمونہ تھی۔

بیان حکمت مشروعیت جہاد

اب اس واقعہ جہاد کے ذکر کے بعد جہاد کی عام حکمت اور مصلحت کو بیان فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں یعنی کافروں کے شر اور فساد کو اپنے بعض خاص بندوں یعنی مومنین کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے اور کفر اور شرک غالب آجائے اور مسجدیں ویران ہو جائیں اور کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں تمام لوگوں پر۔ اس لیے اس نے تم پر جہاد فرض کیا تاکہ کفر کا فتنہ اور فساد دفع ہو اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں جہاد سے اسی فساد کا دفع کرنا اور اسی شر اور فتنہ کا ازالہ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر مسلمانوں کو کافروں سے جہاد کا حکم نہ دیتے تو بڑا فساد پھیل جاتا۔ جہاد اسی فساد کی اصلاح اور انسداد کے لیے مقرر ہوا ہے۔ اس لیے جہاد کو اللہ کا بڑا فضل سمجھو۔

اثبات رسالت محمدیہ

یہ واقعات جن کا ذکر کیا اللہ کی آیتیں ہیں جن کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر ہم آپ کو سناتے ہیں جس میں ذرہ برابر شک نہیں۔ یہ واقعات جس طرح ہم نے بیان کیے اسی طرح حق اور صدق ہیں اہل کتاب جس طرح بیان کرتے ہیں وہ قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ تمام واقعات اللہ کی قدرت اور پھر آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ ایسے قدیم زمانہ کے واقعات کا بغیر کسی سے پڑھے اور بغیر کسی سے سُننے صحیح صحیح بیان کرنا بغیر وحی خداوندی کے ممکن نہیں۔ اور آپ بلاشبہ خدا کے رسولوں میں سے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے دشمنوں سے جہاد کا حکم دیا اور باوجود بے سرومانی کے کافروں کے بڑے بڑے لشکروں کو ان کے خدام اور غلاموں کے ہاتھ سے تہ و بالا کر دیا۔ جہاد انبیاء کی سنت ہے اور وہ لوگ نادان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جہاد و قتال نبیوں کا کام نہیں جہاد ہمیشہ رہا ہے اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیں۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔ والصلوة والسلام

علی سید الموجودات و خلاصة الکائنات و علی الہ

و اصحبہ و ازواجه الطاهرات المطہرات

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ بعد صلاة المغرب — جامعہ اشرفیہ — لاہور



تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ

یہ سب رسول بڑائی دی ہم نے ان میں ایک کو ایک سے کوئی ہے کہ

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا

کلام کیا اس سے اللہ نے اور بلند کیے بعضوں کے درجے اور دی ہم نے

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں صریح اور زور دیا اُس کو روح پاک سے

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ

اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے ان کے پچھلے بعد اس کے کہ پہنچے

بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فِيهِمْ

ان کو صاف حکم لیکن وہ پھٹ گئے پھر کوئی

مَنْ أَمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلُوا

ان میں یقین لایا اور کوئی منکر ہوا۔ اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۲﴾

لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے

ذکر فضائلِ رسل و بیانِ حالِ ائم

قال تعالى: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ... الى ... وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ
(رابطہ) گزشتہ آیت (وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ) میں انبیا و مرسلین کا اور اُن کی اُمتوں
کے معاملات کا ذکر فرمایا اور کافروں سے اُن کے جہاد اور قتال کے واقعے اور اُن کی بے مثال اور خارق
عادت فتح و نصرت اور تائیدِ غیبی کا ذکر کیا۔ اسی طرح اب آئندہ آیات میں رسل کے فضائل و درجات
اور ان کے کمالات اور معجزات کے ساتھ اُن کی اُمتوں کے احوال اور انبیا و رسل کے ساتھ اُن کے اختلاف

کو بیان فرماتے ہیں کہ باوجود آیات بینات اور دلائل واضحات کے دیکھ لینے کے پھر بھی ایمان نہ لائے اور حق سے اختلاف کیا اور انبیاء و رسل کی مخالفت کی اور حق کی دعوت اور تبلیغ میں منہاجم ہوئے اور اس لیے حق تعالیٰ نے اُن کا شر اور فساد دفع کرنے کے لیے حضرات سرسلین کو جہاد کا حکم دیا۔ اہل باطل کی طرف سے حضرات انبیاء کی مخالفت جہاد و قتال کی مشروعیت کا سبب بنی۔ حضرات انبیاء اور اُن کے اصحاب نے دین حق اور ہدایت کی بقاء اور حفاظت کے لیے اور متقی اور پرہیزگاروں اور خدا کے پرستاروں کے تحفظ کے لیے جہاد کیا تاکہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور اس کی نازل فرمودہ ہدیٰ یعنی ہدایت اور اس کی ہدایت پر چلنے والے متقی اور پرہیزگار اور نماز گزار بندے کفار و منافقین کی مزاحمت سے محفوظ اور مومن ہو جاویں اور کفر کی یہ مجال نہ رہے کہ وہ دین حق کی طرف نظر اٹھا سکے۔ خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں کافروں سے جہاد و قتال کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں کافروں سے جہاد و قتال کا سبب بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ انبیاء کرام کی مخالفت اور اُن کی بے چون و چرا اطاعت سے سرتابی اور گردن کشی کی وجہ سے کافروں کی سرکوبی اور گردن کشی کا حکم نازل ہوا۔ اس فقرے سے انشاء اللہ تعالیٰ ان آیات کا سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات (ذٰلِكَ الْمَكْتَبُ الْمَذِيبُ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ) کے ساتھ بھی ربط ظاہر ہو جائے گا۔ جو مزید غور و فکر کا بھی محتاج نہیں۔ اور آئندہ آیات یعنی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ میں چونکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر ہے جس میں جہاد میں مالی امداد کرنا بھی داخل ہے اس لیے ان آئندہ آیات کو بھی جس طرح گزشتہ آیات جہاد و قتال سے ربط ہے۔ اسی طرح ان آیات کو سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے بھی ربط ہے۔

اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ سے دو تک صدقات اور راہ خداوندی میں خرچ کرنے کی ترغیبات کا سلسلہ چلا گیا ہے اور اس کے بعد حق تعالیٰ نے ربا (سود) کے احکام ذکر فرمائے چونکہ سود صدقہ اور خیرات کی ضد ہے اس لیے صدقات اور خیرات کے بعد سود کے احکام بیان فرمائے اور سودی کاروبار کرنے کو خدا اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قرار دیا۔ اس لیے عجب نہیں کہ سود خواری کا انجام دلوں پر مہر لگ جانا ہو کہ جس سے حق اور باطل اور حلال اور حرام کا فرق اس کو نظر نہ آئے پس جس طرح آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ سورہ بقرہ کی اس ابتدائی آیت یعنی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے مربوط ہے اسی طرح عجب نہیں کہ اَحْلَ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَزَمَ الرِّبَا الخ کی آیتوں کو ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم کے ساتھ کوئی خاص ربط ہو اور تجربہ اور مشاہدہ بھی کچھ اسی کا شاہد ہے اس لیے دیکھا یہ گیا ہے کہ سود خواروں کو کوئی نصیحت کا رگ نہیں ہوتی اُن کی حالت سَوَآءٌ عَلٰیہُمْ ؕ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ؕ كَانُوْا مِنْهُ هٰوِيْنَ ع بدور دماغ دیدہ ہوشمند

نیز اول پارہ میں زیادہ تر یہود بے شہادتوں کا بیان تھا۔ اور قرآن کریم میں ہے کہ یہود کے ملعون اور مغضوب ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ان کی سود خواری بھی ہے کما قال تعالیٰ **وَ أَكْلِهِمُ الرِّبَا** اور **أَكَا لُؤْنٌ لِلشُّحِّ**۔ اور حرام مال آدمی کو قسی القلب، سنگ دل اور بے رحم بنا دیتا ہے اور قساوتِ قلب سے بڑھ کر دین دنیا کو تباہ کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اس امت کو سود سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ خدا نخواستہ یہود کی طرح قسی القلب اور سنگدل نہ ہو جائیں اور اس اعتبار سے آیاتِ ربکا تعلق **ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَقْوَسُ** سے بھی کوئی بعید نہیں۔ الحمد للہ کہ ان آیات کا ربط گزشتہ آیات سے بھی ظاہر ہو گیا اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتوں سے بھی مرتبط ہونا معلوم ہو گیا۔

ربط دیگر | گزشتہ آیت **(وَ أَنْتَ لِمَنْ أَمْسَلَ سَلِيلٌ)** میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان تھا کہ آپ اللہ کے بلاشبہ رسول ہیں۔ مگر معاندین باوجود دلائل نبوت اور شواہد رسالت کے مشاہدہ کے آپ کی رسالت کو نہیں مانتے۔ ان آیات میں آپ کی تسلی کا مضمون مذکور ہے کہ آپ ان معاندین کی تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں۔ پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو قسم قسم کے دلائل نبوت اور شواہد رسالت دیئے گئے مگر پھر بھی سب ایمان نہیں لائے۔ آپ کا انکار کوئی نئی بات اور کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا کہ جس پر سب ایمان لے آئے ہوں لہذا آپ معاندین کی تکذیب اور کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ یہ آپ کی رسالت کا قصور نہیں۔ یہ تقدیرِ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اسی طرح ہے کہ کوئی ایمان لائے اور کوئی کفر کرے۔

در کار خانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

باقی رہا یہ امر کہ اس میں حکمت اور مصلحت کیا ہے سودہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ قضا و قدر کا سرسبزہ راز ہے جو آج تک کسی پر منکشف نہیں ہوا۔ وہ مالکِ مطلق ہے جس کو چاہے بینائی (ہدایت) دے اور جس کو چاہے نابینا (گمراہ) بنائے۔ **لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُونَ**

کمر از صرۃ آں کہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زباں تازہ کردن با قرار تو یعنی بختن علت از کار تو

یہ سوال کرنا کہ اس کو تو من اور اس کو کافر کیوں بنایا یہ ایسا ہی سوال ہے کہ اس کو بینا اور اس کو نابینا کیوں بنایا جو جواب اس کا ہے وہی اس کا ہے۔

اب آئندہ آیت میں خبر دیتے ہیں کہ ہم نے بعض رسل کو بعض پر فضیلت دی تاکہ خدا کی قدرت کا کرشمہ اور ہر رسول کی شانِ اعجاز کا ایک نیا نمونہ دنیا کو نظر آئے۔ ع
ہر گلے را رنگ دبوئے دیگر است

یہ پیغمبروں کی جماعت ^{علہ} جن کا ہم نے ابھی **وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ** میں ذکر کیا جن میں آپ بھی داخل ہیں اگرچہ وصف نبوت ورسالت میں سب مشترک ہیں لیکن ہم نے علاوہ نبوت ورسالت بعض کو بعض پر ایک خاص فضیلت دی ہے یعنی ہر رسول کو کسی خاص خصوصیت اور خاص فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جو دوسرے میں نہ پائی جائے تاکہ ہر ایک کا فضل و کمال الگ الگ نظر آئے کما قال تعالیٰ **وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ** اَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں آسمانوں پر انبیاء کرام کو درجہ بدرجہ دیکھا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ نفس نبوت کی حیثیت سے برابر ہیں مگر مدارج اور مراتب کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ان کے درجات جُدا جُدا ہیں۔ فضائل و کمالات میں تمام انبیاء برابر نہیں چنانچہ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن سے اللہ نے بلا واسطہ فرشتہ کے کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام سے بلا واسطہ فرشتوں کے کلام فرمایا جیسا کہ **يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِهِمْ** میں گزرا اور اخیر میں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں بلا واسطہ کلام فرمایا اور بعضوں کو اپنی ہم کلامی کا شرف تو نہیں عطا کیا لیکن ان کو دوسرا شرف عطا کیا کہ اور طرح طرح سے اُن کے درجے بلند کیے جیسے داؤد علیہ السلام کو نبوت ورسالت کے ساتھ بے مثال بادشاہت بھی عطا کی۔

ف بعض علماء کا قول ہے کہ **رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ** میں۔ بعض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ نے اُن کو اپنا خلیل بنایا اور مقام غلت سے اُن کو سرفراز فرمایا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام مراد ہیں کما قال تعالیٰ **وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا** اور ابن عباس اور شعبی اور مجاہد سے منقول ہے کہ بعضہم سے مراد عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء پر ایک درجہ میں نہیں تمام درجات اور فضائل و کمالات میں بلند اور برتر کیا۔ (۱) آپ کو تمام انبیاء کا امام اور خطیب اور سردار بنایا (۲) اور تمام امتوں کا شفاعت کرنے والا۔ (۳) اور تمام نبیوں کا خاتم اور آخر بنایا (۴) اور آپ کو سب سے افضل اور اکمل کتاب عطا کی (۵) اور آپ کی شریعت کو سب شریعتوں سے زیادہ جامع بنایا (۶) اور تمام انبیاء سے بڑھ کر آپ کو معجزات عطا کیے۔ (۷) اور آپ کو تمام عالم جن اور انس کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا (۸) اور آپ کے پیرو تمام انبیاء کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے (۹) اور سب سے پہلے آپ اپنی امت کو لے کر پل صراط سے گزریں گے (۱۰) اور سب سے پہلے آپ اپنی امت کو لے کر جنت میں داخل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو اُن کی نبوت ورسالت کی صریح اور واضح نشانیاں عطا کیں تاکہ اُن کی نبوت ورسالت میں کسی کو شبہ نہ رہے اور روح القدس یعنی جبریل امین کو ان کی تائید اور تقویت کے لیے

علہ یعنی تِلْكَ الرِّسَالُ کا اشارہ تائید جماعت رسل کی طرف ہے۔

مقرر کیا کہ ہر وقت یہود سے اُن کی حفاظت کریں تاکہ مُردوں کے زندہ کرنے اور مادر زاد نابینا اور کوڑھیوں کے تندرست کرنے سے کسی کو اُن کی الوہیت (خدائی) کا شبہ نہ ہو اس لیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو اوّل تو دشمنوں سے کیوں ڈرتے؟ دوم یہ کہ اُن کو جبریل امینؑ کی حفاظت کی کیا ضرورت ہوتی معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی کی حفاظت کا محتاج ہوتا ہے؟ چونکہ یہود حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے اور نصاریٰ اُن کی الوہیت کے قائل تھے اس لیے پہلے جملہ وَاتَّبَعْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ میں یہود کے رد کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا اور دوسرے جملہ وَآيَدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ میں اُن کی الوہیت کا رد کیا جس کے نصاریٰ قائل تھے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو دین حق پر متفق کر دیتا اور پھر لوگ پیغمبروں کے بعد دین میں اختلاف نہ کرتے اور نہ آپس میں لڑتے خصوصاً دلائل واضحہ کے بعد تو اختلاف کا نام و نشان بھی نہ رہتا اس لیے کہ دلائل واضحہ کا اقتضایہ تھا کہ سب حق پر متفق ہو جاتے۔ لیکن باوجود دلائل واضحہ کے پھر حق کے قبول کرنے میں اختلاف کیا سو بعض ان میں سے ایمان لائے اور بعضوں نے کفر اختیار کیا اور نبوت قتل و قتال اور جنگ و جدال تک پہنچی اور اگر اللہ چاہتا تو باوجود ایمان اور کفر کے اختلاف کے پھر بھی یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ باوجود اختلاف مذہب کے ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں لیکن اللہ کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ یہ دنیا حق اور باطل کا میدان کا رزار بنی رہے وہ حکیم مطلق حاکم مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس پر اعتراض کر سکے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟

اس تمام کلام سے مقصود آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ انبیاء سابقینؑ کی طرح آپؐ کی نبوت و رسالت بھی دلائل اور براہین اور آیات بینات سے ثابت ہے اور جس طرح بہت سے لوگ انبیاء سابقینؑ پر باوجود آیات بینات ایمان نہیں لائے اسی طرح اگر بہت سے معاندین آپؐ کی نبوت و رسالت کی تصدیق نہ کریں تو تعجب نہ کیجئے ایمان عام کسی امت میں نہیں ہوا کسی نے تصدیق کی اور کسی نے تکذیب اور اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں۔ وَكُوشَاءَ رَبِّكَ لَا مَنَ مَنَ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (تفسیر غرائب البیان للنیسابوری ص ۳۶)

شروع آیت وَكُوشَاءَ رَبِّكَ مَا أَفْتَتَلُ الَّذِينَ الْخٰلِیَہِ اور پھر اخیر آیت میں وَكُوشَاءَ رَبِّكَ مَا أَفْتَتَلُوا فرمایا مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت تاکید کے لیے مکرر لائی گئی ہے اور شیخ الاسلام ابو السعود فرماتے ہیں کہ یہ تکرار تاکید کے لیے نہیں بلکہ

علمه والمعنى على ما قال النيسابوري تلك الرسل - الى - وايدنا بروح القدس - ومع ذلك قدرنا لهم من قومهم ما ذكرنا ذلك بعد مشاهدة المعجزات وانت رسول مثلهم فلا تحزن على ما ترى من قومك ولو شاء الله لم يخلف امة اولئك ولكن ما قضاه الله فهو كائن وما قدره فهو واقع. تفسیر نيسابوری ص ۳۶

اس تنبیہ کے لیے اس آیت کو کمر لایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کا اختلاف اور باہمی قتل و قتال سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کوئی شئی بغیر اللہ کی مشیت کے نہیں ہو سکتی۔

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ پیغمبروں کے درمیان تفضیل اور مفاضلہ نہ کرو اس سے مراد اس تفضیل کی مانعت ہے جو محض عصبیت اور قومی حمیت کی بناء پر ہو یا ایسی تفضیل کی مانعت مراد ہے جو دو سر نبی کی تنقیص اور تحقیر کا سبب بنے اس طرح بحمدہ تعالیٰ آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہ رہے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اے ایمان والو خرچ کرو کچھ ہمارا دیا پہلے اس دن

يَأْتِي يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

کے آنے سے جس میں نہ بیکنہ ہے اور نہ آشنائی ہے اور نہ سفارش۔

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۳﴾

اور جو منکر ہیں وہی ہیں گنہ گار۔

ترغیبات و ترہیبات در بارہ صدقات و نفقات

قال تعالیٰ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا اے هُمُ الظَّالِمُونَ

(ربط) دور کو خرچ پیشتر حق تعالیٰ شانہ نے دو حکم دیئے تھے ایک جہاد اور دوسرا خدا تعالیٰ کو قرض دینے کا۔ پہلے حکم کی تائید اور تقویت کے لیے طالوت اور جالوت کا قصہ ذکر فرمایا۔ اب دوسرے حکم کی تائید اور تقویت کے لیے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیبات اور ترہیبات کو بیان فرماتے ہیں۔ یہ بیان دور تک چلا گیا ہے۔

نیز گزشتہ آیت فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ میں مکلفین کو دو قسموں پر منقسم فرمایا۔ مومن اور کافر۔ اب اس آیت میں اہل ایمان کو اپنے خطاب سے عزت دی اور ان کو

۱۰ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۱۱ مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۱۲

اہل ایمان کے لقب سے مخاطب فرمایا اے ایمان والو! اس رزق میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ کچھ ہماری راہ میں بھی خرچ کر لو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں قصور کے تلافی کی کوئی سبیل نہیں یعنی مرنے سے پہلے اس لیے کہ قیامت میں نہ کوئی خرید فروخت ہے اور نہ کوئی دوستی کا رآمد ہے۔ اور نہ کوئی سفارش کا رگر ہے اور کافر ہی ظالم ہیں کہ جان اور مال سب بے موقع صرف کر رہے ہیں پس اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح اپنی جانوں اور مالوں پر ظلم نہ کرنا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ

اللہ! اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جیتا ہے سب کا تھامنے والا ہے نہیں پکڑتی اس کو

وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ

اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ کون

ذَ الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا بَيْنَ

ایسا ہے کہ سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کے اذن سے جانتا ہے جو خلق

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ

کے روبرو ہے اور پیٹھ پیچھے اور یہ نہیں گھیر سکتے اس کے علم میں

عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَ

سے کچھ گھر جو وہ چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمان اور

الْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾

زمین کو اور تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے اور وہی ہے اوپر سب سے بڑا۔

اثبات توحید ذات و کمال صفات

(آیت الکرسی)

قَالَ تَعَالَى - اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ... اَللّٰهُ ... وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

گزشتہ رکوع کی آیت **وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ** میں اثبات رسالت کا ذکر تھا اور اس آیت میں اثبات توحید کا بیان ہے نیز **وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَتْنَا وَلَا كُنَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ** میں حق تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کا ذکر تھا اور اس کا بیان تھا کہ قیامت کے دن کوئی سفارش اور کوئی دوستی کام نہ آئے گی جس سے خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت مفہوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے کسی کو مجال دمزدن نہیں۔ اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور کمال صفات بیان فرماتے ہیں۔ نیز گزشتہ آیت **وَإِنَّكَ لَمِنَ الظَّالِمِينَ** میں کافروں کو ظالم بتلایا تھا۔ اب اس آیت میں ان کے ظلم کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ کافر اور مشرک اس لیے ظالم ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔ اور صحیح عقیدہ توحید کو بیان فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم کافروں کی طرح شرک کر کے ظالم نہ بنو بلکہ عقیدہ توحید کو حرجان بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں **اللَّهُ ذَا** ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں صرف وہی عبادت کا مستحق ہے استحقاق عبادت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس لیے کہ صرف خدا تعالیٰ اپنی ذات سے خود بخود زندہ اور موجود ہے اس کی حیات اور بقا ذاتی اور ابدی ہے اس کی حیات کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہاء اور اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات سے مُردہ اور معدوم ہے اور اس کی حیات مستعار کی ابتدا بھی ہے اور انتہاء بھی۔ اس لیے کہ کوئی شے اپنی ذات سے قائم نہیں خدا تعالیٰ ہی ہر شے کا قائم رکھنے والا ہے۔ ہر شے اپنی حیات اور بقا اور وجود میں اس کی محتاج ہے جیسے سایہ اپنی اصل کا محتاج ہوتا ہے ممکنات اپنے وجود اور بقا میں اس سے کہیں زائد خدا کے محتاج ہیں۔ ممکنات کی حیات اور وجود اسی واجب الوجود کی حیات کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

کل مافی الکون وہم او خیال او عکس فی المرایا او ظلال

غرض یہ کہ حق تعالیٰ تمام عالم کا قائم رکھنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں اس لیے کہ اُس کو اونگھ اور نیند نہیں پکڑتی اس لیے کہ نیند ایک قسم کا تغیر ہے جو وجوب کے منافی ہے اور حیات کو ضعیف اور کمزور بناتا ہے پس جس کو اونگھ اور نیند آئے گی اس کی حیات بھی ناقص اور کمزور ہوگی اور دوسروں کی تدبیر بھی نہیں کر سکے گا کیونکہ نیند موت کی بہن ہے لہذا نیند کی وجہ سے اس کی حیات بھی ناقص ٹھہرے گی اور اس کی شان قومیت میں بھی قصور اور نقصان لازم آئے گا اور چونکہ وہی سب کے وجود اور حیات کا قائم رکھنے والا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے اور ہم سے لے کر نیچے تک اسی کی حکومت اور بادشاہی ہے اس لیے کہ اصل مالک وہ ہے جو وجود اور حیات کا مالک ہو اور اس کی عظمت اور جلال اور شان کبریائی کا یہ عالم ہے کہ اس کی بارگاہِ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کر سکے۔ چہ جائیکہ کوئی اس کے حکم کو ہٹا سکے یا ٹلا سکے۔ یہ تو اس کی عظمت اور جلال کا حال ہوا اور اس کے

علم کی یہ شان ہے کہ وہی مخلوقات کے تمام اگلے اور پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے تمام عقلاً عالم بل کر بھی معلومات خداوندی میں سے کسی ایک معمولی چیز کے علم اور ادراک کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنی مقدار وہ تم کو علم دینا چاہے۔ فقط اتنی مقدار تم اس چیز کو جان لیتے ہو اصل کُنہ اور حقیقت کا علم اور اس کا علمی احاطہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَمَا أَوْتِنْتَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا
اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

غرض یہ کہ خداوند ذوالجلال کا علم ذاتی اور تام ہے اور مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے جو اس کی وحدانیت اور قیومیت اور کمال عظمت پر دال ہے اور بندوں کا علم نہایت قلیل اور ناقص بلکہ برائے نام ہے بندہ بدون اس کی تعلیم کے ایک ذرہ کو بھی نہیں جان سکتا اور ایک ذرہ کے بھی تمام احوال اور کیفیات اور جہات اور حیثیات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک حال کو جان لیتا ہے تو سو حال سے جاہل اور بے خبر رہتا ہے اور اس علم ناقص کے ساتھ اس بارگاہ میں شفاعت کرنا جس کا علم ذاتی اور تام ہو اور تمام اشیاء کی حقیقت اور کُنہ اور تمام احوال کو محیط ہو بغیر اس کی اجازت کے ممکن نہیں اس لیے کہ شفاعت وہاں ہوتی ہے جہاں شفاعت کرنے والا بادشاہ کو ایسی چیز سے آگاہ کرے جس کی بادشاہ کو خبر نہ ہو یا اس کو عفو کی مصلحت کی خبر نہ ہو اور بارگاہ خداوندی میں یہ ناممکن ہے کہ اس کو کسی شے کا علم نہ ہو اور اس کی مالکیت تمام کائنات کو محیط ہے اس لیے کہ اس کی کرسی جو اس کے عرش سے کم ہے وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے اور اپنے اندر سمائے ہوئے ہے جس طرح چاہے زمین اور آسمان میں تصرف کرتا ہے کسی کی مجال کیا ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کا کلمہ زبان سے نکال سکے شافع اور مشفوع لہ سب اسی کی ملک ہیں اور اس کی قدرت اور قیومیت کا یہ حال ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اور نگہبانی اس پر ذرہ برابر شاق اور گراں نہیں اور کیسے اس پر گراں ہو سکتی ہے۔ وہ بڑا عالی شان اور بلند مرتبہ ہے۔ ذات اور صفات میں کوئی بھی کسی طرح اس کے برابر نہیں وہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ اس کی شان کے مطابق کوئی حمد و ثنا بھی نہیں کر سکتا۔ بڑی عظمت والا ہے کہ ہر چیز اس کے سوا حقیر اور قبیح ہے۔ وہ اپنے افعال میں کسی کا محتاج نہیں عظمت و جلال کی وجہ سے سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے پس جس ذات پاک کی یہ صفات ہوں کیا اس کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا ظلم عظیم نہ ہو گا کما قال تعالیٰ فی الآیۃ الدلیٰ وَكَفِّرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

فوائد و لطائف

اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ شانہ کی توحید ذاتی اور صفاتی کا ذکر ہے۔ توحید اور نبیل اور کتب سابقہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی کمال ذات اور

کمال صفات کے متعلق جیسا اس آیت میں ذکر ہے اس کا شتمہ بھی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔
اس آیت میں سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنی توحید ذاتی کو بیان فرمایا۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔
بعد ازاں ان صفات کو بیان فرمایا۔

(۱) الْحَيُّ

کمالات وجودیہ میں سب سے پہلا حیات ہے۔ ”حی“ لغت میں اس زندہ شے کو کہتے ہیں جو واقف ہو اور ستتا اور دیکھتا اور قادر ہو پس صفت حیات تمام صفات کمال کا مبداء ہے۔

(۲) الْقَيُّوْمُ

یعنی کائنات کو قائم اور باقی رکھنے والا۔ ”حی“ سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا اور قیوم سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا یعنی بذاتہ اور بنفسہ وہ واجب الوجود ہے اور دوسروں کو وجود اور حیات ہبہ اور عطا کرنے والا ہے ممکن میں جو وجود بھی ہے وہ اسی واجب الوجود کا ہبہ اور عطیہ ہے۔ صفت حیات کو ذکر کر کے کمال وجود کو بیان فرمایا۔ اور صفت قیومیت کو ذکر کر کے کمال ایجاد کو بیان فرمایا۔

(۳) لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

اس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اس سے حق تعالیٰ کا تغیرات اور حوادث اور خصائص ممکنات سے پاک اور بری ہونا بیان فرمایا۔ یہ جملہ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تاکید ہے کیونکہ اونگھ اور نیند سے حیات میں نقصان آتا ہے اس لیے کہ نیند موت کی بہن ہے اور خدا تعالیٰ موت کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ علاوہ ازیں جس کی حیات ناقص ہوگی اس کی قیومیت یعنی حفاظت اور نگرانی بھی ناقص اور کمزور ہوگی لہذا لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسا قیوم اور مدبر ہے کہ ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی قیومیت میں سہو اور نسیان اور غفلت اور سستی سے پاک اور منزہ ہے۔

(۴) لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

اس جملہ سے صفت مالکیت کو ثابت کرنا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اس لیے کہ مالک حقیقی وہ ہے جو وجود عطا کرے پس جس نے آسمانوں اور زمینوں کو وجود عطا کیا اور جو ان کے وجود کا قائم رکھنے والا اور تنہا منے والا ہے وہی ان کا مالک حقیقی ہے۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآلِإِبَادِنَهٗ

اس جملہ سے اس کی حاکمیت اور جلال اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس کی بارگاہِ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے لب کشائی کر سکے۔

(۶) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اس جملہ میں اس کے علم محیط کو بیان فرمایا کہ اس کا علم مخلوقات کے تمام احوال کو محیط ہے۔

(۷) وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْإِيمَا شَاءَ

اس جملہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح مخلوقات کا وجود عطیہ خداوندی ہے اسی طرح مخلوقات کا علم بھی عطیہ خداوندی ہے۔ بندے فقط اتنی مقدار جان سکتے ہیں۔ جتنا وہ چاہے بندوں کا علم اس کی مشیت کے تابع ہے۔ بندہ کا علم نہایت ہی قلیل اور محدود ہے۔ اور اس کا جہل بالفعل غیر محدود اور غرتناہی ہے۔

(۸) وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اس جملہ میں یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی حاکمیت اور مالکیت آسمانوں اور زمینوں سے بھی متجاوز ہے۔ جہاں تک بندوں کا دہم و خیال بھی نہیں۔

فائدہ (۱) احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرسی ایک جسم ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے اور عرش سے چھوٹا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے اندر ایسے ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں کرسی کی اصناف اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہے جیسے عرش اللہ اور بیت اللہ کی نسبت ہے بظاہر یہ کوئی خاص قسم کی تجلی ہے اور جس طرح تجلیات کی انواع اور اقسام میں ہر شے کی تجلی علیحدہ ہے اسی طرح عجب نہیں کہ کرسی اور عرش کی تجلیات علیحدہ علیحدہ ہوں اور ایک دوسرے سے متماز ہوں۔ جمہور سلف کے نزدیک آیت میں کرسی سے ظاہری اور متبادر معنی مراد ہیں۔ اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ کرسی اس کی عظمت اور سلطنت کی تصویر اور محض ایک مثال ہے ورنہ درحقیقت نہ کوئی کرسی ہے اور نہ وہاں کوئی بیٹھنے والا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لفظ سے حقیقی ہی معنی مراد لیے جائیں قرآن کریم میں صد ہا جگہ مجازی اور کنائی معنی مراد لیے گئے ہیں۔

(۹) وَلَا يَؤُودُكَ حِفْظُهُمَا

اور اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی حفاظت ذرہ برابر گراں نہیں۔ اس جملہ سے یہ بتلانا ہے کہ اس کی

صفت قدرت اور قیومیت ضعف اور نقصان سے پاک اور منزہ ہے۔

(۱۰) وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

اس جملہ میں اللہ کی صفت علو اور عظمت کو بیان فرمایا۔

ف (۲) مستدرک حاکم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سورة البقرة فيها آية سيدى القرآن لا تقرا في بيت فيه شيطان الا خرج منها۔
(آية الكرسي)
سورة بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیات قرآن کی سردار ہے وہ آیت الکرسی ہے جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان اُس سے نکل جاتا ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوالمنذر قرآن میں سب سے اعظم یعنی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ میں نے کہا اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اُنْ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابوالمنذر علم تمہیں مبارک ہو۔

اور اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت، آیت الکرسی ہے۔ (درمنثور ص ۳۵ ج ۱)

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم اللہ کا اَلَا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مُردوں کے زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یَا حَيُّ یَا قَيُّوْمُ پڑھ کر دعا فرماتے۔ اور آصف بن برخیاؓ نے جب بقیس کے عرش کو لانے کا ارادہ کیا تو یَا حَيُّ یَا قَيُّوْمُ پڑھ کر دعا مانگی (تفسیر قرطبی ص ۲۴ ج ۳)

ف (۳) حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آیت الکرسی سورۃ بقرہ کا قلب ہے اور اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ بمنزلہ روح اور جان کے ہے اور باقی آیات

بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہیں اس سورت کے تمام مطالب اسی آیت کے گرد گھومتے ہیں۔ جس طرح اعضاء اور جوارح جان کے شئون اور مظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس سورت کی تمام آیتیں اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کے شئون اور مظاہر ہیں۔ سورہ بقرہ کے کل چالیس رکوع ہیں۔ کوئی ایسا نہیں کہ جس میں حیات اور قیومیت اور

۱۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں لیسنک العلمو یا ابوالمنذر ۱۲۔

ہمیشہ کی زندگانی کا مضمون مذکور نہ ہو۔ گویا کہ یہ تمام سورت الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہی کی شرح اور بسط اور حیات اور قیومیت ہی کی توضیح اور تلویح ہے۔ ابتداء سورت میں ذَلِكْ اَلْكِتَابُ مَكْرُوبٌ فِيهِ سے قرآن کریم کا آبِ حیات ہونا بیان فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور تقویٰ سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے اور کفر اور نفاق سے دائمی ہلاکت۔ پھر تیسرے رکوع میں افرادِ انسانی کی فرداً فرداً حیات کا ذکر فرمایا وَ كُنْتُمْ اَمْوَآتًا فَاَحْيَاكُمْ اور زمین و آسمان کی پیدائش اور دنیا کی نعمتوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو دنیوی حیات کا ذریعہ ہیں اور پھر اپنی عبادت کا حکم دیا جو انسان کی حیاتِ اخروی اور قیامِ ابدی کا ذریعہ ہے۔ بعد ازاں ابوالہ بشر کی حیات اور منصبِ خلافت اور ملائکہ پر اُن کی فضیلت کو ذکر فرمایا۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً بعد ازاں پانچویں رکوع سے ایک خاص خاندان کی حیات کا ذکر شروع فرمایا یعنی بنی اسرائیل کی حیات اور ان پر اپنے ظاہری اور باطنی انعامات کا بیان شروع کیا جو تقریباً آخر پارے تک چلا گیا جس میں ان کو جہانوں پر فضیلت دینا اور من و سلویٰ کا ان کے لیے نازل کرنا اور اُن کی ہدایت کے لیے توریت کا عطا کرنا اور اس خاندان میں ہزاروں پیغمبروں کو ہدایت کے لیے مبعوث کرنا بیان فرمایا۔ چودھویں رکوع تک جب اس خاندان کی حیات کا قصہ تمام ہوا تو پندرہویں رکوع سے ایک دوسرے خاندان کی حیات کا ذکر شروع فرمایا، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کہ ان کی اقامت اور توطن کے لیے خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی یہ جگہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ اور یہ قبلہ آخری قبلہ ہے۔ دوسرے سلسلہ کلام چلا گیا جب ان دونوں خاندانوں کی حیات اور قائمی سے فارغ ہوئے تو پھر اس کے بعد چند اقسامِ حیات کو ذکر فرمایا کہ جو بظاہر حیات کے خلاف معلوم ہوتے ہیں من جملہ اُن کے شہادت فی سبیل اللہ اور مصائب پر صبر کرنا اور قصاص کو جاری کرنا اور وصیت کو بغیر تغیر و تبدل کے جاری کرنا اور روح کو زندہ رکھنے کے لیے روزہ رکھنا اور دین کی بقاء کے لیے جہاد کرنا اور شعائرِ ملت کو زندہ اور قائم رکھنے کے لیے حج اور عمرہ کرنا اور مال اور آدمی کی حیات قائم رکھنے کے لیے شراب اور جوئے سے پرہیز کرنا اور حقوقِ نکاح اور زوجیت کے زندہ اور قائم رکھنے کے لیے ایلاء اور خلع اور طلاق اور عدت اور حالتِ حیض میں مباشرت اور اجرتِ رضا عت وغیرہ کی حدود کی پوری پوری رعایت رکھنا تاکہ خاندانی اور معاشرتی حیات قائم رہے اور اس کا شیرازہ منتشر نہ ہو۔

پھر جب ان اقسامِ حیات کے بیان سے فراغت ہوئی تو اَلَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اَلْوَفٰٓءُ حَذَرَ الْمَوْتِ سے چند عجیب و غریب قصے بیان فرمائے جن میں خدائے حَیُّ وَ قَیُّوْمٌ کی طرف سے بلا اسباب ظاہری حیاتِ غیبیہ کا عطا ہونا بیان فرمایا، تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ اس کے سوا کوئی حی اور قیوم نہیں۔ جو بھی زندہ اور قائم ہے وہ اس کی دی ہوئی حیات سے قائم ہے حق تعالیٰ نے دو قصے اس کلمہ حَیِّ وَ قَیُّوْمٌ سے پہلے ذکر فرمائے اور تین قصے اسی مدعا کے اثبات کے لیے آیت الکرسی کے بعد ذکر فرمائے۔

پہلا قصہ حیات بنی اسرائیل کی اس جماعت کا ذکر فرمایا کہ جو باسے ڈر کر بھاگے اور پھر ایک نبی کی دعا سے زندہ ہوئے۔

دوسرا قصہ طاووت اور جالوت اور تابوتِ سکینہ کا ذکر فرمایا جس سے اس خاندان کی گم شدہ حیات پھر واپس آئی۔

اس کے بعد آیت الکرسی کو ذکر فرمایا جس میں حق جل شانہ کی حیات اور قیومیت اور مالکیت اور عظمت اور ہیبت اور قدرت کا علم اور علم محیط کا ذکر فرمایا۔ اور یہ بتلادیا کہ اسلام اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ خدا کو وحدہ لا شریک مانا جائے۔ حق واضح ہے جس کا جی چاہے قبول کرے کسی پر زبردستی نہیں۔

اس کے بعد پھر اپنی حیات اور قیومیت کے اثبات کے لیے تین قصے ذکر فرمائے جس سے حیاتِ اُخروی کا نمونہ معلوم ہو اور یہ واضح ہو جائے کہ وہ حقیقی قیومِ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے تاکہ لوگ قیامت کے بارے میں شک نہ کریں۔ پھر اس کے بعد صدقات اور خیرات کے احکام بیان فرمائے جو انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کے قیام کا سبب ہیں اور سود سے ممانعت فرمائی کہ جو انسان کی دینی اور دنیوی حیات کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ پھر اس سورت کو اللہ مافی السموات و مافی الارض الایات سے ایمانیات اور اعتقادیات اور دعا اور استغفار کے مضمون پر ختم فرمایا۔ اس لیے کہ ایمان اور توبہ اور استغفار ہی سے مردہ دلوں کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ تمام سورت حق تعالیٰ کے اسمِ حقیقی و قیوم کی شرح اور تفصیل ہے اور آیت الکرسی اس سورت کے لیے بمنزلہ دل کے ہے اور یہ اسمِ حقیقی و قیوم بمنزلہ جان کے ہے اور باقی آیتیں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

زور نہیں دین کی بات میں کھل چکی ہے صلاحیت اور بے راہی

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور یقین لاوے اللہ پر اس نے

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا اَنْفِصَامَ لَهَا وَ

پکڑی گہر مضبوط جو ٹوٹنے والی نہیں اور

اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۵۶ وَلِلّٰهِ الدِّينُ اَمَّا يَخْرِجُكُمْ

اللہ سنتا ہے جانتا - اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو

مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَٰئِهِمُ

اندھیروں سے اُجالے میں اور وہ جو منکر ہیں ان کے رفیق

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۚ

ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو اُجالے سے اندھیروں میں ۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵۰﴾

وہ ہیں دوزخ والے، وہ اسی میں رہ پڑے ۔

حق اور باطل نور اور ظلمت کا فرق واضح ہے

کسی پر کوئی زبردستی نہیں جو چاہے اختیار کرے،

قال تعالى: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ.... الے.... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
(ربط) گزشتہ آیت وَ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُحْسِنِينَ میں اثبات رسالت کا ذکر تھا اور آیت انکرسی
میں اثبات توحید کا ذکر تھا اور یہی دو باتیں دین اسلام کا اصل الاصول ہیں جو دلائل واضح سے ثابت
ہیں جس سے کافروں کے لیے کوئی عذر اور گنجائش باقی نہیں جس کا جی چاہے حق کو قبول کرے دین کے
بارے میں کوئی نہ زبردستی نہیں۔ تحقیق ہدایت گمراہی سے بالکل جدا اور ممتاز ہو چکی ہے۔ حق کا حسن و جمال
اور باطل کا قبح خوب ظاہر اور نمایاں ہو چکا ہے اور زبردستی اس امر پر ہوتی ہے جو ناپسندیدہ ہو اور کرنے
والے کا دل اس سے خوش نہ ہو اور اسلام کا حسن و جمال ایسا بے مثال ہے کہ عقل سلیم اس پر عاشق اور
فریفتہ ہے البتہ نفس پر اسلام کے احکام شاق اور گراں ہیں نفس تو نجاست خور اور شہوت پرست ہے
اس کی گرانی اور ناگواری کا اعتبار نہیں کئے کو قے اور گنداپانی ہی لذیذ معلوم ہوتا ہے مگر سلیم الطبع کو اس
تصور سے بھی تکدر اور انقباض ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلام میں اکراہ اور زبردستی ممکن ہی نہیں اس لیے کہ اسلام کے لیے تصدیق قلبی
اور دلی اذعان کا اعتبار ہے اور دل پر کسی کی زبردستی چل نہیں سکتی۔

یا آیت کے یہ معنی ہیں کہ دین کے بارے میں تم کسی پر زبردستی نہ کرو کیونکہ یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان
ہے۔ مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں۔ اس لیے کہ جزاء و سزا کا مدار اختیار پر ہے۔

اس صورت میں یہ جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں ہوگا یعنی لَا اِکْرَاہَ کی نفی معنی میں نہیں کے ہوگی اور لَا اِکْرَاہَ معنی میں لَا تُکْرِہُوْا کے ہوگا۔ جیسا کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔
حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت حُصَیْنِ انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی حُصَیْنِ انصاریؓ کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ ایک روز حُصَیْنِ انصاریؓ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ پر ان کا نصرانی ہونا بہت گراں ہے اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اُن کو اسلام پر مجبور کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا اِکْرَاہَ رَفِیَ الدِّیْنِ یعنی کسی پر اسلام میں داخل ہونے کے لیے جبر اور نہ بردستی نہ کرو ہم نے ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح کر دیا ہے اب لوگوں کو اختیار ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس قسم کی آیات اُن آیات کے معارض نہیں جن میں کافروں سے جہاد و قتال کا حکم آیا ہے اس لیے کہ جہاد شر اور فساد کے رفع اور دفع کرنے کے لیے ہے۔ کفار چونکہ خدا کی زمین میں فساد مچاتے ہیں اور خدا کی نازل فرمودہ ہدایت اور شریعت کے اجراء اور نفاذ میں حارج اور منراحم ہوتے ہیں اور بندگان خدا کو عبادت سے روکتے ہیں اس لیے جہاد کا حکم نازل ہوا۔ جہاد سے مقصود احکم الحاکمین کے دین متین کی حکومت قائم کرنا ہے بجز کسی کو مسلمان بنانا مقصود نہیں۔ کافر اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہے تو جزیہ دے کر بھی اپنے مذہب پر رہ سکتا ہے اور چونکہ جہاد دفع فساد کے لیے ہے اس لیے بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں اور راہبوں کے قتل کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس لیے کہ ان لوگوں سے فتنہ اور فساد کی امید نہیں اور جس طرح موذی جانوروں سانپ اور بچھو کا ایذا رسانی کے بعد قتل کرنا جائز ہے اسی طرح سانپ اور بچھو کو ڈنگ مارنے سے پہلے ہی ختم کر دینا عقل اور دانائی ہے اسی طرح اگر مسلمانوں کو کسی کافر حکومت سے کوئی خطرہ ہو تو پہلے ہی سے اس کا خاتمہ کر دینا عین تدبیر اور عین سیاست ہے اصطلاح شریعت میں اس کا نام جہاد اقدامی ہے۔

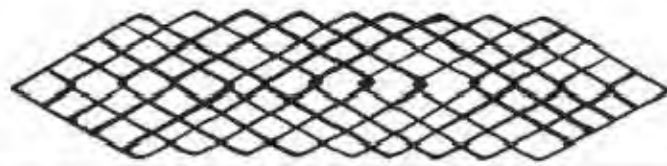
علاوہ ازیں جس طرح انسان ایمان اور کفر کے قبول کرنے میں مختار ہے مجبور نہیں اسی طرح تمام اعمال خیر اور اعمال شر کے کرنے اور نہ کرنے میں بھی مختار ہے مجبور نہیں لیکن اچھے اور بُرے افعال پر ان کے مناسب جزا اور سزا کا مرتب ہونا جبر و اکراہ کو مستلزم نہیں۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا جانا اور زانی محسن کا سنگسار کیا جانا اور خون ناحق کا قصاص لیا جانا یہ تمام تر اس کے افعال اختیار یہ کی سزا ہے جبر اور اکراہ نہیں۔ اس شخص نے اپنے اختیار سے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا اس لیے یہ سزا بھگتنی پڑی۔ پس اسی طرح جو مسلمان مرتد اور سزائے ارتداد میں قتل کیا گیا تو یہ جبر اور اکراہ نہیں بلکہ اس کے فعل اختیار (ارتداد) کی

سزا ہے اور کافروں سے جہاد و قتال اُن کے فعل اختیاری یعنی کفر کی جزا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ قانونی سزائیں تو عین مصلحت اور عین تدبیر اور عین سیاست بن جائیں اور شرعی حدود و قتل مرتد اور رجم زانی وغیرہ وغیرہ یہ سزائیں جبر اور اکراہ قرار دی جائیں اور وحشیانہ سزائیں کہلائیں قتل مرتد کے مسئلہ میں اشکال ہے اور مارشل لاء میں کوئی اشکال نہیں۔ کیا قانون مارشل لاء میں ووٹ کی قائم شدہ حکومت کے مرتدین کا قتل نہیں؟ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ مجازی اور جعلی حاکم کے مرتدین کا قتل تو عین تہذیب اور عین تمدن ہو اور خدائے احکم الحاکمین کے مرتدین کے قتل پر ناک بھوں چڑھائیں اور اس کو وحشیانہ فعل قرار دیں۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ ہماری بغاوت تو جرم ہے اور خدا تعالیٰ کی بغاوت جرم نہیں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو عقل دے جو بندوں پر اپنا حق خدا تعالیٰ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

پس حق اور ہدایت کے روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد جو شخص طغیان اور ضلال کی طرف بلانے والی چیزوں سے تعلق قطع کر لے اور ایمان لا کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرے تو اس نے نہایت مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا اور اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور وہ ایمان باللہ کا حلقہ ایسا مضبوط ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا البتہ غفلت کی وجہ سے ہاتھ سے چھوٹ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر کے دعوؤں کو سننے والا ہے اور نیتوں کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا کار ساز ہے جو ایمان لائے اور خدا سے وابستہ ہوئے انکو وہ اپنی خاص ہدایت اور توفیق کے ذریعہ شکوک اور شبہات اور وسوس اور خطرات کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے جاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ سے تعلق قطع کر لیا اُن کے دوست اور رفیق جن اور انس کے شیاطین ہیں جو ان کو نور ہدایت اور نور دلائل سے نکال کر شبہات اور نفسانی خواہشات کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جو انبیاء اور علماء اور صلحاء اور دلائل عقل سے بھاگتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ دوزخ کے باشندے ہیں یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

حق تعالیٰ نے کافروں کے حق میں دوزخ کی وعید کو ذکر فرمایا اور اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کے لیے کسی خاص وعدہ اور بشارت کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ اللہ کی ولایت اور محبت اور کار سازی ہر وعدہ اور بشارت کو متضمن ہے۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ اللَّهُ

تو نے نہ دیکھا وہ شخص جو جھگڑا ابراہیم سے اس کے رب پر؟ واسطہ یہ کہ دی

اللَّهُ الْمَلِكُ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي

تھی اس کو اللہ نے سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے

وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ

اور مارتا ہے، بولا میں ہوں جلاتا اور مارتا، کہا ابراہیم نے اللہ

اللَّهُ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ

تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو لے آ اس کو

الْمَغْرِبِ فِيهِتَ الَّذِي كَفَرْتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

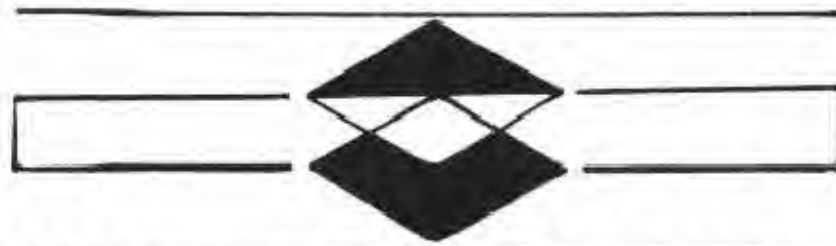
مغرب سے، تب حیران رہ گیا وہ منکر اور اللہ نہیں راہ دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

بے انصاف لوگوں کو۔

ذکر مسدود و معاد

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو بیان فرمایا اس کے بعد تین قصے اس کے مناسب ذکر فرمائے ہیں اول قصہ وجود باری کے اثبات کے لیے ہے اور دوسرا اور تیسرا قصہ اثبات حشر و فشر یعنی اثبات قیامت کے لیے ہے تاکہ مبدا و معاد کی معرفت مکمل ہو جائے اور خدائے ذوالجلال کی حیات اور قیومیت خوب واضح ہو جائے اور نور ہدایت اور ظلمت ضلالت کا نمونہ نظر آجائے کہ خدا تعالیٰ کس طرح ہدایت دیتا ہے۔ اور کس طرح گمراہ کرتا ہے اور جہاد و قتال کی مشروریت کی وجہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کفار ناہنجار خدائے کردگار کی صحیح معرفت کو مٹانا چاہتے ہیں اور لوگوں کو خدا تعالیٰ سے باغی بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان سے جہاد و قتال کا حکم دیا گیا اور اگر خود جہاد میں شریک نہ ہو سکیں تو مالی امداد کریں۔



قصہ اول

(در بارہ اثبات وجود باری عز اسمہ)

قَالَ تَعَالَى. اَلَمْ تَكُنْ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ ۱ لے وَ اٰتٰیہٗ مَا یَمْدِی الْقَوْمَ الظَّٰلِمِیْنَ ۝
 ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کا نمرود بن کنعان سے مناظرہ اور مکالمہ بیان کرتے ہیں۔ نمرود
 دھری تھا یعنی وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا اور اپنے آپ کو ملک کا رب اور خدا اور مالک بتاتا تھا۔
 (اے مخاطب!) کیا تو نے اُس طاغوت کو نہیں دیکھا جس نے خدا کے ولی ابراہیم سے اپنے پروردگار کے وجود
 کے بارے میں مباحثہ اور مجادلہ کیا۔ یہ جھگڑنے والا شخص نمرود تھا جس نے سب سے پہلے سر پر تاج رکھا
 اور بادشاہت کے گھنڈ میں خدائی کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نمرود کا خدا کے بارے میں یہ مجادلہ محض
 اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت اور بادشاہی عطا کی اس نعمت عظیمہ کے شکر کا ادنیٰ
 درجہ یہ تھا کہ جس خدا نے یہ سلطنت بخشی تھی اس کے وجود کا تو اقرار کرتا مگر اس نے برعکس اُس منعم کے وجود
 ہی کا انکار کر دیا۔ شکہ تو درکنار جس وقت کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا کہ خدا نے پروردگار پر ایمان
 لا۔ نمرود نے کہا وہ کون سا خدا ہے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کا وصف بیان کر دو؟ ابراہیم علیہ السلام
 نے فرمایا میرا پروردگار جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں اُس کی شان یہ ہے کہ وہ موت اور حیات کا مالک
 ہے جس کو چاہتا ہے زندہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مارتا ہے اور تو زندہ کرنے اور موت دینے سے
 عاجز ہے۔ لہذا تو مستحق ربوبیت کا نہیں ہو سکتا۔ نمرود نے اسی وقت دو آدمیوں کو بلایا اور ایک کو قتل
 کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں یعنی مارنے اور زندہ کرنے سے عاجز نہیں۔ ابراہیم
 نے دیکھا کہ یہ تو بڑا ہی کوڑ مغز ہے کہ اجیاء اور امانت کے معنی بھی نہیں سمجھتا اجیاء اور امانت کے معنی
 جسم میں جان ڈالنے اور جان نکلنے کے ہیں اور یہ سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں۔ اس نادان
 نے فقط گردن اڑا دینے اور چھوڑ دینے اور حلق پر چھری چلانے اور نہ چلانے کا نام اجیاء اور امانت رکھا۔
 ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تو اجیاء اور امانت یعنی جسم میں جان ڈالنے اور نکالنے پر تو کیا قادر ہوتا تو اجیاء
 اور امانت کا مفہوم بھی نہیں سمجھتا اچھا ایک بات اور سن اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو اپنے ارادہ اور اختیار سے مشرق
 سے نکالتا ہے، حالانکہ وہ اگر چاہے تو مغرب اور شمال اور جنوب سے بھی نکال سکتا ہے ہر افاق اور ہر نقطہ اس
 کی قدرت کے اعتبار سے یکساں ہے پس اگر تجھ کو دعائے ربوبیت ہے تو آفتاب کو مغرب سے نکال کر دکھاتا کہ
 تیری قوت اور قدرت کا اندازہ ہو تو اجیاء اور امانت مارنے اور جلانے پر تو کیا قادر ہوتا۔ تیرے عجز اور درماندگی
 کا تو یہ عالم ہے کہ تو ایک جسم کی حرکت کے تغیر پر بھی قادر نہیں۔ حالانکہ حرکت، حیات کا ایک نہایت معمولی
 سا اثر ہے پس جو شخص ایک جسم کی حرکت میں تغیر کرنے سے عاجز ہو گا وہ اجیاء اور امانت سے بدرجہ اولیٰ

عاجز ہوگا۔ پس خدا کا منکر اس روشن اور نورانی دلیل کو سن کر حیران اور بھونچکاں رہ گیا اور کسی قسم کی کوئی تاویل اور تلبیس بھی نہ کر سکا اور ایسا مدہوش ہوا کہ کچھ بھی نہ بول سکا مطلب یہ کہ نمرود حضرت ابراہیمؑ کی اس روشن دلیل کو سن کر ہٹکا بکا رہ گیا اور بطور معارضہ یہ نہ کہہ سکا کہ اگر تیرا معبود ایسا زبردست ہے تو اُس سے کہو کہ وہ آفتاب کو کسی دن بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دے اس لیے کہ اس نے خوب سمجھ لیا کہ اگر ابراہیمؑ اپنے خدا سے یہ دعا مانگیں کہ اے خدا اس آفتاب کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دیکھتے تو یقیناً ایسا ہی ہو جائے گا۔ ابراہیمؑ کا خدا جس طرح آگ کو بردا و سلام بنا سکتا ہے اسی طرح ابراہیمؑ کا خدا سورج کو بجائے مشرق کے مغرب سے بھی نکال سکتا ہے لیکن نمرود باوجود اس نورانی اور روشن دلیل کے کفر کی ظلمت اور تاریکی سے نہ نکلا اس لیے اپنے عناد پر قائم رہا اور ایمان نہ لایا اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو گمراہی کی ظلمتوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف نہیں لے جاتے معاند کتنے ہی معجزات اور نشانات دیکھے وہ ظلمت سے نور ہدایت کی طرف نہیں آتا چنانچہ نمرود کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ ع۔ پشہ کارش کفایت ساختہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے بعد کا ہے اور بعض

فائدہ

شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ وہ اپنے تئیں سجدہ کروانا تھا سلطنت کے غرور سے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُس کو سجدہ نہ کیا۔ اُس نے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب ہی کو سجدہ کرتا ہوں۔ اُس نے کہا رب تو میں ہوں۔ انہوں نے کہا میں رب حاکم کو نہیں کہتا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے دو قیدی بلائے جس کو جلانا پہنچتا تھا مار ڈالا اور جس کو مار ڈالنا پہنچتا تھا چھوڑ دیا تب انہوں نے آفتاب کی دلیل سے اُس کو لا جواب کیا (۱۲ منہ) اور حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سن کر بے اختیار نمرود کے دل میں یہ بات آگئی کہ خدا ضرور ہے اور آفتاب کا مشرق سے نکالنا اس کا فعل ہے اور وہ خدا مغرب سے بھی نکال سکتا ہے اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ شخص اسی خدا کا پیغمبر ہے اور اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو عالم میں انقلاب برپا ہو جائے گا اور ساری دنیا اسی کی راہ پر ہو لے گی اور میرے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہے گی۔



اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ

یا جیسے وہ شخص، کہ گذرا ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی

لہ اس عبارت میں اس آیت کا گزشتہ آیت اللہ ذی الذین آمنوا یخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۰

عُرُوشَهَا ۚ قَالَ أَنَىٰ يُحْيٰى هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

چھتوں پر ، بولا کہاں جلاوے گا اس کو اللہ مر گئے

مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ ط

پیچھے ؟ پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس ، پھر اٹھایا ۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط

کہا تو کتنی دیر رہا ؟ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم ۔

قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ

کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ کھانا اپنا

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّه ۚ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ

اور پینا ، شہ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ

اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے ، اور دیکھ ہڈیاں کس طرح

كَيْفَ نُنَشِّرُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ط فَلَئِمَّا تَبَيَّنَ

ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت ۔ پھر جب اس پر ظاہر

لَهُ ۚ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۵۱

ہوا ، بولا ، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

قصہ دوم

برائے اثبات معاد یعنی برائے اثبات حشر و نشر

قال تعالیٰ۔ اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ.... اَلَمْ يَكُنْ اِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

یا اے مخاطب کیا تو نے اُس جیسے شخص کی طرف نظر نہیں کی کہ جن کا ایک بستی پر گذر ہوا۔ محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ وہ گذر نے والے حضرت ارمیا بنی تھے اور حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ عزیر تھے۔ اور مجاہدؒ سے منقول ہے کہ نمرود کے ساتھ ذکر کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ گذر نے والا شخص کافر تھا۔ جس کو بعثت میں شک اور تردد تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ کافر ایسی عزت اور کرامت کا مستحق نہیں جس کا آیت میں ذکر ہے اور قریہ سے بیت المقدس مراد ہے جس کو بخت نصر نے ویران اور برباد کیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر کے لے گیا۔ ان میں حضرت عزیرؑ بھی تھے حضرت عزیرؑ جب قید سے چھوٹ آئے اور اس ویران بستی پر گذر ہوا جس کے تمام آدمی مرے پڑے ہیں اور عمارت بھی سب گری ہوئی ہے۔ اور اس وقت وہ بستی ایسی حالت میں تھی کہ وہ اپنی پھتوں پر گری ہوئی پڑی تھی یعنی اس کی چھتیں گر کر پھر ان پر دیواریں گر گئی تھیں اس ویرانی کو دیکھ کر بطور حسرت اور تعجب یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو مرے پیچھے کس طرح زندہ کرے گا۔ مقصود اس کہنے سے بستی کے دوبارہ زندہ اور آباد ہونے کی طلب اور تمنا تھی مگر چونکہ عادۃً ایسا ہونا بعید تھا اس لیے یہ خیال گذرا کہ کیا میری یہ دعا قبول ہوگی۔ معاذ اللہ خدا کی قدرت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا بعثت کا یقین کامل تھا۔ لیکن تمنا یہ تھی کہ کاش میں بھی اس کا نمونہ دیکھ لوں۔ پس حق تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر کے ان کو سو برس تک مردہ رکھا۔ اور اس عرصہ میں بخت نصر بھی مر گیا اور بنی اسرائیل کو اس کے ظلم و ستم سے رہائی ملی اور شہر بیت المقدس از سر نو آباد ہو گیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور پھر سو برس کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا تاکہ واضح ہو جائے کہ جو خدا سو برس کے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے وہ سو ہزار برس کے مردہ کو بھی زندہ کر سکتا ہے اس کی قدرت کے لیے کوئی خاص مدت شرط نہیں جس وقت اٹھے سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود یا بذریعہ فرشتہ کے پوچھا کہ کتنی دیر ٹھہرا؟ اور اس حالت میں کتنی مدت تک رہا۔ بولے کہ میں اس حالت میں ایک دن رہا یا ایک دن سے کچھ کم اگر یہاں کل اسی وقت آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو ایک دن سے بھی کم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ تم اس حالت میں سو سال ٹھہرے ہو یعنی تم حقیقتہً مر چکے تھے۔ سو سال کی موت کے بعد ہم نے تم کو اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے یہ طویل مدت خواب میں نہیں گزری اور تم خواب سے بیدار نہیں ہوئے بلکہ موت سے دوبارہ زندہ ہوئے ہو پس اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ باوجود اتنی طویل مدت گزرنے کے میرے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھو کہ باوجود اتنی طویل مدت گزرنے کے اس میں ذرہ برابر تغیر نہیں آیا حالانکہ کھانے پینے کی چیز میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے اور موسم گرما میں تو صبح کا کھانا شام ہی تک خراب ہو جاتا ہے پس جو خدا کھانے پینے کی چیز کو اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہی خدا تمہارے جسم کو بھی اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس کے مقابل اپنی سواری کے گرھے کی طرف نظر کیجئے کہ وہ گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہے اور اس کی ہڈیاں اس قدر بوسیدہ ہو چکی ہیں کہ ہاتھ لگانے کی بھی تاب

نہیں رکھتیں۔ گدھے کی یہ حالت ایک دن میں نہیں ہو سکتی۔ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے لیے ایک مدت مدید چاہیے اور اب ہم عنقریب تمہارے سامنے ہی اس مردہ گدھے کو زندہ کریں گے۔ اور دوبارہ اس کو گوشت اور پوست عطا کریں گے تاکہ تم اپنی آنکھوں سے مردہ کو زندہ ہوتا ہوا دیکھ لو اور ہم نے تم کو سو برس کی موت کے بعد اس لیے زندہ کیا تاکہ ہم تم کو تمہارے طعام اور شراب میں اور تمہاری سواری (عمار) میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں اور تمہارے تعجب اور استبعاد ظاہری (اَنی یُحْیٰی ہٰذِہُ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا) کو دور کریں اور تاکہ ہم تم کو لوگوں کے لیے قیامت کی ایک نشانی بنائیں کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح اللہ کی قدرت سے مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے اور لوگ جب تم کو دیکھیں تو قیامت کی ایک مجسم دلیل اور برہان سمجھیں اور یقین کریں کہ قیامت میں بھی مردے اسی طرح جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنی ذات کے علاوہ اجزاء موتی کی کیفیت کا مشاہدہ کرو تو اس سرے ہوئے گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ کس طرح ہم اُن کو جوڑتے ہیں اور پھر کس طرح ان پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر کس طرح ان میں جان ڈالتے ہیں اسی طرح وہ گدھا زندہ ہو کر ان کے روبرو کھڑا ہو گیا اور گدھوں کی طرح بولنے لگا۔ پس جب مردہ کا زندہ ہونا مشاہدہ سے ظاہر اور واضح ہو گیا تو یہ اعتقاد جو شریعت میں یہ بولے کہ یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مردہ کے زندہ ہونے کا علم یقین تو پہلے بھی تھا لیکن اس مشاہدہ اور معاینہ کے بعد عین یقین کا درجہ حاصل ہو گیا یعنی مجھ کو پہلے ہی سے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے پس جس چیز کو پہلے سے جانتا تھا اب اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ اور جو چیز پہلے سے یقینی تھی اب وہ مشاہدہ عینی بن کر سامنے آگئی حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا کرشمہ مجھ کو میری آنکھوں سے دکھلادیا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کو چار نشانیاں دکھلائیں۔ دو اُن کی ذات میں اور دو خارجی ۱) سو سال مردہ رکھ کر ان کو دوبارہ زندہ کرنا (۲) سو سال تک ان

کے جسم کا صحیح سالم محفوظ رہنا۔ حدیث میں ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے بدن کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اور خارجی دونشائیاں یہ تھیں ایک طعام و شراب کی کہ سو سال میں تغیر نہ آیا جس طرح حضرت عزیرؑ کے جسم مبارک میں کوئی تغیر نہ آیا اور دوسری نشانی حمار (گدھے) کی کہ سرکہ ہڈیوں کا ڈھیر ہو گیا اس کو دوبارہ زندہ کر کے دکھایا تاکہ کیفیت اجزاء موتی کی معلوم ہو جائے راکب اور مرکوب دونوں سو سال کے بعد زندہ ہوئے۔ حضرت عزیرؑ یہاں سے اُٹھ کر اسی حمار پر سوار ہو کر بیت المقدس واپس ہوئے اور شہر کو آباد پایا اور اپنے محلہ اور گھر پہنچے تو کسی نے نہ پہچانا اس لیے کہ بچے تو بڑھے ہو چکے تھے اور حضرت عزیرؑ علیہ السلام جوان رہے اللہ تعالیٰ نے اُن کی حیات اور جوانی کو محفوظ رکھا۔ پھر

علامتیں دیکھ کر سب نے پہچانا اور یقین کیا کہ یہ عزیز ہمارے باپ ہیں تفصیل کے لیے امام قرطبی کی تفسیر ص ۲۹۴ ج ۳ کو دیکھیے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب! دکھا مجھ کو کیونکر جلاوے گا تو مردے؟

قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ

فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں! لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔

قَالَ فَخَذُّ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصَرَّهُنَّ إِلَيْكَ شَمًّا

فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑتے پھر اُن کو ہلا اپنے ساتھ سے، پھر

اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا شَمًّا ادْعُهُنَّ

ڈال ہر پہاڑ پر اُن کا ایک ایک ٹکڑا، پھر ان کو پکار،

يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمَنَّ أَنَّهُ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

کہ آویں تیرے پاس ددڑتے، اور جان لے کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا

قصہ سوم

نیز برائے اثبات حشر و نشر

قال تعالى: وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ

اور اسی گزرنے والے شخص کے قصہ کے مانند حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر کیجئے جس وقت کہ ابراہیم نے

کہا کہ اے پروردگار آپ مجھ کو یہ دکھلا دیجئے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں تاکہ مجھ کو معلوم ہو جائے

کہ آپ قیامت کے دن کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمائیں گے۔ آپ کی قدرت کی کوئی نہایت نہیں آپ جس کیفیت

کی ساتھ چاہیں مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے زندہ کرنے کی عقلاً بیشمار کیفیات ممکن ہیں معلوم نہیں کہ قیامت کے دن مردوں کے زندہ

کرنے کی کیا کیفیت ہوگی اس لیے اسکی تعیین چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ کس کیفیت کے ساتھ مردے زندہ ہونگے۔

کیونکہ کیف کے ذریعہ سے جو سوال کیا جاتا ہے اگرچہ اکثر اور بیشتر وہ کیفیت دریافت کرنے کے لیے ہوتا ہے اصل شئی تو یقینی ہوتی ہے فقط کیفیت کی تعیین مطلوب ہوتی ہے لیکن بعض مرتبہ کیف کا استعمال انکار اور تعجب کے موقع پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یہ بوجھ اور وزن اٹھا سکتا ہوں اور تمہارا گمان یہ ہو کہ یہ شخص اس وزن کے اٹھانے سے قاصر ہے تو ایسے موقع پر اس سے یہ کہتے ہو۔

ارنی کیف تحمل هذا
مجھ کو دکھاؤ کہ تم اس بوجھ کو کس طرح اٹھاؤ گے۔

اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم نہیں اٹھا سکو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا قلب سلیم اس احتمال کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے اس لیے سوال فرمایا اَفَلَسْتَ تَوَدُّ مَنْ لَے ابراہیم کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے تاکہ ابراہیم علیہ السلام جب اس سوال کا جواب دیں تو ان کی مراد اور ان کا مقام اور مرتبہ معلوم ہو جائے اور کسی کم عقل کو غلیل اللہ کی مراد کے سمجھنے میں کوئی غلطی نہ پیش آئے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا اے پروردگار کیوں نہیں مجھے آپ کے کمال قدرت کا یقین کامل ہے آخر مجھ کو بھی تو آپ نے اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے لیکن یہ درخواست یقین حاصل کرنے کے لیے نہیں کی بلکہ اس لیے کی ہے تاکہ میرے قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے اس لیے کہ جب یہ مشاہدہ گزشتہ اذعان اور ایقان کے ساتھ مل جائے گا تو مزید اطمینان کا موجب ہوگا اور مشاہدہ سے احیاء کی کیفیت بھی متعین ہو جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ خبر مشاہدہ اور معاینہ کے برابر نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خبر دی کہ آپ کی قوم کو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس اطلاع پانے پر الواح توراۃ یعنی توریت کی تختیوں کو ہاتھ سے نہیں پھینکا اور جب شہر میں واپس آکر ان کی گوسالہ پرستی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو غصہ میں آکر تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کما رواہ احمد والطبرانی بسند صحیح۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ وَاَلْقَى الْاَلْوَاَحَ

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال شک اور تردد کی بنا پر نہ تھا بلکہ مشاہدہ اور معاینہ کے ساتھ خاص اطمینان اور سکون کا حاصل کرنا مقصود تھا کیونکہ جو سکون اور اطمینان مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے وہ خبر اور استدلال سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی عین الیقین می خواہم واللہ اعلم یعنی برائی العین مجھ کو اجیاء موتی کی کیفیت دکھا دے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَلَكِنْ لِلْعَيْنِ لَطِيفٌ مَعْنَى لَسْتُ سَأَلُ الْمَشَاهِدَةَ الْخَلِيلُ

یاد رہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس قسم کا سوال وہی کر سکتا ہے کہ جس کو اُس بارگاہ میں خاص تقرب حاصل ہو جو شش محبت اور مقام اُنس اور مقام ناز اس کو اس عرض دنیا پر آمادہ کرے۔ باقی

جس شخص کو خدا کی قدرت ہی میں شک اور شبہ ہو اس کا اس بارگاہِ عالی میں گزر ہی ممکن نہیں سوا
را چہ مجال۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا پس چار پرندے لے لو اور پھر اُن کو اپنے نزدیک کر لو یعنی ان
کی صورت پہچان کر اپنے پاس کر لو اور اپنے سے ہلا لو تاکہ ان کی خوب شناخت ہو جائے اور وہ بھی
زندہ ہونے کے بعد تم کو پہچان لیں اور تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں۔ بعد ازاں
ان کو ذبح کر کے اور ان کے گوشت اور پوست کو خلط ملط کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو
پھر ان کو بلاؤ سب زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے۔ اس طرح سے تم اپنا اطمینان
کر لو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور زبردست ہے کوئی اس کی مشیت اور ارادہ کو روک
نہیں سکتا یعنی جس طرح خدا تعالیٰ ان جانوروں کے متفرق اجزاء کو دوبارہ جوڑ کر اور گوشت اور
پوست چڑھا کر زندہ کر سکتا ہے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کے جسموں کے متفرق ریزوں کو جمع
کر کے اُن میں روح ڈال سکتا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ کوئی اس کے افعال کی کفہ کو نہیں پہنچ سکتا۔
اس کی حکمت کہ اس نے چار پرندوں کے ذبح کر کے پہاڑوں پر رکھنے کا کیوں حکم دیا اسی کو معلوم ہے کہ
اس میں کیا حکمت ہے۔

فوائد و لطائف

۱۔ یہ قصہ اور گزشتہ قصہ قریب قریب ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں حضرت ابراہیم کے نام کی
تصریح فرمائی اور پہلے قصہ میں گذرنے والے کا نام نہیں ذکر فرمایا۔ بظاہر وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے
سوال میں ادب کو خاص طور پر ملحوظ رکھا۔ اور گزشتہ سوال اَنیٰ یٰحییٰ ہٰذِہ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا میں
ایہام اور شبہ انکار اور تعجب کا ہوتا تھا۔ اس لیے ان کا نام نہیں ذکر کیا گیا۔ نیز جواب میں امتحان اور
تجربہ خود ان پر ہوا۔ اور سو سال مردہ رکھنے کے بعد سوال کا جواب دیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو فوری جواب دیا گیا۔

۲۔ یہ دونوں واقعے یعنی حضرت عزریل کا واقعہ اور حضرت ابراہیم کا واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ

۱۔ یہ ترجمہ فَصَّرْہُمْ اَکْبَرُ کا ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں پس ہم آور ہمہ را نزدیک خود
۲۔ وفي الآیة دلیل لمن ذهب الی ان احياء الموتی يوم القيامة بجمع الاجزاء المتفرقة
و ارسال الروح الیہا بعد ترکیبہا و لیس هو من باب اعادة المعدوم المعروف لانہ سبحانه
و تعالیٰ بین الکيفية بالتفريق ثم الجمع و اعادة الروح و لم یعدم هناك سوى الجزء الصوري
والهيئة التركيبية دون الاجزاء المادية ۱۲ روح المعانی ص ۲۶ ج ۳۔

قیامت کے دن احياء موتی اس طرح سے ہوگا کہ اجسام کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ان میں ان کی روح ڈال دی جائے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معاد جسمانی ہوگی نہ کہ فقط روحانی۔ اور جو لوگ معاد جسمانی کے منکر ہیں وہ صریح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے منکر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں جیسا کہ امام غزالی نے اس کی تصریح کی ہے۔

۳۔ نیز ان دونوں قصوں سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کبھی کبھی بطور خرق عادت اور بطور معجزہ دنیا میں بھی مردوں کو زندہ فرما دیتے ہیں اور اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے صراحتاً دنیا میں مردوں کا زندہ کرنا بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو ایک مرتبہ ہلاک کر کے دوبارہ زندہ کرنا وَإِذْ قُلْتُمْ يَمْوِسِي لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تَرَىٰ اِلٰهَ جَهَنَّمَ فَاَخَذْنَا مِنْكَ صَٰغِيَةً وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ میں ذکر فرمایا۔ اور علیٰ ہذا بنی اسرائیل کے اُن ہزاروں آدمیوں کا جو موت سے ڈر کر بھاگے تھے مار کر دوبارہ زندہ کرنا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ فِيْ صَرَاةٍ مذکور ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا وَإِذْ تَخٰجَى الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ قرآن کریم میں متعدد جگہ صراحتاً مذکور ہے۔

مرزا قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور دیکھا کہ مسیح بن مریم کی طرح میں تو مردوں کو زندہ کر کے دکھانے سے عاجز ہوں اس لیے اس نے اپنی فرضی نبوت کے قائم رکھنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کرامؑ کے اس قسم کے تمام معجزات کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو ایک دفعہ مار کر دوبارہ دنیا میں بھیجے۔ اگر یہ اللہ کی عام عادت ہوتی تو لوگ قیامت کے منکر نہ ہوتے۔ بیشک اللہ کا یہ عام قانون ہے مگر ناممکن اور محال نہیں۔ حق تعالیٰ بطور اعجاز اور اکرام کبھی کبھی دنیا میں بھی کسی مردہ کو اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی دعا سے دوبارہ زندہ فرما دیتے ہیں تاکہ خدا کی قدرت اور اس نبی کی نبوت اور قیامت کی حقانیت ثابت ہو جائے۔

محدث اور بے دین لوگ جو حضرات انبیاء کے معجزات اور خوارق عادت کے منکر ہیں وہ اس قسم کے واقعات میں طرح طرح کی تحریفات کیا کرتے ہیں خوب سمجھ لو۔

۴۔ ان چار پرندوں کے نام اگرچہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مگر ابن عباسؓ اور علماء تابعین سے منقول ہے کہ ان کے نام یہ تھے مور اور کبوتر اور مرغ اور کوا اور بعض نے بجائے کوئے کے عزوق کو ذکر کیا ہے۔

انسان چونکہ عناصر اربعہ سے مرکب ہے اس لیے عجب نہیں کہ اس کے مناسب چار پرند مختلف الطبائع لینے کا حکم دیا گیا ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح اجزاء و عنصروں پر متفرق اور جدا ہونے کے بعد پھر آپس میں مل جائیں گے اور روح ڈال کر زندہ کر دیئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ فَصُرْهُنَّ اَيْلَکَ کی جو تفسیر ہم نے ذکر کی ہے کہ چار پرندے لے کر ان کو ذبح کر دو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور چار مختلف پہاڑوں پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو اور پھر ان کو آواز دو بحکم خداوندی سب زندہ ہو کر تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے یہی تفسیر علماء صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ اور عکرمہؓ اور ابوما لکؓ اور ابوالاسودؓ دؤلی اور وہب بن منبہؓ اور حسن بصریؓ اور سدیؓ وغیرہم سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۲) اور یہی معنی مجاہدؓ اور ابو عبیدہؓ اور ابن الانباریؓ اور زجاجؓ سے منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳ ج ۳) امام فخر الدین رازیؒ اس تفسیر کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی تفسیر پر تمام مفسرین کا اجماع ہے اور یہی ظاہر قرآن کا مدلول ہے۔ صرف ایک ابو مسلم اصبہانی سے منقول ہے کہ وہ اس قصہ کا منکر تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قصہ کوئی حقیقت اور واقعہ نہیں بلکہ محض تشبیہ اور تمثیل ہے اور مراد یہ ہے کہ چار پرندے لے کر پال لو اور ان کو اپنے سے مانوس کر لو اور دانہ ڈال کر ان کو اپنے سے ایسا ہلاکو کہ اگر وہ پہاڑ پر بھی بیٹھے ہوں اور تم ان کو آواز دو تو وہ فوراً تمہاری آواز پر دوڑے چلے آئیں۔ اسی طرح لے کر ابراہیمؑ تم لوگوں کو اپنے سے اتنا مانوس بناؤ کہ جب تم ان کو حق کی طرف بلاؤ تو سب دوڑے چلے آئیں۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ابو مسلم کا یہ قول، مفسرین کی اجماعی تفسیر کے خلاف ہے اس لیے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ وہ پرندے ذبح کیے گئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے لہذا ذبح اور قطع سے انکار کرنا اجماع سے انکار کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اگر آیت کا یہ مطلب ہو جو ابو مسلم نے بیان کیا ہے تو پھر احیاء موتی کا کیا معجزہ ظاہر ہوا۔ پرندوں کو دانہ ڈال کر اپنے سے ہلا لینا یہ کام تو وہ لوگ بہت زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں جو مرغ اور بٹیر پالتے ہیں اس میں ابراہیمؑ خلیل اللہؑ کی کیا خصوصیت ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ کی کیا کیفیت ظاہر ہوئی چند جانوروں کو پال لینا اور ہلا لینا اس کا نام احیاء موتی کیسے ہو سکتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰی، درخواست کی تھی کہ مجھ کو یہ امر دکھا دیا جائے کہ مردے کس طرح زندہ ہوتے ہیں۔ ابو مسلم کے قول پر وہ درخواست منظور نہیں ہوئی حالانکہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا درجہ اجابت کو پہنچی اور ابو مسلم کے قول پر دعا کا اجابت کو پہنچنا نہیں پایا جاتا۔ نیز اس آیت میں ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا کا جو لفظ آیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان پرندوں کے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ زندہ پرندوں کا ہلا لینا مراد نہیں (تفسیر کبیر ص ۲۶۹ ج ۲ تفسیر نیسا بوری ص ۳۸ ج ۳) علامہ آلوسیؒ ابو مسلم کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وَلَا يَخْفٰی اَنْ هٰذَا خِلَافُ اَجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَضَرْبُ مِنَ الْهٰذِیَانِ لَا یُرْکَنُ اِلَیْهِ اَرَبَابُ الدِّیْنِ وَعَدُوٌّ عَمَّا یُقْتَضِیْهِ ظَاهِرُ الْاٰیَةِ	اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ ابو مسلم کا یہ قول اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور ایک قسم کا ہذیان اور بکواس ہے جس کی طرف اہل دین کبھی مائل نہ ہوں گے۔ نیز
---	---

المؤید بالانخبار
الصحيحة والاثار
الراجعة الى ما
تجدد الاسماع
ولا يدعوا اليه داع
فالحق اتباع الجماعة
ويد الله تعالى معهم
(روح المعاني ص ۲۶ ج ۳)

اس معنی پر آیت کے ظاہری مدلول سے بے چو
عدول اور انحراف کرنا ہے اور اخبار صحیحہ اور
آثار معتبرہ اس ظاہر کی موید ہیں۔ لہذا ایسے
ظاہر اور صریح کو چھوڑ کر ایسے معنی کی طرف
مائل ہونا جس کے سننے سے بھی کانوں کو گرانی
ہوتی ہے کوئی وجہ نہیں کہ بلا کسی وجہ اور بلا کسی
داعی کے اس معنی کی طرف رجوع کیا جائے۔
لہذا حق یہ ہے کہ جماعت مفسرین نے آیت
کے جو معنی بیان کیے ہیں اسی کا اتباع کیا جائے
اور اللہ کا ہاتھ جماعت کے سر پہ ہوتا ہے۔

حکایت بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو دیکھ کر فرمایا: **عَزَّيْزٌ حَكِيمٌ** پر ختم فرمایا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اے ابراہیم تم نے ہم سے
رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ کی درخواست کی ہم نے اس کو منظور کیا۔ ایک وقت آنے والا ہے
کہ ہم تم سے یہ کہیں گے کہ عَبْدِ اَرِنِي كَيْفَ تُمِيتُ الْاَحْيَاءَ اے میرے بندے تو مجھ کو یہ دکھلا کہ
تو میرے لیے زندہ کو کس طرح موت دیتا ہے یعنی زندہ بیٹے کو کس طرح میرے لیے قربان کرتا ہے۔
(روح المعانی ص ۲۶ ج ۳)

رجوع باحکام صدقات

ابتداء پارہ میں اہل ایمان کو حکم دیا تھا کہ وقت کو غنیمت سمجھیں اور موت اور قیامت کے آنے
سے پیشتر جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر سکیں اُس سے دریغ نہ کریں۔ بعد ازاں اس کے مناسب مبداء اور
معاد کے اثبات کے لیے تین قصے ذکر فرمائے اب پھر خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر فرماتے ہیں کہ اے
اہل ایمان جب قیامت کا حق ہونا معلوم ہو گیا تو پھر آخرت کے لیے کوئی توشہ بھی تیار کرو جو قیامت
کے دن تمہیں کام آئے۔ نیز نفس پر آخرت کے لیے خرچ کرنا بہت شاق اور گراں ہوتا ہے۔ اور جب
قیامت اور آخرت کا یقین ہو جائے تو پھر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے اس لیے اثبات قیامت اور
آخرت کے بعد عالم آخرت کے لیے ساز و سامان تیار کرنے کی ترغیب دی جس کا سلسلہ دوز تک چلا گیا ہے۔

لَقَدْ قَالَ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتُنْفِقُوا أَمْثَارًا مَّا كُنْتُمْ مِّن قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَنَّكُمْ ۚ الْآيَةُ

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ

جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو

مِائَةِ حَبَّةٍ ط وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ

سو دانے۔ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۶۱﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي

کثائش والا ہے سب جانتا جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

سَبِيلِ اللَّهِ شُمْ لَا يُتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنَّا وَلَا

اللہ کی راہ میں پھر پیچھے خرچ کر کر نہ احسان رکھتے ہیں نہ

أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ستاتے ہیں انہیں کو ہے ثواب ان کا اپنے رب کے ہاں اور نہ ڈر ہے اُن پر،

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ

اور نہ وہ غم کھا دیں گے۔ بات کہنی معقول اور درگزر کرنی

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذَى ط وَاللَّهُ غَنِيٌّ

بہتر اس خیرات سے جس کے پیچھے ستانا، اور اللہ بے پروا ہے

حَلِيمٌ ﴿۳۶۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ

تھمل والا اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنی خیرات،

بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ

احسان رکھ کر اور ستا کر، جیسے وہ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُ

کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ سو اس کی

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ

مثال جیسے صاف پتھر، اس پر پڑی ہے مٹی، پھر اس پر برسازور کا مینہ

فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا

تو اس کو کرکھا سخت کچھ ہاتھ لگتی نہیں ان کو اپنی کمائی

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۶۳﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو

فَضِيحَتِ الْفَاقِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذَكَرَ بَعْضُ شُرَاطِ قَبُولِ ⑧

قال تعالى: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - الى - وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔
ان آیات میں عالم آخرت کے لیے ساز و سامان تیار کرنے کی ترغیب کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں جو ضمناً اثبات قیامت کی بھی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جو ذات پاک زمین میں ایک دانہ ڈالنے اور سات سو دانے اُگانے پر قادر ہے، وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے جو کہ سات بائیس اُگائے اور ہر بال میں سودا نے ہوں اسی طرح صدقہ دینے والا بمنزلہ مزارع کے ہے اور مال بمنزلہ تخم اور دانہ کے ہے اور سبیل اللہ بمنزلہ زمین زراعت کے ہے جو خدا کی راہ میں مال خرچ کرے گا۔ اور سات سو گونہ کی کوئی تحدید نہیں۔ اللہ تعالیٰ بقدر اخلاص اور بقدر نیت اور مشقت کے جس کے لیے جس قدر چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا ہے اسی عطا اور بخشش کی کوئی حد اور نہایت نہیں۔ دینے سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور اخلاص اور نیت اور اس کی مقدار اور کیفیت کو بھی خوب جاننے والے ہیں اس کے مطابق بڑھاتے ہیں اور جس طرح پیداوار کے لیے یہ شرط ہے کہ تخم اور دانہ خراب نہ ہو اور زمین تخم ریزی کے قابل ہو اور آئندہ چل کر بھی کھیتی آفتوں سے محفوظ اور مامون رہے تب پیداوار ہوگی اسی طرح صدقہ کے لیے یہ شرط ہے کہ مال حلال ہو اور جس راہ میں خرچ

کیا جا رہا ہے وہ بھی خیر اور نیکی کی راہ ہو یعنی صحیح ہو اور آئندہ چل کر وہ صدقہ احسان جتانے اور ایذا رسانی کی آفت سے بھی محفوظ اور مامون رہے تب اس صدقہ کا سات سو گونہ بدلہ ملے گا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ارشاد فرماتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو زبان سے احسان جتلاتے ہیں اور نہ کسی اپنے عمل اور برتاؤ سے اس کو ایذا پہنچاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کو اُن کے پروردگار کے یہاں صدقہ کا اجر اضعا فاضعا عطف ملے گا اور نہ اُن کو آئندہ ڈر ہے کہ ہمارا صدقہ کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہو جائے اور نہ قیامت کے دن غمگین ہوں گے کہ ہمارا صدقہ بیکار گیا اس لیے کہ صدقہ کی کھیتی سماوی آفتوں سے تباہ اور برباد نہیں ہوتی۔ بلکہ خرچ کرنے والے کے نفس کی طرف سے جو ”مَن“ اور ”اذی“ اور ”ریاء“ کی آفتیں آتی ہیں اُن سے تباہ اور برباد ہوتی ہے۔ اور صدقہ دینے کے بعد مَن اور اذی یعنی احسان جتلانے اور ستانے سے اس لیے منع کیا گیا کہ سائل کو معقول اور مناسب طریقہ سے جواب دے دینا اور نرمی کے ساتھ اپنی ناداری اور نہ دینے کا عذر کر دینا اور اگر سائل اصرار کرے اور کچھ سخت اور سُست کہے تو اُس سے درگزر کرنا اس خیرات سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کے بعد ستایا جاوے۔ اس لیے کہ صدقہ اور خیرات سے محتاج اور سائل کی تکلیف کو دور کرنا تھا۔ پس جب وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو وہ صدقہ بیکار ہی گیا۔ ایسی سخاوت سے تو بخل بہتر ہے کہ جس کے بعد اس کو ذلیل اور حقیر کیا جائے سائل کی ایک تکلیف دور کی اور پھر دوسری تکلیف اُس کو پہنچائی۔ یہ ایسا ہے کہ ایک کا ٹٹا نکالا اور دوسرا کا ٹٹا چھو دیا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اُن کو کسی کے مال اور خیرات کی ذرہ برابر حاجت نہیں۔ جو خیرات کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور بُردبار اور سچل والے ہیں۔ احسان جتانے والے اور ستانے والے کو جلدی سزا نہیں دیتے۔ ان آیات میں مَن اور اذی کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں ریا کا بیان فرماتے ہیں کہ صدقہ کی قبولیت کے لیے اخلاص اور نیت شرط ہے اگر دکھاوے کی نیت سے خرچ کیا تو بیکار ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس پتھر پر دانہ ڈالے جس پر کچھ مٹی نظر آتی ہو اور ظاہر نظر میں یہ گمان ہو کہ یہ جگہ قابلِ زراعت ہے اور جب اس پر بارش پڑی تو سب بہہ گیا اور کوئی چیز بھی اُس کے قبضہ میں نہ رہی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے سے ضائع مت کرو۔ احسان جتلانا احسان کرنے کے منافی ہے اور نیکی کرنا اور تکلیف پہنچانا ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ خیرات کر کے احسان جتلانے والا اور ایذا پہنچانے والا اس شخص کے مشابہ ہے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ اور یومِ آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ یعنی اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ذخیرہ کے لیے خیرات نہیں کرتا بلکہ محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے خیرات کرتا ہے جو مومن کی شان نہیں بلکہ منافق کی خصلت ہے۔ پس ریا اور نمود کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے کہ ایک صاف پتھر ہو۔ جس پر کوئی چیز نہیں آگئی اور اس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہو۔ اس کو دیکھ کر اس میں دانہ ڈالے اور یہ گمان کرے کہ اس میں سات دانے

پیدا ہوں گے۔ پھر اس پر ایک سخت بارش پڑی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا۔ اور مٹی اور دانہ کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ ظاہر ہے کہ اب اس میں کیا اُگے گا۔ اسی طرح نفاق اور ریاہ صدقہ اور خیرات کو بہا کر لے جاتا ہے پس قیامت کے دن ریاہ اور نفاق سے خرق کرنے والے اور خرق کر کے احسان جتانے والے اور ستانے والے اپنی کمائی میں سے کسی چیز کا ثواب حاصل کرنے پر ذرہ برابر قادر نہ ہوں گے۔ کوئی چیز اُن کے ہاتھ نہ لگے گی۔ اس لیے کہ ثواب ملنے کی شرط یہ ہے کہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ دیا ہو۔ پس جس نے ریاہ اور نفاق سے کچھ خیرات کیا اُس کی مثال تو ایسی ہے کہ جس نے پتھر پر دانہ ڈالا اور بارش اُس کو بہا کر لے گئی اور جس نے اخلاص سے دیا اور بعد میں احسان جتایا اور ایذا پہنچائی اُس کی مثال ایسی ہے کہ پودا لگایا اور پھر خود ہی اُس کو اپنے ہاتھ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ کا فزول کو اپنی توفیق اور عنایت سے سرفراز نہیں فرماتے اشارہ اس طرف ہے کہ ریا اور دکھلا دے کے لیے خرق کرنا اور احسان جتانا اور ستانا یہ کافروں کی صفات ہیں۔ مومن کی شان نہیں کہ ایسا کرے۔

فائدہ جس طرح نماز کے لیے دو قسم کی شرائط ہیں۔ ایک شرائط صحت جیسے وضو اور طہارت اور دوسرے شرائط بقا جیسے نماز میں کسی سے باتیں نہ کرنا اور کھانے اور پینے سے پرہیز کرنا۔ پس اگر وضو ہی نہ کرے تو سرے ہی سے نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر وضو اور طہارت کے بعد نماز شروع کی، مگر ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد نماز میں کھانا اور پینا اور بولنا شروع کر دیا تو اس کی نماز باقی نہ رہے گی۔

اسی طرح صدقات اور خیرات کے لیے بھی دو قسم کی شرطیں ہیں۔ ایک شرائط صحت اور دوسری شرائط بقا۔ اخلاص شرط صحت ہے۔ بغیر اخلاص کے صدقہ صحیح ہی نہیں ہوتا۔ لہذا جو صدقہ ریاہ اور نفاق کے ساتھ دیا جائے وہ شریعت میں معتبر نہیں اور مَن اور اذی سے پرہیز شرط بقا ہے یعنی صدقہ اور خیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب تک صدقہ دینے کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ سائل کو کسی قسم کی ایذا پہنچائی جائے۔ اگر صدقہ دینے کے بعد احسان جتایا یا ستایا تو وہ صدقہ ضائع اور باطل ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں صدقہ اور خیرات کے مفاسد میں سے ہیں جیسے کھانے اور پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح مَن اور اذی سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ جو صدقہ نفاق اور ریاہ سے دیا جائے اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے اس صدقہ کو جو مَن اور اذی کی وجہ سے باطل ہو اُس کو اس صدقہ کے ساتھ تشبیہ دی جو کہ ریاہ اور نفاق کی وجہ سے باطل ہو۔ اس لیے کہ صدقہ ریاہ اور نفاق ابتداء ہی سے باطل ہے کیونکہ شرط صحت مفقود ہے اور صدقہ مَن اور اذی اصل سے صحیح تھا۔ بعد میں مَن اور اذی کی وجہ سے باطل ہوا اس لیے کہ شرط بقا کی منتفی ہوئی اب اس تقریر کے بعد معتزلہ کا یہ شبہ کافور ہو گیا کہ جس طرح کفر اور تدا سے تمام اعمال جط ہو جاتے ہیں اسی طرح ہر سبب اور ہر معصیت کے ارتکاب کے گزشتہ تمام طاعات جط ہو جاتی ہیں اس لیے کہ صدقہ مَن اور اذی سے اس لیے باطل ہو کہ صدقہ جو کہ ایک طاعت تھا اس کی شرط بقا

نہیں پائی گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً ہر سیئہ کے ارتکاب سے گزشتہ حسنات بھی جبط ہو جائیں۔ اور جن آیات اور احادیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ معاصی اور سیئات سے گزشتہ طاعات اور حسنات جبط ہو جاتے ہیں اُن کا مطلب یہ نہیں کہ معاصی اور سیئات کے ارتکاب سے گزشتہ طاعات باطل ہو جاتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے اِذَا زَنِی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ۔ یعنی جب بندہ زنا کرتا ہے تو اُس سے ایمان کا نور زائل ہو جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ زنا کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے اللہ کی

مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشِيئًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

خوشی چاہ کر، اور اپنا دل ثابت کر کر جیسے ایک باغ

جَنَّتْ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أُكُلَهَا

ہے بلندی پر، اس پر پڑا مینہ تو لایا اپنا پھل

ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ

دوہا پھر اگر نہ پڑا اُس پر مینہ تو اس ہی پڑی اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾

تمہارے کام دیکھتا ہے۔

مثال نفقات مقبولہ

قال تعالى - وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ - الى - وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (ربط) گزشتہ آیات میں صدقات غیر مقبولہ کی مثال بیان فرمائی۔ اب ان آیات میں صدقات مقبولہ کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں محض خدا تعالیٰ

کی رضا مندی اور خوشنودی طلب کرنے کے لیے اور دلی تصدیق اور یقین کی بنا پر یعنی اُن کو یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو صدقات پر جزاء اور ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور اُن کے دلوں کو یقین اور اطمینان ہے کہ قیامت کے دن اُن کو پورا بدلہ ملے گا۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

پس ان لوگوں کے صدقات اور خیرات کی مثال اُس باغ کی مانند ہے جو بلندی پر واقع ہو۔ جو دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہو بلند جگہ پر جو درخت ہوتے ہیں وہ دیکھنے میں نہایت اچھے معلوم ہوتے ہیں اور بلند جگہ کی آب و ہوا بھی بہت لطیف ہوتی ہے اور اس پر زور کی بارش پڑی ہو۔ پس لایا ہو وہ باغ اپنا دونا پھل اور اگر اس باغ کو زور کی بارش نہ پہنچے تو شبنم اور اس ہی اس کو کفایت کرتی ہے۔ کیونکہ زمین عمدہ ہے۔ اور آب و ہوا نہایت لطیف ہے۔ اس لیے تھوڑا پانی بھی اس کے لیے کافی ہوتا ہے بہر حال وہ باغ ایسی عمدہ جگہ پر ہے کہ اُس کو تھوڑا پانی پہنچے یا زیادہ وہ باغ خراب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مومن مخلص کی خیرات بمنزلہ باغ کے ہے کہ وہ ضائع اور برباد نہیں ہوتی۔ بقدر اخلاص اور بقدر نیت اور بقدر اس کے خرچ کے اُس کو ثواب ملے گا زور کی بارش سے بہت مال خرچ کرنا مراد ہے اور شبنم اور اس سے تھوڑا مال خرچ کرنا مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں کہ کون اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے دیتا ہے اور کون ریا اور نفاق سے دیتا ہے اور کون دینے کے بعد احسان جلتا ہے۔ اور حاصل مثال یہ ہے کہ اہل اخلاص کا عمل ضرور نافع اور مفید ہوتا ہے۔ خواہ اہل اخلاص سابقین اور مقربین میں سے ہوں یا اصحاب یمن میں سے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ اور شعبیؓ اور قتادہؓ اور ابو صالحؓ اور ابن زیدؓ سے منقول ہے کہ **ف** تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال اُن مومنین کی ہے جو اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں تاکہ اُن کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اور تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے یہ معنی ہیں کہ اُن کو دل سے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان

لے یہ ترجمہ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کا ہے جو ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور شعبیؓ اور سدیؓ سے منقول ہے اور اسی کو زجاجؒ نے اختیار کیا ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ قيل معناه تصديقاً و يقيناً قال ابن عباسؓ وقال ابن عباسؓ ايضاً و قتادہؓ معناه و احتساباً من انفسهم تفسیر قرطبی ص ۳۱۴ ج ۳) وقال الزجاج تصديقاً للاسلام و تحقيقاً للجزاء من اصل انفسهم جازم بين بان الله لا يضيع ثوابهم فمن على هذا لا يتدار و جز مهم بالشواب هو المراد بالتثبيت۔ تفسیر نیسا بوری ص ۵۲ ج ۳۔ و تفسیر کبیر ص ۳۵۳ ج ۲۔ اور اسی معنی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار فرمایا ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۲ مزید تفصیل آئندہ فوائد کے ذیل میں آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۷ شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں۔ ”حاصل این مثل آنست کہ عمل اہل اخلاص۔ فائدہ می دہد از سابقین باشد یا از اصحاب یمن“

کی اس خیرات کی کامل جزا عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے۔ من صام رمضان ایمانا واحسابا۔ یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور وہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ نے یہ روزے فرض کیے ہیں اور احتساباً کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ثواب کی توقع اور امید رکھے اور اسی معنی کو امام ابن جریر نے اختیار فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۲ ج ۲)

اس تفسیر پر من النفسہم کا من ابتدائیہ ہے۔ اسی تثبیتا ناشا من نفوسہم یعنی ایسی تصدیق اور ایسا یقین کہ جو ان کے دلوں سے نکلا ہو۔ اس بنا پر ہم نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی کہ (دلی تصدیق اور یقین کی بنا پر) شاہ ولی اللہ تثبیتا من النفسہم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
”ولسبب اعتقاد ناشی از دل خویش“

(۲) مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ تثبیت سے احتیاط کے معنی مراد ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں
معناہ انہم یثبتون این یضعون صدقاتہم۔ یعنی وہ احتیاط کرتے ہیں کہ اپنا صدقہ اور خیرات کس جگہ خرچ کریں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۱۲ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۳ ج ۲)

(۳) اور بعض ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ تثبیتا کے معنی نفس کو مقام عبودیت اور منزل ایمان میں ایسا ثابت قدم بنادینا کہ اُس کے پائے استقامت میں کوئی ترنزل نہ آئے اور حرص اور طمع اور مال کی محبت اُس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اور من اس تفسیر پر تبعیضہ ہے اور تثبیتا کا مفعول ہے یعنی تثبیتا بعض النفسہم اور معنی یہ ہیں کہ جس نے اپنا مال خدا کے لیے خرچ کیا اُس نے اپنے بعض نفس کو ایمان پر جمالیا۔ اور جس نے جان اور مال دونوں خدا کے لیے خرچ کیے۔ اس نے اپنے سارے نفس کو ایمان پر ثابت اور قائم کر دیا اور اس آیت شریفہ یعنی تَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ میں یہی مراد ہے یعنی کل نفس کو ایمان پر ثابت اور قائم کر دینا مراد ہے امام فخر الدین رازیؒ اس وجہ کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

هذا الوجه ذكره صاحب الكشاف
و هو كلام حسن وتفسير لطيف
اس وجہ کو صاحب کشاف یعنی علامہ زمخشری
نے ذکر کیا ہے اور یہ کلام بہت خوب ہے
اور نہایت لطیف تفسیر ہے۔
(تفسیر کبیر ص ۳۵۳)

أَيُّوْدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ

بھلا خوش گنتا ہے تم میں کسی کو ؟ کہ ہو دے اس کا ایک باغ کھجور

وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ

اور انگور کا، نیچے اس کے بہتی ہیں ندیاں، اس کو وہاں حاصل

كُلِّ الشَّارِبِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ ۚ

سب طرح کامیوہ، اور اس پر بڑھاپا پڑا اور اس کے اولاد ہیں ضعیف،

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

تب پڑا اس باغ پر بگولہ، جس میں آگ تھی، تو وہ جل گیا۔ یوں سمجھاتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۚ

اللہ تم کو آیتیں، شاید تم دھیان کرو۔

مثال نفقات طاعات غیر مقبولہ

قال تعالیٰ - أَيْوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ ۖ أَلَا - لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ

کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک ایسا باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا کہ اُس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور اس باغ میں علاوہ کھجوروں اور انگوروں کے اس کے لیے ہر قسم کے پھل اور میوے ہوں اور اس کو بڑھاپا آپہنچا کہ جس وقت میں چل پھر کر کمانے پر قدرت نہیں رہی اور بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے ضرورت اور لاچارگی بڑھ گئی اور اس کی اولاد ہیں ضعیف اور ناتواں۔ جو کمانے پر قادر نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ بوڑھے باپ کی خدمت کریں خود محتاج خدمت ہیں۔ یہ وقت باپ کے لیے بڑی پریشانی کا ہے کہ خود بھی عاجز اور مجبور اور بچے بھی کمزور اور ناتواں۔ پس اچانک ایسی حالت میں اُس باغ کو ایک بگولا آگ، جس میں آگ تھی۔ پس وہ باغ جل کر خاک ہو گیا۔ اسی طرح قیامت کے دن جو انتہائی ضرورت اور پریشانی کا وقت ہوگا صدقات اور خیرات کے وہ تمام باغات جن کو سن اور اذی کا بگولہ پہنچا۔ جس میں غضب خداوندی کی آگ پنہاں تھی جل کر خاک ہو جائیں گے اور کفِ افسوس ملتا ہوا رہ جائے گا۔ اور تمام امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو واضح فرماتا ہے تاکہ تم فکر کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں۔

حاصل مثال کا یہ ہے کہ احسان جتانے والے اور ریاء سے صدقہ دینے والے کے اعمال شدید احتیاج کے وقت جھٹ ہو جائیں گے جیسے

حاصل این مثل آنست کہ عمل منان و مرانی در وقت شدت احتیاج جھٹ شود۔ چنانچہ بوستان این شخص در وقت شدت

احتیاج بسوخت۔

اس شخص کا باغ شدید احتیاج کے وقت جل کر خاک ہو گیا۔

یعنی یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو احسان رکھ کر اپنی خیرات کو ضائع کرتے ہیں۔ جیسے کسی نے جوانی کے وقت باغ تیار کیا تاکہ ضعیفی اور بڑھاپے میں کام آئے اور اس سے میوہ کھائے۔ پس جب بڑھاپا اور ضرورت کا وقت آیا تو عین ضرورت کے وقت وہ باغ جل گیا۔

اسی طرح صدقہ اور خیرات مثل میوہ دار باغ کے ہیں کہ ان کا میوہ آخرت میں کام آتا ہے جب کسی کی نیت بُری ہو یا احسان جتائے یا ستائے تو وہ باغ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا میوہ جو کہ ثواب ہے وہ کیونکر نصیب ہو؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

اے ایمان والو! خرچ کرو ستمری چیزیں اپنی

كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا

کمان میں سے، اور جو ہم نے نکال دیا تم کو زمین میں سے اور نیت

تَيَسَّوْا الْخَبِيثَاتِ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ

نہ رکھو گندی چیز پر کہ خرچ کرو، اور تم آپ وہ نہ لوگ

إِلَّا أَنْ تَغِيْضُوا فِيْهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

مگر جو آنکھیں موند لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پردا ہے

حَمِيدٌ ۝۲۶۰ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ

خوبیوں والا۔ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے

بِالْفَحْشَاءِ ۚ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا

بے حیائی کا، اور اللہ وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۲۶۱ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَ

اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا۔ دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۖ وَ

جس کو سمجھ ملی بہت خوبی ملی اور

مَا يَذْكُرُهُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۖ (۲۶۹) وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ

وہی سمجھیں جن کو عقل ہے - اور جو خرچ کرو گے

تَفَقَةٍ أَوْ نَذْرَتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۖ وَ

کوئی خیرات یا قبول کرو گے کوئی سنت، سو اللہ کو معلوم ہے اور

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۖ (۲۷۰) إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ

گنہگاروں کا کوئی نہیں مددگار - اگر کھلی دو خیرات تو

فَنِعْمَ آهِيَ ۚ وَإِنْ تُخَفُّوْهَا وَتَوْتُوْهَا الْفُقَرَاءُ فَهُوَ

کیا اچھی بات، اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَ يُكْفِرُ عَنْكُمْ ۖ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۖ وَاللَّهُ

بہتر ہے - اور اتارتا ہے کچھ گناہ تمہارے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۖ (۲۷۱) لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنْ

تمہارے کام سے واقف ہے - تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا لیکن

اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

اللہ راہ پر لادے جس کو چاہے اور مال جو خرچ کرو گے سو

فَلَا أَنْفُسِكُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۖ

اپنے واسطے جب تک خرچ کرو گے مگر اللہ کی خوشی چاہ کر

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا

اور جو خرچ کرو گے خیرات پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ

تُظَلَمُونَ ﴿۲۴۲﴾ لِّلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ

رہے گم دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ

اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

میں چل پھر نہیں سکتے تک ہیں سمجھے ان کو

الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءُ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ

بے خبر محظوظ ان کے نہ مانگنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

سے نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو خرچ کرد گئے کام کی چیز وہ

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۴۳﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

اللہ کو معلوم ہے۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

بِالْئِيلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

اللہ کی راہ میں رات اور دن چھپے اور کھلے تو ان کو ہے مزدوری

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۴﴾

ان کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھادیں گے۔

بیان بقیہ آداب صدقات و ذکر مصارف خیر

قال تعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ - إِلَى - وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ -
(رابط) اب ان آیات میں ان امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کی صدقہ اور خیرات میں رعایت
ضروری ہے اور بعد ازاں یہ بیان فرمائیں گے کہ کن لوگوں کو صدقہ دینا جائز ہے اور صدقہ اور خیرات
کے اصل مستحق کون لوگ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جو چیز تم نے اپنی تجارت یا صنعت و حرفت سے کمائی ہے،

اس میں سے پاکیزہ یعنی حلال اور عمدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور علیٰ ہذا ہم نے جو چیز تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اس میں سے بھی پاکیزہ اور عمدہ ہی چیز خرچ کرو۔ اور خراب اور گندی چیز کا ارادہ بھی نہ کرو کہ اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ خدا کی راہ میں خبیث اور ناپاک مال خرچ کا ارادہ اور نیت بھی گستاخی ہے البتہ اگر بلا قصد اور بلا ارادہ تمہاری خیرات میں کوئی خراب چیز مل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں۔ حالانکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہارا حق کسی کے ذمہ چاہتا ہو اور وہ تم کو کوئی خراب چیز دینے لگے تو اس خراب کو لینے والے نہیں مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی کرو۔ پس جبکہ تم اپنے حقوق میں خراب چیز لینا پسند نہیں کرتے، تو خدا کی راہ میں خراب چیز دینے کو کیسے پسند کرتے ہو اور تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمہارا یہ چشم پوشی کرنا حاجت اور ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ اسے تو پسندیدہ اور پاکیزہ کی بھی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی خوبیوں والا ہے۔ خوب سے خوب کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ ہی چیز کو قبول کرتا ہے۔

شیطان کبھی تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے کہ اگر تم خدا کی راہ میں خرچ کرو گے یا عمدہ مال خیرات کرو گے تو تنگ دست ہو جاؤ گے۔ اگر دینا ہی ہے تو خراب اور ردی چیزیں خیرات کرو دو اور کبھی شیطان تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے کہ ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے یا رباً اور دکھلاوے کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے خرچ کرنے پر اور خصوصاً پاکیزہ کمائی سے خرچ کرنے پر اپنی جانب سے بخشش اور فضل اور احسان کا وعدہ کرتا ہے۔ یعنی جو شے ہماری راہ میں خرچ کرو گے اس پر ہم تمہاری مغفرت کریں گے اور دنیا اور آخرت میں اس سے کہیں زائداً مضاعف تم کو عطا کریں گے جو تمہارے وہم و گمان سے بھی کہیں بالا اور برتر ہو گا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الْكَافِرِينَ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا کشائش والا ہے۔ اس کے خزانہ میں کوئی کمی اور تنگی نہیں۔ اور بڑا دانا ہے۔ تمہارے اخلاص اور نیت کے بمقدار انعام دے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اُس کو حکمت اور دانائی یعنی صحیح فہم عطا فرماتے ہیں۔ جس سے وہ القاءِ رحمانی اور خیالِ شیطانی میں فرق کرنے لگتا ہے۔ مثلاً جب اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا۔ تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ دوسوہ شیطانی ہے۔ شیطان مجھ کو خیرات سے روکنا چاہتا ہے اور جب یہ خیال آتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور دنیا میں خرچ کیا ہوا آخرت میں کام آئے گا اور خدا کی راہ میں دینے سے کمی نہیں آتی تو سمجھ لیتا ہے کہ یہ القاءِ رحمانی ہے باقی ایسا صدقہ اور خیرات کہ جس سے ظاہر اسباب میں یقیناً یا بظن غالب مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے خود ایسے صدقات اور تبرعات کو ممنوع قرار دیا ہے۔ البتہ بخیلانہ خیالات اور دوسوسوں کے اتباع سے منع کیا ہے آج کل کے متمدن بخیلوں نے اپنے بخل کا نام ”اقتصاد“ رکھ لیا ہے تاکہ خدا کی راہ میں نہ دینے کا بہانہ بن جائے اور جس کو من جانب اللہ حکمت اور دانائی عنایت ہو گئی۔ بلاشبہ اس کو بڑی خیر اور بھلائی مل گئی۔ اس لیے کہ دنیا اور آخرت کے سب کام حکمت اور دانائی سے درست اور ٹھیک ہوتے ہیں اور نہیں نصیحت قبول

کرتے مگر وہی لوگ جو خالص عقل والے ہیں۔ یعنی جن کی عقلیں وہموں اور شیطانی وسوسوں اور نفسانی خطرات سے محفوظ اور مامون ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنی خواہشوں کو اللہ کی اطاعت اور رضامندی میں فنا کر چکے ہیں اور جو کچھ تم خرچ کر دو گے تھوڑا ہو یا بہت، پوشیدہ ہو یا ظاہر، حق میں یا باطل میں۔ یا کوئی منت اور نذر مانو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اس کے موافق تم کو جزا دے گا۔ اور ظالم اور ستمگاروں کے لیے کہ جو اپنا مال نہ تو راہ مولے میں خرچ کرتے ہیں اور نہ اپنی فتنیں پوری کرتے ہیں یا دکھلاوے اور معصیت کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب الہی سے بچا سکے۔

ف یہاں تک صدقہ کے آداب اور شرائط کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ صدقہ علانیہ بہتر ہے یا پوشیدہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اگر تم اپنے صدقات اور خیرات کو ظاہر کرو یعنی سب کے سامنے دو لیکن قصد دکھلانے کا نہ ہو تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ تمہارا یہ نیک عمل دیکھ کر دوسرے بھی اتباع کریں گے۔ اور نیک دل لوگ تمہاری اس سخاوت کو دیکھ کر تمہارے لیے دعا کریں گے کہ اے اللہ ایسے سخی کو زندہ رکھ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے۔ نیز دوسرے مستحقین کو جب تمہاری اعانت اور امداد کا علم ہو تو وہ بھی تمہارے وجود اور جود کو اپنے لیے سہارا سمجھیں گے اور تمہارے لیے دعا کریں گے۔ اور اگر تم اپنے صدقات کو چھپاؤ اور پوشیدہ طور پر فقیروں کو دے دو تو وہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ تمہارا صدقہ ریا اور نمود سے محفوظ رہا۔ اور فقیر ندامت اور شرمندگی سے محفوظ رہا اور چونکہ تم نے پوشیدہ دے کر فقیر کی پردہ پوشی کی اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اس پوشیدہ صدقہ کے صلہ میں تمہارے کچھ گناہوں اور برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ اور واقف ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ صدقہ کا اظہار اور اخفا دونوں ہی بہتر ہیں مگر صدقہ کا اخفا بہت بہتر ہے۔ البتہ بعض حالات میں صدقہ کا اظہار زیادہ نافع ہوتا ہے یہ عارضی امر ہے۔

ابن عباس رضی سے مروی ہے کہ صحابہ نے اپنے مشرکین رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کو مکروہ سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو آپ نے ان کو اجازت دی اور اس بارہ میں یہ آئندہ آیت نازل ہوئی یعنی کَيْسَ عَيْلَتِكَ هَذَا هُمْ نازل ہوئی (نسائی، طبرانی و بزار وغیرہ) اور مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ تم اپنے ہی دین کے لوگوں کو صدقہ دیا کرو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا راہ راست پر لانا آپ کے ذمہ نہیں۔ جس کے لیے آپ اتنا اہتمام کریں اور یہ خیال کریں کہ شاید اس تدبیر سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور لیکن اللہ ہی راہ راست پر لاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ بھی تم خرچ کر دو گے تو وہ تمہارے ہی نفع کے لیے ہے۔ تم اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہارا صدقہ مسلمان کو ملے یا کافر کو صلہ رحمی اور انسانی ہمدردی کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں۔

اور تم تو خدا کے ایسے مخلص ہو کہ کوئی چیز بھی خرچ نہیں کرتے مگر محض اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی کے لیے اور جو مال بھی تم خدا کی رضا مندی کے لیے خرچ کر دو گے اس کا پورا پورا اجر تم تک پہنچا دیا جائے گا۔ اور تمہارے اجر میں ذرہ برابر کمی نہ کی جائے گی۔ لہذا اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہارا صدقہ اور خیرات مسلمان ہی کو ملے اور کافر کو نہ ملے شیخ سعدیؒ کا ارشاد ہے جو گویا اس آیت کی تفسیر ہے

گر آدمی برودیش آتش سجود تو واپس چرامی کشی دست جود

حکایت | ایک عالم بڑی خیرات کیا کرتے تھے اور کوئی پوچھتا تو قسم کھاتے کہ خدا کی قسم میں نے کسی کے ساتھ کوئی خیر نہیں کی۔ کسی نے اس عالم سے دریافت کیا کہ آپ خیرات کرتے ہیں اور پھر یہ قسم کھاتے ہیں تو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں کسی کے ساتھ خیر نہیں کرتا۔ جو خیر کرتا ہوں وہ اپنے ہی لیے کرتا ہوں اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِقُكُمْ یعنی تم جو بھی خیر کرتے ہو وہ اپنے ہی نفس کے لیے کرتے ہو۔

فائدہ | ان آیات میں صدقات نافلہ اور عام خیرات کا بیان ہے اور نفلی صدقہ اور خیرات دینا کافر کو بھی جائز ہے۔ البتہ زکوٰۃ سوائے مسلمان کے کسی اور کو دینا جائز نہیں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ فرمایا کہ وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور جب اسلام قبول کر لیں تو ان کو یہ بتلا دینا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو انہی مسلمان امیروں سے لے جائے گی اور انہی کے غریبوں کو دی جائے گی۔ پس جس طرح زکوٰۃ مسلمانوں ہی کے امیروں پر فرض ہے اسی طرح ان سے لے کر مسلمان فقیروں ہی پر تقسیم کی جائے گی۔ کافر فقیروں پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا۔

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ صدقہ اور خیرات مومن کے ساتھ مخصوص نہیں کافر کو بھی خیرات دینا جائز ہے اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ صدقات اور خیرات کے کون لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ صدقات کا اصل استحقاق۔ ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں مقید اور پابند ہیں۔ یعنی دین کی خدمت اور علوم ظاہری اور باطنی کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ قرآن کریم حفظ کرتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور ظاہری اور باطنی دشمنوں کے جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ظاہری دشمن سے کفار مراد ہیں اور باطنی دشمن سے نفس امارہ مراد ہے جس طرح کافروں کی گردن کشی کے لیے جہاد و قتال بزرگ ترین عبادت ہے اسی طرح نفس کشی کے لیے مجاہدات اور ریاضات بھی عظیم ترین عبادت ہے۔ حدیث میں ہے المجاہد من جاهد نفسه اور ایک ضعیف روایت میں جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا ہے جیسے اصحاب صفہ تجارت اور زراعت کو چھوڑ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب جو ایک صفہ (چوڑا اور سائبان تھا) وہاں بیل و نہار بسر کرتے تھے تاکہ حضورؐ کی صحبت میں علم سیکھیں اور جب جہاد کا موقع آئے تو جہاد میں جائیں۔ غرض یہ کہ صدقات کے اصل

مستحق وہ فقراء اور حاجت مند لوگ ہیں کہ جو علوم دینیہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور علم اور جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے ملک میں تجارت اور مزدوری کے لیے چل پھر نہیں سکتے اس لیے کہ ایک آدمی سے دو کام نہیں ہو سکتے۔

ف مسلمانوں کو چاہیے کہ صدقات اور خیرات میں ان حاجت مند طالب علموں کا خاص طور پر خیال رکھیں جو علم دین کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں اگر دنیا میں یہ گروہ نہ رہے تو دنیا سے علم دین اور دین سب رخصت ہو جائے اور لوگ بے دین اور گمراہ ہو جائیں اس لیے کہ کسی چیز کا باقی رہنا اس شے کے علم کے باقی رہنے پر موقوف ہے۔ طب جہانی کی اگر تعلیم نہ ہو اور نہ اس کی کوئی درسگاہ ہو تو نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا بیماروں سے پُر ہوگی اور کوئی طبیب اور معالج نہ ملے گا۔ اسی طرح اگر طب روحانی یعنی علم دین کی کوئی درسگاہ نہ ہو تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر اور الحاد اور معصیت کے روحانی بیماروں سے بھری ہوگی اور کوئی طبیب اور معالج نہ ہوگا یعنی ایمان اور کفر اور اطاعت اور معصیت کا فرق بتلانے والا کوئی نہ ملے گا۔ باقی جو شخص کفر اور معصیت کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو اس سے ہمارا خطاب نہیں اور انسان آدمی جو ان کے حال سے ناواقف اور بے خبر ہے وہ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مالدار اور دولت مند سمجھتا ہے۔ قناعت کی وجہ سے یہ لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ اس لیے عام طور پر ان کی حلیہ بندی کا علم نہیں ہوتا البتہ تم ان کی حاجت اور تنگی کو کسی وقت ان کے چہرے کی حالت اور قیافہ سے پہچان سکتے ہو اس لیے کہ بعض مرتبہ بھوک اور تنگی کے باعث چہرہ پر پشیمانی اور بدن پر لباس شکستہ ہوتا ہے اس لیے ان کی تنگی کا علم ہو جاتا ہے۔ قناعت کی وجہ سے اول تو یہ لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے اور اگر شاذ و نادر کبھی مجبور ہو کر سوال کرتے ہیں تو لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے یعنی کسی کے سر نہیں ہوتے اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خواہ وہ لوگ سوائی ہو یا بے سوائی، ان کی حاجت اور تنگی کم ہو یا زیادہ، تو اللہ تعالیٰ تم کو بقدر استحقاق کے اس کی جزاء دے گا اس لیے کہ اس کو تمہاری نیت خوب معلوم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کسی زمان اور مکان اور وقت اور حال کی قید نہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں جس میں مستحق کا پورا پتہ نہیں چل سکتا یا دن میں جس میں ریاہ کا اندیشہ ہے اور علیٰ ہذا نہ کسی حال کی تخصیص ہے ظاہر خرچ کریں یا تو پوشیدہ پس ان کے لیے ان کا ثواب ہے ان کے پروردگار کے یہاں۔ جس پروردگار نے ان کے صدقات کی تربیت کی ہے اور ان کو بڑھایا ہے اور نہ ان پر کوئی خوف و خطر ہے اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے بلکہ صدقات کے انعامات کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کہ کاش خدا کی راہ میں سارا ہی گھر لٹا دیا ہوتا۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے

الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپٹ کر یہ اس واسطے کہ

قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ

انہوں نے کہا سودا کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا سود لینا، اور اللہ نے حلال کیا

وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ

سودا اور حرام کیا سود - پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی اور

فَأَنتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ

باز آیا تو اس کا ہے جو آگے ہو چکا اور اس کا حکم اللہ کے اختیار اور جو

عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

کوئی پھر کرے وہی ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے -

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

مٹاتا ہے اللہ سود اور بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں چاہتا

كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کسی ناشکر گنہگار کو جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے،

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

اور قائم رکھی نماز اور دی زکوٰۃ ان کو ہے بدلہ ان کا

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷﴾ يَا أَيُّهَا

اپنے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غم کھائیں گے۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا سود

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

اگر تم کو یقین ہے ۔ پھر اگر نہیں کرتے تو خبردار ہو جاؤ

بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۴۹﴾ وَ

کو پہنچتے ہیں اصل مال تمہارے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر

إِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ

اگر ایک شخص ہے تنگی والا، تو فرصت دینی چاہیئے جب تک کشائش پاوے اور

تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۵۰﴾ وَاتَّقُوا

اگر خیرات کرو تو تمہارا بھلا ہے اگر تم کو سمجھ ہو اور ڈرتے

يَوْمًا تَرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ

رہو اس دن سے جس میں الٹے جاؤ گے اللہ کے پاس، پھر پورا ملے گا ہر شخص کو

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵۱﴾

جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۔

احکامِ ربا (سود)

قال تعالى - الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا... اَللّٰهُ... وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

اربط (گزشتہ آیات میں خیرات اور صدقات کا بیان تھا، اب آئندہ آیات میں سود کے احکام ذکر فرماتے ہیں جو کہ صدقات اور خیرات کی ضد اور نقیض ہے۔ اس لیے کہ صدقہ اور خیرات سے اخلاق اور مروت اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں ترقی ہوتی ہے اور سود میں سراسر بے مروتی اور ضرر رسانی ہے۔ صدقہ اور خیرات میں صلہ رحمی اور غریبوں کی امداد ہوتی ہے اور سود میں سخت دلی اور غریبوں

پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس لیے صدقہ کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور حرمت کا بیان نہایت مناسب ہوا تاکہ سود کی مذمت اور حرمت سے صدقہ کی فضیلت اور پختہ ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ جس درجہ سود میں بُرائی ہے اسی درجہ خیرات میں بھلائی ہے۔ ایک ضد کی قباحت سے دوسری ضد کا حسن و جمال واضح ہوتا ہے۔ نیز صدقہ سے مال ظاہر میں گھٹتا ہے اور حقیقت میں بڑھتا ہے۔ اور سود میں مال ظاہر میں تو بڑھتا ہے اور حقیقت میں گھٹتا ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں صدقہ کرنے والوں کا حال بیان فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں ان کو خیرات کا عوض اور ثواب ملے گا اور آخرت میں ان کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہوگا۔ اب آئندہ آیات میں سود خواروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ وہ قبروں سے مدہوش اور وحشت زدہ اٹھیں گے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے حلال اور حرام کو یکساں کر دیا اور سود اور خرید و فروخت کو برابر سمجھا اور ظاہر ہے کہ حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز کو یکساں کر دینا منجھوٹا الحواس آدمی کا کام ہے اس لیے سود خواروں کی سزا یہ تجویز ہوئی کہ قیامت کے دن قبروں سے آسیب زدہ اور مجنوں کی طرح اٹھیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو جنات نے جسطی اور بدحواس بنا دیا ہو لپٹ کر سود خوار مال کے عشق اور خبط میں گرفتار رہا اور اسی خبط اور خیال میں مرا اور اسی خبط کی حالت میں اس کا حشر ہوگا یہ سزا اس لیے تجویز ہوئی کہ یہ سود خوار حلال اور حرام کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور سود کے حلال کرنے کے لیے استدلال میں یہ کہتے ہیں کہ بیع یعنی خرید و فروخت اور سود اگر بھی تو مثل سود کے ہے جس طرح بیع میں زیادتی اور نفع ہوتا ہے اسی طرح سود میں بھی زیادتی اور نفع ہوتا ہے دونوں میں فرق نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ بیع تو جائز ہو اور سود حرام ہو۔

ف اصل کلام اس طرح تھا کہ انصا السربا مثل البیع یعنی سود مثل سود اگر ہی کے ہے لیکن کفار نے حرمت ربوہ کی نفی میں مبالغہ کرنے کے لیے اصل کلام کا عکس کر دیا۔ اور یہ کہا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ السَّرْبِ یعنی بیع حلال ہونے میں مثل سود کے ہے گویا کہ حلت یعنی حلال ہونے میں سود اصل ہے اور بیع حلال ہونے میں مثل سود کے ہے گویا کہ حلت یعنی حلال ہونے میں سود کے مشابہ ہے۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے فقط اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے۔ دونوں کو حلال سمجھ لیا حالانکہ بیع اور ربوہ میں بڑا فرق ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدير کوئی فرق بھی نہ ہوتا تو فرق کے لیے اتنا کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے اس نے بیع اور تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے اور جب حق تعالیٰ مالک مطلق ہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ کسی کو دریافت کرنے کا بھی حق نہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔ ع۔

ادست سلطان آں چہ خواہد آں کند

بیع اور سود میں فرق

بیع میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ مال کے مقابلہ اور عوض میں ہوتی ہے۔ اور سود میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ بلا عوض کے ہوتی ہے۔ مثلاً کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم میں فروخت کیا تو یہ دونوں درہم کپڑے کے عوض اور مقابل سمجھے جائیں گے۔ اور اگر ایک درہم کو دو درہم کے مقابلہ میں فروخت کیا تو ایک درہم تو ایک درہم کے مقابلہ میں ہو جائے گا اور دوسرا درہم بلا عوض اور کسی مقابلہ کے ہوگا، کیونکہ سب درہم ایک جنس ہیں اور کپڑا اور درہم علیحدہ علیحدہ قسم ہیں۔ ہر ایک کا نفع اور ہر ایک کی غرض بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لیے کپڑے اور درہم میں فی نفسہ موازنہ اور مقابلہ ناممکن اور محال ہے۔ خرید و فروخت میں مقابلہ حاجت اور ضرورت اور رغبت کا ہوتا ہے۔ کسی کی ضرورت اور رغبت کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس روپیہ کا کپڑا اس کی نظر میں کچھ نہیں ہوتا، اور کسی کو ایک کپڑے کی جس کی قیمت بازار میں ایک درہم ہے اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس درہم کی اس کو اتنی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا اگر ایسی صورت میں کوئی ایک درہم کے کپڑے کو ایک ہزار درہم میں بھی خریدے تو وہ سود نہ ہوگا یعنی یہ نفع خالی از عوض نہ ہوگا کیونکہ کپڑے اور روپیہ میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات ممکن نہیں اس لیے کہ جنس مختلف ہے لہذا معیار اور پیمانہ اپنی اپنی ضرورت اور رغبت ہوگی۔ اور ضرورتوں اور رغبتوں میں بے انتہا تفاوت ہے پس اگر ایک روپیہ کی قیمت کا کپڑا دس روپیہ میں فروخت کیا تو مجموع قیمت کا مجموع مال سے مقابلہ کیا جائے گا اجزاء کا اجزاء سے مقابلہ نہ ہوگا۔ اور اگر ایک درہم کو دو درہم کے مقابلہ میں فروخت کیا تو یہاں مقابلہ مجموعہ کا مجموعہ سے نہ ہوگا بلکہ اجزاء کا اجزاء سے مقابلہ ہوگا۔ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اجزاء میں مساوات اور موازنہ ممکن ہے۔ لہذا ایک درہم ایک درہم کے مقابلہ میں ہوگا اور دوسرا درہم خالی از عوض ہو کر سود ہو جائے گا جس کو شریعت نے حرام کیا ہے۔ بیع میں قابل معاوضہ چیزوں کا مبادلہ ہوتا ہے اور با اصل قرض پر کچھ زیادہ لینے کو کہتے ہیں جو مہلت اور تاخیر وقت کے عوض میں زیادتی کی جاتی ہے اور تاخیر وقت اور مہلت نہ عقلاً کوئی مال ہے اور نہ عرفاً کوئی ایسی چیز ہے کہ جس پر قبضہ کیا جاسکے اور عوض اور مقابل بن سکے اور جو چیز بلا عوض و بدل حاصل کی جائے وہ باطل اور ناحق ہے۔ پس جس شخص نے بیع اور سود کو برابر قرار دیا اور اس نے مقابلہ اور معاوضہ میں ضبط اور بدحواسی سے کام لیا اس لیے اس کا انجام یہ ہوا کہ سود خوار قبر سے دیوانہ اور مجبوط الحواس بنا کر اٹھایا جائے گا۔ ہر عمل کی جزاء اس کے مناسب ہوتی ہے۔

علہ یہ تمام تر فقال مروزی کے کلام کی تشریح ہے جس کو امام رازی نے تفسیر کبیر ص ۳۷۳ جلد دوم میں ذکر کیا ہے۔

سود خوار کے استدلال کی ایک مثال | سود خوار کا اپنے استدلال میں یہ کہنا کہ جس طرح بیع میں نفع اور زیادتی ہوتی ہے اسی طرح سود میں بھی نفع اور زیادتی ہوتی ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں اس استدلال کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ جیسے بیوی عورت ہے اسی طرح ماں بھی عورت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بیوی تو حلال ہے اور ماں حرام ہے۔

یایوں کہے کرتا بھی بکری کی طرح ایک جانور ہے کیا وجہ ہے کہ ایک حلال ہے اور ایک حرام ہے؟

ربا کی اقسام | ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ربانسیئۃ۔ اور ایک ربا الفضل۔ ربانسیئۃ تو وہ سود ہے جو قرض اور ادھار میں ہو۔ زمانہ جاہلیت میں اسی قسم کا ربا شائع تھا۔ وہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کو معین میعاد پر قرض دیتا اور اس پر کچھ ماہوار مقرر کر لیتا۔ پھر جب میعاد معین پر وہ روپیہ ادا نہ ہوتا تو قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر اس کو مہلت دے دیتا اور کبھی سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگاتا۔ یہاں تک کہ سود اصل قرض سے اضعا فاضعا عفو دو چند اور سہ چند اور چہار چند ہو جاتا۔ اور ربا الفضل وہ سود ہے کہ جو ایک جنس کی چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ مبادلہ کرنے میں ہو۔ مثلاً ایک سیر گہوں کو ڈیڑھ سیر گہوں کے معاوضہ میں فروخت کیا جائے، یہ ربا الفضل ہے۔

آیت قرآنی کا اصل نزول باجماع مفسرین ربا کی قسم اول میں ہوا۔ مگر آیت اپنے عموم کی وجہ سے ربا کی قسم ثانی کو بھی بلاشبہ شامل ہے۔ جس کی تفصیل احادیث متواترہ سے معلوم ہوئی۔ اور مزید تفصیل اقوال صحابہ و تابعین سے معلوم ہوئی۔ اور احادیث میں ربا کی جس قدر صورتیں مذکور ہیں آیت قرآنی اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہے۔

سود کے حرام ہونے کی وجہ | تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ضرورت مند کی اعانت اور امداد عین شرف اور کمال انسانیت ہے اور غریب اور فقیر کی ضرورت اور حاجت کو تحصیل زر اور حصول منفعت کا ذریعہ بنانا کمال دنارت اور غایت خست ہے۔ سوائے بخیلوں اور خود غرضوں کے کسی کا اس مسئلہ میں خلاف نہیں۔

(۱) سود خوار بلا کسی عوض کے اپنے روپیہ سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب اصل روپیہ بعینہ اور بتمامہ واپس آگیا تو یہ زائد روپیہ کس چیز کا معاوضہ ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ یہ معاوضہ اس مہلت اور تاخیر کا ہے کہ جو قرض خواہ کی طرف سے مقروض کو ملی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ اور مدت کوئی مال نہیں کہ جس کے معاوضہ میں روپیہ لیا جاسکے۔

(۲) نیز سود آدمی کو بے رحم بنا دیتا ہے اور بے ایمانی اور فریب دہی کے عجیب عجیب طریقے اس کے نفس میں القا کرتا ہے حتیٰ کہ آدمی کو آدمیت سے خارج کر دیتا ہے۔

(۳) نیز سود سے ملک کی ترقی پر اثر پڑتا ہے اس لیے کہ جب مال دار سود کے ذریعہ سے اپنا

مال بڑھائیں گے تو تجارت اور زراعت اور صنعت اور حرفت پر روپیہ نہیں لگائیں گے جس پر ملک کی ترقی کا مدار ہے۔ اس شخص کو بلا مشقت اور بلا محنت اگرچہ فائدہ ہو جائے گا مگر یہ فائدہ انفرادی اور شخصی ہوگا اجتماعی نہ ہوگا۔

(۴) سود خواری سے صلہ رحمی اور انسانی ہمدردی اور مروت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۵) سود خواری کی وجہ سے مال اور دنیا کی محبت قلب میں اس درجہ راسخ ہو جاتی ہے کہ طبع اور حرص

اس کو ہر عیب اور معصیت سے اندھا بنا دیتی ہے

(۶) نیز تجارت کا دار و مدار باہمی رضامندی پر ہے کما قال تعالیٰ اَلَا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِنْكُمْ اور اسی رضامندی کی تکمیل کے لیے شریعت نے خرید و فروخت میں خیار عیب اور خیار شرط اور خیار ردیت کو مشروع کیا۔

تجارت میں جو شخص مثلاً غلہ خریدتا ہے تو وہ اپنے کھانے کے لیے یا کاشت کے لیے یا فروخت کرنے کے لیے خریدتا ہے اور یہ سب حقیقی منافع اور واقعی فوائد ہیں جن کے حصول کے لیے روپیہ خرچ کیا جاتا اور بائع اور مشتری کے اختیار اور اُن کی رضا و رغبت سے یہ معاملہ ہوتا ہے اور سود کا جو بھی معاملہ ہوتا ہے وہ مجبوری اور ناگواری کے ساتھ ہوتا ہے جو شخص بھی سو روپیہ لے کر ایک سو دس دینے کا معاملہ کرتا ہے وہ ہرگز ہرگز خوشی سے نہیں کرتا بلکہ مجبوراً اور لاچار ہو کر بصد تلخی و ناگواری کرتا ہے اور دل سے یقین رکھتا ہے کہ اس سودی معاملہ سے مجھ کو حقیقی اور واقعی فوائد حاصل نہیں ہوئے آئندہ کے سوہوم منافع کی اُمید پر سودی قرض لیتا ہے عرض یہ کہ سود خواری انسانی ہمدردی اور رحم کے بھی خلاف ہے اور مصلحت عامہ کے بھی خلاف ہے اور اصول تجارت کے بھی خلاف ہے کہ معاملہ کی بنا مجبوری اور لاچاری اور تلخی اور ناگواری پر ہے اس معاملہ میں دل بجائے شادمانی کے پریشانی محسوس کرتا ہے اور اس سودی قرض کو اپنی گردن پر ایک بوجھ سمجھتا ہے اور اس کے اظہار سے شرماتا ہے اور اخیر میں پچھتا رہا ہے اور اجتماع اور تمدن کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور روحانی اور اخلاقی مفاسد کا ذریعہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں نہایت سخت اور بالکل ہی ناقابل درگزر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ربا کو حرام کیا جو کمالِ رحم اور کمالِ مصلحت پر مبنی ہے۔

(۷) نیز سودی کاروبار حکمت کے خلاف ہے اور درہم و دینار کے اصل وضع کے منافی ہے اس بارہ میں ہم امام غزالی قدس اللہ سرہ کے کلام معرفت التیام کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو غایت درجہ لطیف اور لذیذ ہے۔

امام غزالی احیاء العلوم کی کتاب الشکر ص ۴۹ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ ربا کی حقیقت یہ ہے کہ روپیہ کی روپیہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا جائے اور روپیہ کی روپیہ سے تجارت کرنا اس کی اصل وضع کے خلاف ہے اس لیے کہ درہم و دینار (سونا و چاندی) مقصود بالذات نہیں بلکہ ضروریات زندگی کے حصول کا

ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ اور وسیلہ اور غیر مقصود کو اس کی حد سے نکال کر اس کو مقصود بالذات تک پہنچانا یہ سراسر اس کی وضع کے خلاف ہے جب روپیہ کی روپیہ سے تجارت ہوتے لگے تو وسیلہ وسیلہ نہ رہا بلکہ مقصود بن گیا سونا اور چاندی مقصود بالذات نہیں فقط سونے اور چاندی سے انسان کی زندگی نہیں گذر سکتی جب تک سونے اور چاندی کو کھانے اور پینے اور رہنے سہنے کا ذریعہ نہ بنائے محض سونے اور چاندی سے دنیا کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ سونا اور چاندی اپنی ذات سے ایک قسم کے پتھر ہیں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے سونے اور چاندی کو ایک میزان (ترازو) بنایا ہے۔ جس سے اشیاء عالم کی قیمتوں کا وزن ہوتا ہے اور یہ سونا اور چاندی خدا کی پیدا کردہ عجیب ترازو ہے جو شخص اس کا مالک ہو گیا وہ دراصل سب چیزوں کا مالک ہو گیا جو چاہے وہ سونے اور چاندی کے ذریعہ خرید سکتا ہے کپڑے سے کھانے کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی اور کھانے سے کپڑے کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی مگر روپیہ سے ہر قسم کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے مگر بالوں ہمہ محض سونے اور چاندی کی ذات سے نہ بھوک اور پیاس دفع ہو سکتی ہے اور نہ سردی اور گرمی دور ہو سکتی ہے معلوم ہوا کہ سونا اور چاندی مقصود بالذات نہیں بلکہ ضروریات مقصودہ کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں درہم و دینار۔ نحویوں کے حرف کی طرح ہیں کہ معنی فی نفسہ کے لیے وضع نہیں ہوتے بلکہ معنی فی غیرہ کے لیے وضع ہوئے ہیں۔ آئینہ کی طرح ہیں کہ جس طرح آئینہ دوسری اشیاء کے اوان (رنگتوں) کے دیکھنے کا آلہ ہے خود مقصود نہیں اسی طرح درہم و دینار اشیاء عالم کی قیمتوں اور مرتبوں کے اندازہ کرنے کا ایک آلہ ہے خود مقصود نہیں سونا اور چاندی ظاہر میں سب کچھ ہے مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کا ٹکڑا اور پھٹے ہوئے کپڑے کا چیتھڑا کام دے جاتا ہے مگر سونے کا ٹکڑا کام نہیں دیتا تندرستی میں غذا مقصود ہے اور بیماری میں دوا مقصود ہے اور سونا اور چاندی اس مقصود کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ اُس کے ذریعہ اپنی ضروریات زندگی کو حاصل کرو۔ پس جس شخص نے روپیہ کی روپیہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا اُس نے اُس کی اصل وضع کے بالکل خلاف کیا اور بڑا ہی ظلم کیا۔ اور کسی شئی کو بے محل رکھنا اور خلاف وضع استعمال کرنے ہی کا نام ظلم ہے دیکھو احیاء العلوم کتاب الشکر ص ۴۹ ج ۴ اور دیکھو اتحاف شرح احیاء للعلامة الزبیدی از ص ۶۳ ج ۹ تا ص ۶۶ ج ۹

سود تمام شریعتوں میں حرام رہا ہے

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سود تمام شریعتوں اور آسمانی دینوں میں حرام رہا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہود کی مذمت میں یہ فرمایا ہے وَ آخِذْهُمْ الرِّبَا وَ قَدْ نُهُمْ عَنْهُ کہ یہود سود لیتے ہیں حالانکہ توریت میں ان کو سود سے منع کیا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی۔ ص ۳۶۶ ج ۳)

توریت سفر خروج باب ۲۲ درس ۲۵ میں ہے۔
 ”اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا؟“
 اور علیٰ ہذا انسجیل لوقا باب ششم درس ۳۵ میں بغیر سود کے قرض دینے کی ترغیب مذکور ہے۔

سود ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ تنزل کا ذریعہ ہے

لوگوں کی زبان پر ہے کہ مسلمان مٹتے جاتے ہیں حالانکہ سود خواری مسلمانوں میں بڑھ رہی ہے اور دن بدن تنزل ہے۔ مسلمانوں کا جو ترقی کا زمانہ گزر رہا ہے اس میں سود کا نام و نشان نہ تھا باقی مغربی اقوام کی ترقی ان کی صنعت اور حرفت کی وجہ سے ہے نہ کہ سود کی وجہ سے بارہ سو سال تک مسلمانوں کی سلطنت خروج اور ترقی پر رہی اور کبھی سود کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی جب سے مسلمان امیروں اور وزیروں نے دین سے منہ موڑا اور عیش و نشاط اور رقص و سرود میں مبتلا ہوئے تب سے زوال شروع ہوا اور پھر ہوا جو ہوا۔

رہا یہ سوال کہ اس زمانہ میں بغیر سود کے کام کیسے چلے؟ جواب یہ ہے کہ جیسے پہلے چلتا تھا اور خوب چلتا تھا۔ رشوت خواری رشوت کے جواز کے لیے یہی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ بغیر رشوت کے کام نہیں چلتا۔ پس جس کو پہنچ گئی نصیحت اس کے پروردگار کی جانب سے یعنی ربوہ کی حرمت اور اس کی ممنوعیت اس کو پہنچ گئی پس باز آگیا اس فعل حرام اور قول کفر سے یعنی سود لینا بھی چھوڑ دیا اور انحصاراً لُبَّیْعُ مِثْلُ الرِّبَا کہنا بھی چھوڑ دیا، تو اس کے لیے ہے جو کچھ اس حکم کے آنے سے پہلے لے چکا ہے۔ یعنی سود حرام ہونے سے پہلے جس قدر لے چکا ہے وہ اس سے واپس نہ لیا جائے گا وہ سب اس کی ملک ہے اور نہ اس پر عند اللہ کوئی مواخذہ ہوگا۔ اور دل کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر صدق نیت سے باز آیا ہے تو اللہ اس کی جزا دے گا۔ اور اگر کسی دنیاوی مصلحت اور ظاہر داری کی بنا پر توبہ کی ہے تو اس کے مطابق معاملہ ہوگا۔

اور جو شخص اس نصیحت کے بعد پھر اُسی فعل حرام اور قول کفر کی طرف رجوع کرے یعنی حکم تحریم کے بعد بھی سود سے باز نہ آئے بلکہ سود لیتا رہے اور حسب سابق اِنَّمَا الْبِیْعُ مِثْلُ الرِّبَا کہتا رہے یعنی سود کے حلال ثابت کرنے کے لیے نفرتہ کرے یا مضمون لکھتا رہے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے جو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا باعث ہے۔

اور سود میں اگرچہ فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے لیکن مال اور انسجام اس کا تباہی اور بربادی ہے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ کی عادت یہ ہے کہ سود کو مٹاتے ہیں اس میں برکت نہیں ہوتی۔ سود خوار پر کبھی تو دنیا ہی میں بربادی آجاتی ہے۔ اور اگر دنیا میں اللہ نے ڈھیل دی تو آخرت میں تو تباہی اور بربادی یقینی ہے۔

ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ **يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا** کے معنی یہ ہیں کہ سود کے مال میں سے نہ کوئی صدقہ اور خیرات مقبول ہے اور نہ حج اور جہاد اور کوئی صلہ رحمی مقبول ہے۔ یہ دنیا کی بربادی ہوئی کہ سود کے روپیہ کا کوئی عمل مقبول نہ ہوا۔ اور اہل عقل کی نظر میں بھی حرام مال کے ہدیہ کی کوئی وقعت اور قیمت نہیں۔ اور خداوندِ قدوس کے یہاں اگر پاک اور حلال بھی قبول ہو جائے تو اس کا فضل اور احسان ہے۔

اور صدقہ اور خیرات میں اگرچہ مال گھٹتا ہے۔ لیکن حقیقت میں مال بڑھتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صدقات اور خیرات کو بڑھاتا ہے صدقہ اور خیرات سے جس قدر نکلتا ہے اس سے کہیں زائد اللہ اس میں برکت دے دیتا ہے۔ غافل مال کی ظاہری کثرت کو دیکھتا ہے۔ اور عاقل اور دانا مال کی باطنی طہارت اور نظافت کو دیکھتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ
وَلَوْ أَغْبَيْتُ كَثْرَةَ الْخَبِيثِ
آپ کہہ دیجئے کہ پاک اور ناپاک برابر
نہیں ہوتے۔ اگرچہ (لے نادان) تجھ کو
ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔

ایک پرہیزگار ملازم اپنے سو روپیہ پر قناعت کرتا ہے۔ اور دوسرا سو روپیہ کا رشوت خوار ملازم ایک مہینہ میں سو کے ایک ہزار کر لیتا ہے۔ اول کے سو عطر اور گلاب ہیں اور وہ دوسرے کے ایک ہزار پیشاب ہیں۔

صدقہ اور خیرات کی مثال مسہل کی سی ہے کہ مسہل سے بدن دبلا اور پتلا تو ہو جاتا ہے مگر طبیب اور ڈاکٹر جانتا ہے کہ یہ تندرستی ہے۔ بدن سے فاسد مادہ نکل گیا۔ اور سود اور رشوت کی مثال ورم کی سی ہے اگر کسی کے منہ اور ہاتھ اور پیروں پر ورم آجائے تو نادان اس کو مٹا پا سمجھتا ہے اور طبیب اور ڈاکٹر اس ورم کو دیکھ کر پیغامِ موت سمجھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہ گار سے راضی نہیں جو گناہوں میں منہمک ہو۔ اس سود خوار کی اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی کہ خدا نے اس کو مال دیا اور مال دار ہونے کے باوجود اس سے اتنا نہ ہوا کہ اس نعمت کے شکر میں کسی محتاج کو کچھ صدقہ اور خیرات دے دیتا۔ اور اگر صدقہ اور خیرات پر اس کا دل آمادہ نہ ہوا تھا تو کم از کم بلا سود کے اس کو قرض ہی دے دیتا بھلا اس سے بڑھ کر خدا کی نعمت کی کیا ناشکری ہوگی۔ ایسے ناسپاسوں اور ناشکروں کے مال میں اللہ برکت نہیں دیتا۔ اور صدقات اور

خیرات میں جو خیر و برکت ہوتی ہے وہ ایمان اور اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ ایمان لائے یعنی اللہ کے تمام احکام کو مانا اور جس چیز کو خدا نے حلال اور حرام کیا اسی کے مطابق اس کو حلال اور حرام سمجھا اور نیک عمل کیے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی ایسے لوگوں کے مال میں اللہ تعالیٰ برکت دیتا ہے ان کو اپنے اعمال اور خیرات کا بدلہ اور ثواب ملے گا اپنے پروردگار کے پاس یعنی آخرت میں اور قیامت کے دن ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے حلال اور حرام میں فرق نہ کیا تھا وہ طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوں گے۔ اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز کو ایک نہ بناؤ اور جو سود تمہارا لوگوں کے ذمہ بقایا رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہو۔ یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے وہ لے چکے اب ممانعت کے بعد جو سود بقایا رہ گیا ہے اس کے لینے اور مانگنے کی اجازت نہیں۔ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت کر دی جائے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ پس اگر تم اس حکم کے بعد ایسا نہ کرو یعنی بقایا سود کو نہ چھوڑ دو تو خبردار ہو جاؤ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑنے کو یعنی اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو تو سمجھ لو کہ خدا اور اس کے رسول کے وفاداروں کی فہرست سے تمہارا نام کٹ گیا اور خدا اور اس کے رسول کی طرف سے تمہاری گرفتاری کے احکام جاری ہوں گے اور گرفتاری کے بعد تم کو حسب قواعد شریعت اور حسب احکام قتل کیا جائے گا یا قید میں رکھا جائے گا اور اسلامی عدالت ان احکام کو تم پر جاری کرے گی۔ اور اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہارے اصل مال اور اصل رقم تم کو مل جائے گی اس حکم کے بعد نہ تم کسی پر ظلم اور زیادتی کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم اور زیادتی کی جائے۔ یعنی جو سود تم پہلے لے چکے ہو اگر اس کو تمہارے اصل مال میں محسوب کر لیا جائے تو وہ تم پر ظلم ہے۔ اور ممانعت کے بعد جو سود چڑھا ہے وہ اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے اور تمہارا قرض دار اگر مفلس اور تنگ دست ہے تو اس کو فراخی کے زمانہ تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم اس کو بالکل معاف کر دو تو تمہارا یہ صدقہ کہنا تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہوگا کہ سود تو کیا لیتے اصل ہی معاف کر دیا۔ اگر تم جانتے ہو کہ مہلت دینے اور صدقہ کر دینے اور معاف کر دینے کیا فضیلت ہے۔ جس فضیلت کو تم حاصل کر سکو اس میں دریغ نہ کرو اور اس دن کی پیشی سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی اور ان پر کسی قسم کا ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ لہذا جو شخص دنیا میں مقروض کے ساتھ چشم پوشی اور نرمی کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ اپنے حقوق میں چشم پوشی اور نرمی فرمائیں گے۔

فوائد و لطائف

(۱) جو شخص سود کو حلال سمجھے وہ باجماع امت کافر اور مرتد ہے۔ اور اگر سود کو حلال تو نہیں سمجھتا

مگر چھوڑنا بھی نہیں تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسے شخص کا قید کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور اگر کوئی اس قسم کی جماعت اور جتھا ہے جن کا قید کرنا مشکل ہے تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسی جماعت سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو فرائض کو چھوڑ دے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کو یا علی الاعلان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اس پر اڑا رہے۔ تفصیل کے لیے ابو بکر رازی جصاص کی احکام القرآن ص ۴۹۳ ج ۱ کی مراجعت کریں یا تفسیر مظہری دیکھیں۔

(۲) قال جعفر الصادق حرم الله
السربا ليتقارض الناس۔
امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
نے سود کو اس لیے حرام فرمایا تاکہ قرض سے
ایک دوسرے کی مدد کریں۔

وعن ابن مسعود عن النبي صلى الله
عليه وسلم قرضٌ مرتين يعدل
صدقة مرة اخرجه البزار (تفسير قرطبي ص ۳۵۹)
عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی کو دو مرتبہ
قرض دینا ایک مرتبہ صدقہ دینے کے برابر ہے۔

(۳) حرام مال سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سود اور رشوت کا جو پیسہ اس کے پاس ہے وہ صاحب حق کو واپس کرے یا اس سے معاف کرائے۔ اور اگر اس شخص کو نہ تلاش کر سکے اور نہ کہیں اس کو پاس کے تو اس کی طرف سے خیرات کرے اور ایسے مصرف میں اس کو خرچ کرے جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع اور فائدہ ہو۔ اور اگر کسی کی کل آمدنی حرام ہو تو سب کا خیرات کرنا واجب اور فرض ہے۔ سوائے ستر عورت کے کپڑے کے کسی شے کا اپنی ملک میں رکھنا جائز نہیں۔ جو کیا ہے اس کو بھگتنا پڑے گا۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۳۶۶ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

(۴) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرام مال پر زکوٰۃ نہیں۔ لہذا جس شخص کے پاس سود یا رشوت کا کروڑ روپیہ بھی جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ حلال مال پر واجب ہوتی ہے۔ جو مال سود یا رشوت یا خیانت یا چوری سے حاصل کیا جائے وہ دوسروں کا حق ہے اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو؟ جو شخص حرام مال کا صدقہ کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو اندیشہ کفر کا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں ناپاک اور گندی چیز پیش کرنا اور پھر اس پر اس کی رضا اور خوشنودی کی امید رکھنا کمال بے ادبی اور گستاخی ہے۔

(۵) احکام ربو کو و اتقوا یوماً تن جعون فیہ الی اللہ پر ختم فرمایا تاکہ دنیا اور مافیہا کا فناء اور زوال اور آخرت کی طرف سب کا رجوع کرنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا نظروں میں گھوم جائے اور دنیا کے حریص اور دلدادہ ہوش میں آجائیں۔ دنیا کے مجنوں الحواس کا علاج سوائے آخرت کی یاد کے کچھ نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَى

اے ایمان والو ! جس وقت معاملت کرو ادھار کی کسی

أَجَلٍ مُّسَمًّى فَالْكُتْبَةُ وَلِيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ

دعدہ مقررہ تک ، تو اس کو لکھو۔ اور چاہیے لکھ دے تمہارے

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ

درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے، اور نہ کنارہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے

كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلِيُمِلَّ الَّذِي

جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو وہ لکھے اور بتادے جس پر

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ مِنْهُ

حق دینا ہے اور ڈرے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور ناقص نہ کرے

شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ

اس میں سے کچھ۔ پھر اگر جس شخص پر دینا آیا بے عقل ہے ، یا

ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ

ضعیف ہے یا آپ نہیں بتا سکتا تو بتا دے اس کا اختیار

وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۖ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ

والا انصاف سے اور شاہد کرو دو شاہد اپنے

رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد ، تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

جن کو پسند رکھتے ہو شاہدوں میں ، کہ بھول جاوے ایک عورت

فَتَذَكِّرْ أَحَدَهُمَا الْآخَرَىٰ ۖ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ

تو یاد دلاوے اس کو وہ دوسری اور کفارہ نہ کریں شاہد

إِذَا مَا دُعُوا ۖ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ

جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو یا

كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۖ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ

بڑا ، اس کے وعدہ تک اس میں خوب انصاف ہے اللہ کے ہاں اور درست

لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

رہتی ہے گواہی اور لگتا کہ تم کو شبہ نہ پڑے ، مگر ایسا کہ سودا ہو رو برو

حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

کا پھر بدل کرتے ہو آپس میں تو گناہ نہیں تم پر کہ

أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۖ وَأَشْهَدُوا وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارُّ

نہ لکھو اس کو ، اور شاہد کرو جب سودا کرو اور نقصان نہ کیا

كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۖ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ

جاوے لکھنے والا نہ شاہد ، اور اگر ایسا کرو ، تو یہ گناہ کی بات

بِكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيَعْلَمُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ سب چیز سے

عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا

واقف ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرو ہاتھ

فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةً ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا

میں رکھنی پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہیے

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اُؤْتِيَ مَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ

پورا کرے جس پر اعتبار کیا اپنے اعتبار کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ اِثْمٌ

ہے اس کا اور نہ چھپاؤ گواہی کو اور جو کوئی وہ چھپا دے تو گنہگار ہے

قَلْبُهُ ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

دل اس کا۔ اور اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

احکام قرض و رہن

قَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ - ا لے - - وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (ربط) حق تعالیٰ نے صدقہ اور خیرات کے فضائل کے بعد سود کی مذمت بیان فرمائی اور چونکہ سود کی ضرورت اکثر قرض اور ادھار کی حالت میں پیش آتی ہے۔ اس لیے سود کے بعد قرض اور ادھار کے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ سود سے بیچ جائیں اور مال بھی محفوظ رہے۔ نیز صدقہ اور رہا اور دین تینوں مالی معاملات میں پہلا محض رحمت ہے اور مقتضائے شفقت ہے اور دوسرا محض ظلم ہے اور مقتضائے حرص و ہوا ہے اور تیسرا محض عدل اور انصاف ہے اور مقتضائے مروت ہے اس لیے آئندہ آیات میں دین کے احکام بیان کیے تاکہ حاجتمند کی ضرورت پوری ہو جائے اور قرض دینے والے کا مال ضائع اور تلف ہو جانے سے محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! جب تم کسی سے ایک معین مدت تک ادھار کا معاملہ کیا کرو۔ خواہ قیمت ادھار ہو یا وہ چیز ادھار ہو، جس کا خریدنا مقصود ہے۔ جیسے بیع سلم میں تو اس کو لکھ لیا کرو، تاکہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیش نہ آئے۔ جہور فقہاء کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ لہذا اگر نہ لکھے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ امر وجوبی ہے۔

بیع کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع الدین بالدین یعنی بیع اور قیمت دونوں ادھار فائدہ ہوں۔ یعنی ادھار کو ادھار کے بدلہ میں فروخت کرنا یہ بیع بالاجماع باطل ہے (۲) بیع العین

بالدین یعنی بیع نقد ہو اور قیمت ادھار ہو۔ یہ صورت بالاجماع جائز ہے (۳) بیع الدین بالعین یعنی قیمت نقد ہو اور بیع ادھار ہو اسی کو بیع سلم کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور

لہ قال ابن عباسؓ ہذہ الآیۃ نزلت فی السلم خاصۃ کذا فی تفسیر القرطبی ص ۳ ج ۳۔

پر بیع سلم کی اجازت کے لیے نازل ہوئی۔ مگر بیع سلم کے لیے یہ شرط ہے کہ معاملہ کے وقت مدت اور بیع کی نوع اور قسم اور اس کی مقدار اور نرخ سب مقرر کر لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی نزاع پیش نہ آئے (۴) بیع العین بالعين یعنی بیع اور قیمت دونوں نقد ہوں۔ حق جل شانہ نے بیع کی اس قسم کو آئندہ آیت میں تجارت حاضرہ سے تعبیر فرمایا ہے کما قال تعالیٰ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُوْنَهَا يَنْتِكُمُوْا فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَكْتَبُوْهَا۔ جس کا حکم یہ فرمایا کہ تجارت حاضرہ میں بیع سلم کی طرح دستاویز لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ دو گواہوں کی گواہی کرالینی چاہیے کہ کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان یہ دستاویز نہایت انصاف سے لکھے کہ نہ اس میں کوئی کمی کرے اور نہ زیادتی اور نہ کسی کی رعایت کرے۔ اور جو شخص لکھنا جانتا ہو اس کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھایا۔ پس اس نعمت کے شکر یہ میں چاہیے کہ دوسروں کو اپنی کتابت سے نفع پہنچائے۔ احسن کما احسن اللہ الیلک لہذا اور جو شخص اس سے ذبیقہ اور دستاویز لکھوانا چاہے، تو اس کا تب کو چاہیے کہ لکھ دے۔ اور اس دستاویز اور ذبیقہ کا املار وہ شخص کرائے کہ جس کے ذمہ حق واجب ہے۔ یعنی جس کے ذمہ دین اور قرض ہے وہ خود لکھوائے تاکہ اس کا اقرار آئندہ خود اس پر حجت ہو۔ بخلاف قرض خواہ کے کہ اس کے قول کا اعتبار نہیں، جب تک خود قرض دار یعنی مقرض اور مدیون اقرار نہ کرے یا ثبوت شرعی کے بعد حاکم حکم نہ کرے۔ اور چاہیے کہ لکھوانے والا یا لکھنے والا اپنے پروردگار سے ڈرے اور لکھوانے اور لکھنے میں حق سے ذرہ برابر کمی نہ کرے یعنی ٹھیک ٹھیک لکھے پس اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے۔ یعنی جس کے ذمہ دین آتا ہے وہ کم عقل ہو۔ یعنی دیوانہ یا دل چلا ہو کہ اندھا دھند خرچ کرتا ہو اور انجام نہ سوچتا ہو، جیسے مُبَذِّر (بے جا صرف کرنے والا) یا ضعیف البدن ہو۔ یعنی کم عمر ہو یا بہت بوڑھا ہو کہ اس کی عقل میں فتور آگیا ہو یا کسی اور وجہ سے خود نہ لکھوا سکتا ہو مثلاً گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو یا قید میں ہو یا بیمار زیادہ ہو یا ایسی جگہ ہو کہ جہاں کا تب نہ ہو یا پردہ نشین عورت ہو کہ وہ کا تب کے سامنے نہیں آ سکتی تو ایسے حالات میں اس کا مختار اور کارگذار ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوادے۔ اور لکھوانے اور معاملہ کے قلمبند ہو جانے کے بعد احتیاطاً اپنے مردوں میں سے دو گواہ بھی بناو یعنی دو آزاد مسلمان بالغوں کو گواہ بناؤ۔ غلام اور کافر اور بچہ کو گواہ نہ بناؤ۔ کیونکہ جب کتابت کے ساتھ شہادت بھی مل جائے گی تو نزاع اور مخاصمت کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے گا اور اگر گواہی کے لیے دو مرد بیسر نہ آئیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لیے کافی ہیں۔ بشرطیکہ یہ سب ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم گواہ بنانے کے لیے پسند کرتے ہو۔ یعنی ثقہ اور امین ہوں۔ فسق و فجور اور بے مروتی سے متہم نہ ہوں اور نہ دونوں میں کوئی ایسی قرابت ہو جو کہ شبہ اور تہمت کا باعث ہو۔ اور ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کا ہونا اس لیے شرط کیا گیا کہ شاید ایک عورت اپنی فطری غفلت اور ذاتی قصور عقلی کی وجہ سے واقعہ شہادت کے کسی جز کو بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلادے۔ اور اس طرح شہادت کا مضمون مکمل ہو جائے

حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں عجب نہیں کہ مجموعہ بنی آدم میں من اولہم الی آخرہ مرد و تہائی عورتیں اور ایک تہائی مرد ہوں اور حکم ازلی نے باعتبار جہت تقابل کے بھی وہی حاب للذکر مثل حظ الانثیین بٹھا کر ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا ہو اور گواہوں کو جب گواہی دینے کے لیے یا گواہ بنانے کے لیے بلایا جائے تو ان کو چاہیے کہ انکار نہ کریں۔ کیونکہ گواہ بننے میں اپنے بھائی کے حق کی حفاظت اور اعانت ہے اور گواہ بننے کے بعد گواہی نہ دینے میں اپنے بھائی کی حق تلفی ہے۔ اور حق کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خواہ وہ حق چھوٹا ہو یا بڑا۔ شروع وقت سے لے کر اخیر میعاد تک اس کو لکھ لیا کرو یہی بات اللہ کے نزدیک نہایت منصفانہ اور عادلانہ ہے۔ اور نیز شہادت کے قائم اور محفوظ رکھنے میں نہایت معین اور مددگار ہے نیز اس بات کے بہت قریب ہے کہ تم گواہی دینے کے وقت کسی شک اور شبہ میں نہ پڑو۔ نہ قرض کی مقدار میں اور نہ اس کی جنس اور نوع میں اور نہ اس کی مدت وغیرہ میں۔ ان وجوہ کی بناء پر ہر حالت میں لکھ لینا نہایت بہتر ہے۔ مگر اس وقت کہ جب معاملہ دست بدست ہو جس کا تم آپس میں نقد لین دین کر رہے ہو۔ بیع بھی نقد ہو اور دام بھی نقد ہو۔ تو ایسی صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اس معاملہ کو نہ لکھو کیونکہ جب معاملہ نقد ہے اور بیع اور قیمت کوئی شے ادھار نہیں، تو ایسی صورت میں بظاہر کسی نزاع اور خصومت کا احتمال بعید ہے اس لیے لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن مستحب یہ ہے کہ جب کبھی تم کوئی خرید و فروخت کیا کرو تو احتیاطاً گواہ بنالیا کرو۔ اگرچہ عوضین نقد ہوں، یعنی اگرچہ سودا دست بدست ہو۔ تب بھی یہی بہتر ہے کہ اس پر گواہ بنالیا جائے تاکہ نواع اور خصومت کا بالکل سد باب ہو جائے۔ اور جس طرح ہم نے کاتب اور شاہد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کرے، اسی طرح تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ لکھنے والے اور گواہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً کاتب اور شاہد اپنے کسی ضروری کام میں مشغول ہوں یا بیمار اور نا طاقت ہوں ایسی حالت میں ان کو لکھنے اور گواہی دینے کی تکلیف نہ دی جائے۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو سمجھ لو کہ یہ تمہارے لیے اللہ کی اطاعت سے خردج کرنا ہوگا، جو کسی طرح تمہارے لیے لائق نہیں اور تم کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں اطاعت سے نکلنے پر پکڑ نہ ہو جائے۔ اور تم اللہ کی اطاعت سے کیسے خارج ہوتے ہو اور اللہ تو تم کو دین اور دنیا کی مصلحتیں سکھاتا اور بتاتا رہتا ہے۔ لہذا تم کو اللہ کی اطاعت سے خارج نہ ہونا چاہیے اور اگر کسی حکم کی مصلحت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے جو حکم دے اس کی اطاعت کرو خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ پہلے جملہ میں تقویٰ کی ترغیب دی اور دوسرے جملہ میں اپنی نعمتِ تعلیم کو ذکر فرمایا اور اس تیسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمتِ شان کو بیان فرمایا۔

لے قال الحسن جمعت هذه الآية (ای ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا) امرین وھما ان لا یتأبیا اذا دعیت الی تحصیل الشہادۃ ولا اذا دعیت الی ادائہا قال ابن عباسؓ ۱۲ تفسیر قرطبی ص ۳۹۸ ج ۳۔

اور اگر سفر کی حالت میں قرض اور ادھار کا معاملہ کرو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی لکھنے والا تم کو میسر نہ آئے۔ تو تم کو لازم ہے کہ جس کا تم نے قرض اور ادھار لیا ہے، قرض کے عوض میں کوئی شے اُس کے پاس رہن رکھ دو کہ جو اُس کے قبضہ میں دے دی جائے۔

ف (۱) سفر کی قید احترازی نہیں کہ قیام کی حالت میں رہن جائز نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بہ نسبت حضر کے سفر میں رہن کی زیادہ حاجت پیش آتی ہے اس لیے آیت میں سفر کا خاص طور پر ذکر فرمایا، ورنہ رہن سفر اور حضر دونوں حالتوں میں بالاجماع جائز ہے اور یہ رہن رکھنے کا حکم اس وقت ہے کہ جب ایک کو دوسرے پر اطمینان نہ ہو۔ اور اگر ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو اور ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو۔ اور رہن اور لکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھتا ہو۔ پس اُس شخص کو چاہیے کہ جس کا اعتبار کیا گیا اور بلا رہن اور بلا لکھے اُس کو قرض دے دیا گیا وہ اپنی امانت یعنی اپنے قرضہ کو پورا پورا ادا کر دے۔ یعنی جس نے اُس کا اعتبار کیا ہے، اُس کا حق پورا پورا ادا کر دے۔

ف (۲) امانت سے قرضہ مراد ہے۔ قرضہ کو امانت سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ مامون ہونے کی وجہ سے بغیر تحریر اور بغیر رہن کے اس کو قرض دے دیا۔ اور اُس کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرے کہ نہ خیانت کرے اور نہ حق کا انکار کرے اور اے گواہو! جس وقت تمہاری شہادت کی ضرورت ہو اور بغیر تمہاری شہادت دیئے کسی کے حق کے ضائع اور تلف ہونے کا اندیشہ ہو، خصوصاً جس وقت بغیر کسی رہن اور بغیر کسی تحریر کے کسی کو کوئی قرض دیا گیا ہو، تو اس وقت تم اپنی شہادت کو مت چھپانا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شہادت کو دل میں چھپا کر رکھتا ہے اور ضرورت کے وقت زبان سے اُس کو ظاہر نہیں کرتا تو بلاشبہ اُس کا قلب بالذات اور بلا واسطہ گنہ گار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کتمان شہادت بلا واسطہ قلب کا فعل ہے جس میں کسی عضو اور جارحہ کو بالکل دخل نہیں۔ اور قلب چونکہ رئیس الاعضاء ہے، اس لیے اُس کی معصیت بھی رأس المعاصی ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولادِ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس وقت تک وہ درست رہتا ہے، تو سارا بدن درست رہتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ وہ ٹکڑا "دل" ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ اور واقف ہے۔ تمہارے گواہی دینے اور نہ دینے اور شہادت کے چھپانے اور ظاہر کرنے کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ جو شہادت تم نے دل میں چھپائی ہے اگرچہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

مستلک ۱- **وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ** میں گواہ بنانے کا حکم استجبائی ہے۔

مستلک ۲- سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لیے دو ثقہ آدمیوں کی گواہی کافی

ہے۔ البتہ زنا کی شہادت کے لیے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے کیونکہ زنا کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے اس لیے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہوئی کہ گویا دو گواہ مرد کے زنا کے لیے اور دو گواہ عورت کے زنا کے لیے۔ نیز شریعت کا مقصود پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔

مسئلہ ۳ | پھر سوائے زنا کے حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی کافی ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی گواہ عورت نہ ہو۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں زہریؒ سے منقول ہے مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفین بعده ان لا شہادۃ للنساء فی الحدود یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

باقی ان کے سوا اور تمام معاملات میں خواہ مالی ہو یا غیر مالی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔

يَلٰٓهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔

وَ اِنْ تَبَدَّلَا مَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ

اور اگر کھولو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے۔

يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ ۝ اللّٰهُ ۝ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

حساب لے گا تم سے اللہ پھر بخشنے گا جس کو چاہے،

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۝ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

اور عذاب کرے گا جس کو چاہے، اور اللہ سب چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۲۸۳﴾ اَمِّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

قادر ہے۔ مانا رسول نے جو کچھ اُترا اس کو اس کے رب کی طرف

وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ

سے اور مسلمانوں نے۔ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو

وَرُسُلِهِ قَفْ لَا تَفْرِقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ قَفْ وَقَالُوا

اور رسولوں کو ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں اور بولے

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۸۵﴾

ہم نے سنا اور قبول کیا، تیری بخشش چاہیے اے رب ہمارے! اور تجھی تک رجوع ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو، مگر جو اس کی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے جو کیا

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا

اور اُسی پر پڑتا ہے جو کیا، اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں

أَوْ أَخْطَأْنَا ط رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إصْرًا كَمَا

یا چوکیں، اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا

حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ط رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا

رکھا تھا تو نے اگلوں پر، اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے

لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ط وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا قَفْ

جس کی طاقت نہیں ہم کو اور درگزر کر ہم سے اور بخشش ہم کو اور رحم کر ہم پر

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾

تو ہمارا صاحب ہے، مدد کر ہماری قوم کافر پر۔



خاتمہ سورۃ

مشتمل بر تذکیر حلال خداوندی و عظمت و کبریا و محاسبہ آخرت و تلقین ایمان
و سمع و طاعت و تعلیم عافہ دارین و آخرت عفو و مغفرت و دنیا فتح و نصرت

قال تعالیٰ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ... الے .. فَاَنْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ ۔
(ربط) یہ رکوع، سورۃ بقرہ کا آخری رکوع ہے جس پر سورۃ بقرہ ختم ہو رہی ہے۔ یہ عجیب خاتمہ
ہے جس کو اول سورت سے بھی خاص ربط ہے اور آخر سورت سے بھی اور درمیان سورت سے بھی
اور مجموعہ سورت سے بھی۔

ان آیات سے پہلے جو آیتیں گزریں ان میں کتمان شہادت کو دل کا گناہ بتلایا تھا۔ اب ان آیات
میں اس امر کو بیان فرماتے ہیں کہ قلب کے کن افعال پر مواخذہ ہے اور کن پر نہیں۔ نیز گزشتہ آیات
میں یہ حکم دیا تھا کہ امانت میں خیانت نہ کرو اور اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اُس کے عذاب اور مواخذہ
سے ڈرتے رہو۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور اس کی قدرت اور اُس کے محاسبہ اور
مواخذہ کو بیان فرماتے ہیں۔ اور ابتداء سورت سے یہ مناسبت ہے کہ ابتداء سورت میں متقین کی
صفات کا ذکر تھا کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
سب کی بلا تفریق کے تصدیق کرتے ہیں اور آخرت کا خاص طور پر یقین رکھتے ہیں اور عبادات بدنیہ اور
مالیہ کو دل و جان سے بجالاتے ہیں۔ اب اس سورت کے آخری رکوع میں پھر انہی متقین کی مدح ہے۔
اور اُن کی سمع و طاعت اور بارگاہ خداوندی میں اُن کی دالہانہ دعا اور مناجات کا تذکرہ ہے۔ نیز ابتداء
سورت میں ایمان بالغیب کا ذکر تھا کہ یہ پرہیزگاروں کا گروہ محض خدا اور رسول کے اعتماد پر بے دیکھی
چیزوں پر ایمان رکھتا ہے مگر اس غیب کی تفسیر مذکور نہ تھی کہ غیب سے کون کون سی چیزیں مراد تھیں۔ اب
اس آخری رکوع میں اُس غیب کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ غیب سے اللہ تعالیٰ اور اس کے
فرشتے اور اُس کے نازل فرمودہ صحیفے اور کتابیں اور تمام پیغمبر مراد ہیں۔ گویا کہ کُلُّ اَمِّنْ بِاللّٰهِ
وَمَلَائِكَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ اِنَّ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغِیْبِ کی تفسیر ہے۔ یعنی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغِیْبِ
میں لفظ غیب سے ان چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ
کے شروع میں اس کی توضیح گذر چکی ہے دوبارہ دہاں دیکھ لیا جائے اور قَالُوا سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا یہ

لفظ یَقِیْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کی تفسیر ہے اور غُفِرَ اَنْتَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ اور رَبَّنَا لَا تَوَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا الْحِیْنَ یعنی معافی اور مغفرت اور رحمت کی درخواست یہ سب وِیَالَا خَوْفٌ هُمْ یُوْقِیْنُوْنَ کی تفسیر ہے۔ اور ایمان اور تقویٰ کے ساتھ قوم کا فرین پر فتح اور نصرت۔ یہ ہدایت بھی ہے اور دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی بھی ہے گویا کہ یہ مضمون اَوَّلِیْکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَبِّهِمْ وَ اَوَّلِیْکَ هُمْ الْمُفْلِحُوْنَ کی تفسیر ہے۔ اور یہی مضمون درمیان سورت بیان کیا گیا تھا۔ یعنی لَیْسَ السَّبْرُ اَنْ تَوَلَّوْا وُجُوْهُکُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لَکِنَّ السَّبْرَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلَائِکَةِ وَ الْکِتَابِ وَ النَّبِیِّنَ الخ میں یہی مضمون تھا جو اس آخری رکوع میں مذکور ہے۔ غرض یہ کہ سورت کی ابتدا بھی مسئلہ ایمان کی تحقیق اور متقین کی مدح سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی اسی مضمون پر ہوئی اور وسط میں بھی ایک عجیب عنوان سے اسی مسئلہ کو بیان فرمایا اور یہ بلاغت کی انتہا ہے کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک کلام یکساں ہو۔ اول اور آخر اور وسط سب ایک دوسرے سے مرتبط اور متناسب ہوں۔

اور اسی سورت کا دل آیت انکرسی ہے جس میں حق جل شانہ کی صفت حیات اور قیومیت کا بیان تھا اور مومن کی باطنی اور روحانی حیات اور قیومیت کا دار و مدار ایمان اور اطاعت پر ہے جس کا اس رکوع میں تفصیل کے ساتھ بیان ہے۔

اور مجموعہ سورت کے ساتھ یہ ربط ہے کہ یہ سورت معاش اور معاد کے متعلق ہمیشہ ہمہ قسم کے احکام پر مشتمل ہے اس لیے مناسب ہوا کہ خاتمہ احکام پر حق جل شانہ کی مالکیت اور اس کے احاطہ علم و قدرت اور اس کے محاسبہ اور مواخذہ کو ذکر کیا جائے تاکہ احکام خداوندی کی تعمیل میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا فِی الْاَرْضِ مَآثِرَ الْمُنٰفِقِیْنَ۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے جس میں تمہارا دل اور اس کے خطرات بھی داخل ہیں۔ وہی ان سب کائنات کا مالک ہے کیونکہ اسی نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ کما قال تعالیٰ اَکَلٰ یَعْلَمُ مَنۢ خَلَقَ وَ هُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ اور جب تم یہ سمجھ گئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت اور خالقیت تمام کائنات کو محیط ہے، اسی طرح اس کا علم قدیم بھی تمام کائنات کو ہر اعتبار سے محیط ہے۔ تو اب یہ سمجھو کہ جو اخلاق اور اعمال تمہارے دل اور ضمیر میں مضمر اور پوشیدہ ہیں، اُن کو زبان یا اعضاء اور جوارح سے ظاہر کرو یا دل ہی میں چھپائے رکھو، اُن سب پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم سے حساب لے گا اور پھر محاسبہ کے بعد جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ جس ظاہر اور پوشیدہ کو چاہے گا معاف کرے گا اور جس پر چاہے گا سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اگر چاہیں تو صغیرہ پر بھی عذاب دے سکتے ہیں اور چاہیں تو کبیرہ کو بھی بلا توبہ ہی معاف فرما دیں۔ تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اعمال قلبیہ اور قلوبیہ

اور افعال نفسانیہ اور جسمانیہ خواہ صغائر ہوں یا کبائر سب پر محاسبہ حق ہے اور جزاء اور سزا سب اللہ کے اختیار ہیں۔ کوئی شئی اُس پر واجب نہیں۔

جب یہ آیت یعنی وَإِنْ تَبْذُرُوا مَارْفُتٌ أَفُنْسِكُمْ أَوْ تَخْفُزُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام الفاظ کے ظاہری عموم کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اس لیے کہ ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دل کے خیالات پر بھی حساب ہوگا۔ اس لیے صحابہؓ نے حضورؐ پر تور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم سخت مشکل ہے اختیاری امور سے تو بچ سکتے ہیں مگر خطرات قلبیہ اور غیر اختیاری دوسو سوں سے بچنا مشکل ہے۔

حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اس قول کو سُن کر یہ فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو اور دل و جان سے اس کے حکم کو قبول کرو۔ یعنی اہل کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا نہ کہو بلکہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانُكَ رَبَّنَا وَإِنَّكَ الْمُصِيبُ پڑھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظارِ وحی میں از خود آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہؓ کو ادب کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ صحابہؓ نے فوراً ہی سَمِعْنَا اور أَطَعْنَا کہا اور کلمات ایمان دل و جان سے کہے۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ بات پسند آئی۔ اس پر آئندہ آیتیں یعنی اَمِنْ الشَّيْءِ سَوَّلُ الْخِزْيَانِ نَزَلَ هُوَ فِي هَذِهِ آيَاتٍ فِي هَذِهِ آيَاتٍ اور تفصیل کے ساتھ ان کے ایمان اور ان کی اطاعت کو بیان فرمایا تاکہ اُن کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عشاق اور محبین کے دلوں میں جو خلیجان اور اضطراب تھا وہ دور ہو جائے اور پھر ان کی اس مدح کے بعد اُن کے اس خلیجان اور اشکال کا جواب جو اُن کو پیش آیا تھا لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ سے ذکر فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلف نہیں۔ لہذا دل میں جو گناہ کا خیال اور خطرہ آجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے۔ اور علیٰ ہذا بھول چوک پر بھی کوئی مواخذہ نہیں، البتہ جو باتیں بندہ کی قدرت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔

مدح اہل ایمان

ایمان لائے پیغمبر تمام اس چیز پر جو ان کے رب کی طرف سے اُن کی جانب اتاری گئی اور آپ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ کے تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے سب کے سب یعنی رسول اور تمام مؤمنین ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے تمام فرشتوں پر اور اُس کی تمام کتابوں پر اور اُس کے تمام پیغمبروں پر جن کے واسطے سے ہم تک اللہ کے احکام پہنچے۔ اللہ کی کتابیں اور اس کے پیغمبروں کی شریعتیں اگر چہ فروغی اور وقتی مسائل میں کچھ مختلف ہیں لیکن ہم ایمان لانے میں پیغمبروں کے درمیان

تفریق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ یہود کا شیوہ رہا کہ بعض کو نہ مانا۔ اور جو احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اُن کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرے احکام کو سنا اور دل و جان سے اُن کو قبول کیا۔ اور اے پروردگار چونکہ ہم سراپا تقصیر ہیں سہو و نسیان ہمارے خمیر میں پڑا ہے اس لیے اے پروردگار تیری مغفرت اور بخشش کے طلب گار ہیں۔ ہمارا کوئی عمل بھی کوتاہی سے خالی نہیں۔ اور کیسے تجھ سے مغفرت کی درخواست نہ کریں کیونکہ مرنے کے بعد آپ ہی کی طرف لوٹنا اور آپ ہی کے سامنے پیش ہونا ہے۔

بیان مدار تکلیف بعد از بیان مدح و توصیف

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

صحابہؓ کی مدح اور توصیف کے بعد تکلیف شرعی کے دار و مدار کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ان کا شبہ اور غلبان دور ہو۔ صحابہؓ کو شبہ یہ تھا کہ کیا نفوس اور قلوب کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ سے نفوس کے اختیاری افعال مراد ہیں غیر اختیاری افعال مراد نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کا کسی کو مکلف اور پابند نہیں بناتے مگر بقدر اس کی طاقت اور گنجائش کے اس لیے کہ جس چیز کا مادہ ہی مکلف میں نہ ہو اس کی تکلیف خدا تعالیٰ کی طرف سے متصور نہیں در نہ پھر انسان معذور تھا کون نہیں جانتا کہ کان سے آنکھ کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہر نفس کو ثواب اور عذاب، نفع اور ضرر اس کے مطابق ہوگا جو اس نے اپنی قدرت اور اختیار سے کیا اور کمایا ہے۔ لہذا جو باتیں تمہارے دلوں میں بے اختیار گزرتی ہیں ان پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جس چیز کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس پر نہ ثواب ہے اور نہ عذاب۔

البتہ وہ امور ذیلہ جو تم نے اپنے دلوں میں اپنے اختیار سے چھپا رکھے ہیں جیسے تکبر اور حسد اور کینہ اور حرص اور طمع اور ریا اور نفاق اُن پر محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔ اور جو اخلاق پسندیدہ ہیں مثلاً اخلاص اور صبر اور توکل اور شکر اور قناعت وغیرہ وغیرہ، قیامت کے دن اُن پر اجر ملے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کی تشفی ہو گئی اور پہلی آیت سن کر جو صدمہ ہوا تھا وہ دور ہو گیا اور غلبان مذکور کا فور ہو گیا۔

تعلیم عاج جامع متضمن لفلاح دارین

گزشتہ آیات میں حق جل شانہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مومن کی شان سمع و طاعت ہے اور

اپنی تقصیرات پر طلب مغفرت ہے اور بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طاقت اور مقدور سے زیادہ کسی کو اپنے احکام کا مکلف اور پابند نہیں بناتے اور قیامت کے دن محاسبہ اور مواخذہ انہی افعال پر ہوگا جو اختیاری ہیں غیر اختیاری امور پر محاسبہ اور مواخذہ نہ ہوگا۔

اب آئندہ آیت میں ایک جامع دعا کی تعلیم فرماتے ہیں۔ جس میں خطا اور نسیان کے حکم کی طرف بھی اشارہ ہے اس لیے کہ خطا اور نسیان اگرچہ بظاہر غیر اختیاری ہیں اور داخل تکلیف نہیں لیکن من وجہ اختیاری بھی ہیں، اس لیے کہ بسا اوقات خطا اور نسیان غفلت اور کوتاہی اور بے توجہی اور بے احتیاطی کی بنا پر پیش آتا ہے اور بے توجہی اور لا پرواہی انسان کا اختیاری فعل ہے۔ اس لیے عقلاً اور شرعاً خطا اور نسیان پر بھی مواخذہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر خادم سے کسی غفلت اور بے توجہی کی بنا پر کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس پر مواخذہ اور باز پرس ہوتی ہے کہ یہ غلطی کیوں ہوئی اور حضرت آدمؑ کے قصہ میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد فَنَسِيَ وَ لَمْ يَجِدْ لَهُ عَزْمًا بھی اس کا مؤید ہے۔ اور اسی وجہ سے شریعت نے بہت سے مواضع خطا میں دیت اور ضمان کو واجب قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ خطا انسان کے تساہل اور عدم احتیاط کی بنا پر پیش آئی ہے جو انسان کا فعل اختیاری ہے اور داخل تکلیف ہے اور قابل مواخذہ ہے۔ اس لیے حق جل شانہ نے ہم کو یہ دعا سکھائی کہ اپنی تقصیرات کو پیش نظر رکھ کر اس طرح دعا مانگا کر دے۔ اے ہمارے پروردگار تیرا حق عبودیت اور حق ربوبیت ہم سے کہاں ادا ہو سکتا ہے۔ بھول چوک ساتھ لگی ہوئی ہے اس لیے تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اگر ہم تیرے کسی حکم یعنی امر و نہی کو بھول جائیں اور بھولے سے اُس کی تعمیل نہ کر سکیں یا کسی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر چوک جائیں کہ امر کو نہی اور نہی کو امر سمجھ جائیں یا ٹھیک عمل کرنے میں غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ اور دار گیر نہ فرما۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ خطا اور نسیان پر مواخذہ عقلاً و شرعاً ممتنع نہیں۔

فائدہ نشہ آور چیزوں کے استعمال سے غیر اختیاری طور پر افعال کا صدور ہوتا ہے۔ مگر عقلاً و شرعاً شراب پینے والا مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ افعال اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر ان غیر اختیاری افعال کا سبب تو فعل اختیاری ہے یعنی نشہ آور چیز کا استعمال۔ اس شخص نے اپنے اختیار کے بے محل استعمال سے حفاظت کیوں نہیں کی اس لیے قابل مواخذہ ہے۔ نسیان اگرچہ بالذات غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب عموماً اختیاری ہوتا ہے اسی وجہ سے بسا اوقات بھولنے والے پر لاابالیت اور بے پروائی کا الزام عائد کرتے ہیں اور خطا کار پر سہل انگاری اور بے احتیاطی اور بے توجہی کا الزام رکھتے ہیں۔

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

لا توأخذ ان نسينا شد گواہ کہ بود نسیاں بوجھے ہم گناہ
زانکہ استکمال تعظیم اد نکرد ورنہ نسیاں در نیا در دے نبرد

گرچہ نسیاں لابدونا چارہ بود
چوں تہا دن کرد در تعظیمہا
ہیچو مستے کو جنتیہا کند
گویش لیکن سبب لے زشت کار
در سبب و زیدن او مختار بود
تا کہ نسیاں زاد با سہو و خطا
گوید او معذور بودم من ز خود
از تو بد در رفتن آں اختیار
بیخودی نامہ بخودتش خوانندہ
اختیار از خود نشدتش راندہ
(شعری دفتر پنجم ص ۲۱۷)

اے پروردگار اور مت رکھ ہمارے سروں پر احکام شاقہ کا بار گراں جیسا کہ آپ نے رکھا تھا ہم سے پہلے لوگوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے پہلی امتوں کے متکبرین اور سرکشوں پر شدید اور سخت احکام اتارے تھے۔ ایسے سخت احکام کے متعلق درخواست ہے کہ اے اللہ ہم پر پہلی امتوں کی طرح سخت احکام نہ نازل فرما کہ بجا لانا ہم کو دشوار ہو۔ اے پروردگار اور مت رکھ ہمارے سروں پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ یعنی ہماری طاقت اور قوت سے بڑھ کر ہم کو مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا نہ فرما۔

ف (۱) پہلی دعا یعنی وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا أَصْرًا تشریعیات کے متعلق تھی ہم کو تکالیف شاقہ کا مکلف نہ بنا۔ اور پہلی امتوں کی طرح ہم پر سخت احکام نازل نہ فرما اور یہ دوسری دعا یعنی وَ لَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ یہ دعا تکنیاتیات کے متعلق ہے یعنی تکنیکی اور تقدیری طور پر ہم پر ایسی مصیبتیں اور بلائیں نازل نہ فرما جو کہ ہماری طاقت اور تحمل سے باہر ہوں۔

تشریعیات اور تکنیاتیات میں فرق یہ ہے کہ انسان تشریعیات کا مکلف ہے اور تکنیاتیات کا مکلف نہیں مگر دعا کی تعلیم دونوں کے لیے کی گئی۔ اور اے پروردگار چونکہ احکام شاقہ اور ناقابل برداشت مصائب کے نزول کا سبب بھی ہمارے ہی گناہ ہیں۔ اس لیے تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری پردہ پوشی فرما۔ دنیا اور آخرت کی ذلت سے ہم کو بچا اور عفو اور مغفرت کے بعد آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر مہربانی اور احسان بھی فرما۔ آپ ہی ہمارے آقا اور ولی نعمت اور دوست ہیں۔ اور ہم آپ کے غلام اور نام لیا اور محب اور عاشق ہیں۔ وَقَالَ تَعَالَى ذَٰلِكَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ لَهُمُ فِي الْحَدِيْثِ الشَّرِيْفِ اللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُم۔

پس آپ ہماری اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں خاص مدد کیجیے یعنی کافر قوم کے مقابلہ میں ہم کو فتح و نصرت عطا فرمائیے۔ کافروں کی قوم آپ کی اور آپ کے دین کی اور آپ کے پیغمبروں کی اور آپ کے دوستوں کی دشمن ہے اور مولے اور آقا اپنے غلاموں کا اور محبوب اپنے عاشقوں کا حامی اور مددگار ہوتا ہے۔ لہذا آپ سے یہ درخواست ہے کہ اپنے دوستوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمائیے۔ تاکہ بے کھٹکے تیری

عبادت کر سکیں اور بلا کسی دغدغہ کے تیرے قانون کو جاری کر سکیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔
ف لَوْلَمْ تُرْدِئِلْ مَا نَرُجُو وَتَطْلُبُهُ مِنْ فَيْضِ جُودِكَ مَا عَلَّمْنَا الطُّلُبَا

اگر ہماری اس درخواست کے منظور کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو ہم کو درخواست کرنا ہی نہ سکھاتے اور نہ درخواست کرنے کا حکم دیتے۔

ایں دعا از تو اجابت ہم نہ تو لطف تو برما نوشتہ صد نکو

معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ جب سورۃ بقرہ ختم کرتے تو آمین کہتے۔

الحمد للہ آج ۱۰ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ یوم دوشنبہ بوقت چاشت مقام لاہور میں سورۃ بقرہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کی تمیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ آمِین یا رَبَّ الْعَالَمِینَ بِرَحْمَتِكَ

یا أَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ۔ یا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

الحمد للہ آج ۱۱ محرم الحرام یوم سہ شنبہ ۱۳۸۳ھ کو نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد والمنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تفسیر سورۃ آل عمران

آیاتہا ۲۰ : ۳ : سورۃ آل عمران مکیہ : ۸۹ رکوعہا ۲۰

یہ سورت مدنیہ ہے جس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ چونکہ اس سورت میں آل عمران کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ آل عمران ہے اور اس سورت کا نام مجادلہ بھی ہے اس لیے کہ یہ سورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مجادلہ اور مباحثہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ عنقریب شان نزول سے واضح ہوگا

(رابط) اس سورت کو سورۃ بقرہ کے ساتھ متعدد وجوہ سے ربط ہے۔

وجہ اوّل

سورۃ بقرہ کی ابتداء کتاب الہی کے ذکر سے ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا کہ کس نے کتاب الہی سے ہدایت حاصل کی اور کس نے اُس سے اعراض کیا۔ اسی طرح اس سورت کا آغاز بھی کتاب الہی کے ذکر سے ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ سلیم الطبع لوگوں نے اُس کی ہدایت کو قبول کیا اور زانغین اور کج طبیعتوں نے بجائے محکمات کے متشابہات کی پیروی کی اور اپنے مطلب اور خواہش اور غرض کے مطابق آیات الہیہ کی تاویلیں کیں اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ایسے لوگ اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق کہلاتے ہیں اور ملحد اور زندیق شریعت میں منافق کے حکم میں ہے۔ سورۃ بقرہ کے شروع میں منافقین کا ذکر تھا اور اس سورت میں ملحدین اور زندیقین کا ذکر ہے جس کو حق جل شانہ نے زانغین کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

زنیغ کے معنی میلان اور انحراف کے ہیں اور ملحد وہ شخص ہے جو دین میں ٹیڑھی راہ چلتا ہو۔ صراط مستقیم یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ سے ہٹا ہو اور صحابہ اور تابعین کے خلاف آیات کے نئے نئے معنی بیان کرتا ہو جو شخص آیات قرآنیہ کے ایسے معانی بیان کرے جو الذین اذعنمت یعنی صحابہ و تابعین کے سمجھے ہوئے کے خلاف ہوں اور اس زمانہ کے معصوب علیہم اور ضالین یعنی یہود اور نصاریٰ کے تہذیب اور تمدن کے مطابق ہوں تو یقین کر لو کہ یہ شخص بلاشبہ صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے اور حسب ارشاد باری و اُمّ الذین فی قلوبہم زنیغ میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہنا چاہیے یعنی ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پرہیز کرو۔

وجہ دوم

ربط کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں زیادہ تر محاجہ اور مباحثہ یہود سے تھا اور سورۃ آل عمران میں محاجہ اور مباحثہ زیادہ تر نصاریٰ سے ہے اور یہود چونکہ نصاریٰ سے مقدم ہیں اس لیے سورۃ بقرہ کو سورۃ آل عمران سے پہلے لایا گیا۔

وجہ سوم

سورۃ بقرہ میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا ذکر تھا اور اس سورت میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر ہے۔ وَقَالَ تَعَالَى إِنَّمَا مَثَلُ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ۔

وجہ چہارم

ہر سورۃ کا خاتمہ ایک خاص دُعا پر ہوا سورۃ بقرہ کا خاتمہ کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا پر ہوا جو دین کی ابتدائی حالت کے مناسب ہے اور سورۃ آل عمران کا خاتمہ دُعا برحسب ثواب اور جزاء اعمال اور ایفاء مواہب کی درخواست پر ہوا جو مومنین متقین کے مناسب ہے جن کا ذکر سورۃ بقرہ کے شروع میں تھا۔

وجہ پنجم

سورۃ بقرہ کی ابتداء متقین اور مفلحین کے ذکر سے ہوئی اور اس سورۃ کا خاتمہ متقین اور مفلحین کے ذکر پر ہوا۔ کما قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اسی طرح سے اس سورت کی نہایت پہلی سورت کی ہدایت میں مندرج ہو گئی اور سورۃ آل عمران کا اختتام سورۃ بقرہ کے افتتاح میں مندرج ہو گیا قرآن کریم جس طرح علوم و معارف اور فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اسی طرح باعتبار ربط کے بھی حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے۔

نکتہ

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا نام احادیث میں زہراؤین آیا ہے جس کے معنی دو روشن سورتوں کے ہیں۔ سورتیں تو ساری ہی روشن ہیں مگر گمان یہ ہے کہ شاید سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کے انوار اور تجلیات باہم ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام زہراؤین رکھا گیا ہو اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سورۃ بقرہ اور آل عمران کے قرأت اور تلاوت پر قاری کو ایک نور تام عطا کیا جائے گا۔ نیز سنن ابی داؤد وغیرہ میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے سورۃ بقرہ کی یہ آیت وَاللَّهُمَّ اِنَّا نَعْبُدُكَ لَا اِلَهَ اِلَّا انتَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اور سورۃ آل عمران کی یہ آیت اِنَّ اللّهَ لَکَالِه

إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اور یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ نیز اس سورت کا آغاز آیۃ الکرسی سے ملتا جلتا ہے جو قرآن کا دل ہے پس عجب نہیں کہ اس اشترک کی وجہ سے بھی ان دونوں سورتوں کو زہرا وین کہا گیا ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان ہے رحم والا

الْم ۱ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۲ نَزَّلَ

اللہ! اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جیتا ہے۔ سب کا تھامنے والا۔ اتاری

عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

تجھ پر کتاب تحقیق، ثابت کرتی اگلی کتاب کو

وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى

اور اتاری تھی توریت اور انجیل - اس سے پہلے لوگوں کی

لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۴ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہدایت کو، اور اتارا انصاف جو لوگ منکر ہیں

بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۵ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو

اللہ کی آیتوں سے ان کو سخت عذاب ہے - اور اللہ زبردست ہے

اِنْتِقَامٍ ۶ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ

بدل لینے والا۔ اللہ اس پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ

اور نہ آسمان میں - وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں،

كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۶

جس طرح چاہے۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، زبردست حکمت والا۔

اثباتِ توحید و بیانِ محکم در ابطالِ الوہیت عیسیٰ بن
مریم و مناظرۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بانصارتے نجران

قال الله تعالى لا اله الا هو الحي القيوم... الى... هو العنيز الحكيم...
محمد بن اسحاق وغیرہ سے منقول ہے کہ سورہ آل عمران کے شروع کی تراسی آیتیں نصارتے نجران
کے بارے میں نازل ہوئیں۔ نجران۔ علاقہ یمن میں ایک شہر کا نام ہے جو اس زمانہ میں عیسائیوں کا
علمی مرکز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی خبر جب اطراف اور اکناف
میں پہنچی تو یہ خبر سن کر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد۔ مناظرہ اور مباحثہ کے لیے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اس وفد میں ساٹھ سوار تھے جن میں
سے چودہ آدمی خاص طور پر بڑے شریف اور معزز تھے اور ان چودہ آدمیوں میں تین شخص
ایسے تھے جو ان کا مزاج الاسرتھے یعنی سب کا مادی اور ملجائے تمام کام انہیں تین کے
مشورہ سے ہوتے تھے۔

ایک ان کا امیر اور سردار تھا جس کا نام عبدالمسیح تھا جو بڑا زیرک اور ہوشیار اور ذی رائے
تھا۔ اور دوسرا اس کا وزیر و مشیر جس کا نام ایہیم تھا۔ اور تیسرا ان میں کا سب سے بڑا عالم
اور پادری تھا۔ جس کو وہ جبر اور سقفت کہتے تھے اس کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ شاہان روم اس
پادری کی اس کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی توقیر و تعظیم کرتے تھے۔ اور عیسائی بادشاہوں
اور امیروں کی طرف سے اس کو بڑی جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ حضرت مسیح کی الوہیت
اور ابنیت کے قائل تھے اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے جب مدینہ منورہ حضور پر نور کی خدمت
میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں گفتگو شروع ہوئی گفتگو کو نیا لے

یہی تین آدمی تھے عبدالمسیح، ایہم، ابو حارثہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے استدلال میں یہ کہا کہ

- ۱۔ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔
- ۲۔ عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔
- ۳۔ عیسیٰ علیہ السلام غیب کی باتیں بتاتے تھے۔
- ۴۔ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورتیں بناتے اور پھر ان میں پھونک مارتے اور زندہ ہو کر وہ پرند بن جاتے۔

اور ان تمام چیزوں کا قرآن کریم نے اقرار کیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ وہ خدا تھے۔

اور حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے پر اس طرح استدلال کیا کہ

- ۱۔ وہ بلا باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔
- ۲۔ نیز حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں کلام کیا اُن سے پیشتر کسی نے گہوارہ میں کلام نہیں کیا۔ یہ بھی خدا کے بیٹا ہونے کی دلیل ہے۔

اور مسئلہ تثلیث یعنی حضرت عیسیٰؑ کے ثالث ثلاثہ ہونے پر یہ استدلال کیا کہ حق تعالیٰ جا بجا یہ فرماتے ہیں فَعَلْنَا وَ أَمَرْنَا وَ خَلَقْنَا وَ قَضَيْنَا ہم نے یہ کام کیا۔ ہم نے یہ حکم دیا ہم نے یہ پیدا کیا ہم نے یہ مقدر کیا یہ تمام صیغے جمع کے ہیں اور جمع کا اول درجہ تین ہے پس اگر خدا تعالیٰ ایک ہوتا تو صیغہ جمع کا استعمال نہ ہوتا بلکہ بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال ہوتا اور یوں کہا جاتا فَعَلْتُ وَ أَمَرْتُ وَ خَلَقْتُ وَ قَضَيْتُ میں نے حکم دیا۔ میں نے پیدا کیا۔ میں نے مقدر کیا یہ اس مایہ ناز وفد کے استدلالات تھے جس کو اپنے علم پر فخر اور ناز تھا جن کی حقیقت اہل عقل اور اہل فہم کی نظر میں ادہام اور خیالات سے زیادہ نہیں اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات اور ارشادات کو سنئے۔

- ۱۔ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ وَلَدٌ إِلَّا وَهُوَ يَشْبَهُ أَبَاهُ قَالُوا بَلَىٰ
 - ۲۔ قَالَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ إِنَّ رَبَّنَا حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَإِنْ عِيسَى يَأْتِي عَلَيْهِ الْفَنَاءُ قَالُوا بَلَىٰ
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے وفد نے کہا کیوں نہیں۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چون و چگون ہے کوئی شے اس کے مشابہ نہیں۔
- بعد ازاں آپ نے وفد سے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے کبھی بھی اس کو موت نہیں آ سکتی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ضرور موت اور فنا آنے والی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے۔

دفنہ اقرار کیا کہ بے شک یہ صحیح ہے ایک نہ ایک وقت ان پر موت اور فنا ضرور آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ پر موت اور فنا کا طاری ہونا ناممکن اور محال ہے۔

تنبیہ

نصاری کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب و مقتول ہو کر مر چکے ہیں لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے الزام کے لیے یہ نہیں کہا کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو موت آچکی ہے اس لیے کہ یہ امر خلاف واقعہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور چند روز کے بعد وفات پائیں گے۔ جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے واضح ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے وہی کلمہ نکلا جو واقع کے موافق تھا۔ خلاف واقع چیز کا نبی برحق کی زبان سے نکلتا مناسب نہیں اگرچہ اس چیز کا ذکر محض بطور الزام ہو اور عجب نہیں کہ نصاریٰ نے اس کا اقرار اس لیے کیا ہو کہ وہ اتنی بات کو غنیمت سمجھے اور یہ خیال کیا ہو کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق ہم پر الزام اور حجت اور بھی پوری ہو جائے گی۔ نیز نصاریٰ میں مختلف فرقے ہیں ایک فرقہ کا عقیدہ یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بعد وفات پائیں گے۔ پس ممکن ہے کہ اس وفد کے لوگ اسی عقیدہ کے ہوں جو اسلام کے مطابق ہے۔

- ۳۔ قال استمعوا تعلمون ان ربنا
فیما علی کل
شیء یکلؤہ و یحفظہ
و یرزقہ قالوا بلی قال
فہل یملک عیسیٰ من
ذلک شیئا قالوا لا۔
- ۴۔ قال افلستم تعلمون ان
اللہ لا یخفی علیہ شیء
- پھر آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہی ہر چیز کے وجود کو تھا منے والے اور اس کے محافظ اور نگہبان اور رزق رساں ہیں انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ بتلاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک اور قادر ہیں یعنی کیا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی مخلوقات کو وجود عطا کیا ہے اور اپنی قدرت سے ان کے لیے سامان بقا پیدا کیا ہے انہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان چیزوں پر قادر نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ
قَالُوا بَلَىٰ قَالَ فَمَلِّ يَعْزِمُ
عِيسَىٰ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا
أَلَّا مَا عَلِمَ قَالُوا لَا

۵۔ قَالَ فَاَلَمْ يَرَبْنَا صَوَس
عِيسَىٰ فِي الرَّحْمِ كَيْفَ
شَاءَ

۶۔ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَبَّنَا لَا
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَلَا يَشْرَبُ
الشَّرَابَ وَلَا يَمُوتُ وَلَا يَحْدُثُ
الْحَدَثُ قَالُوا بَلَىٰ
۷۔ قَالَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّ
عِيسَىٰ حَمَلَتْهُ امْرَأَةٌ كَمَا تَحْمِلُ
الْمَرْءَةُ ثُمَّ وَضَعَتْهُ كَمَا
تَضَعُ الْمَرْءَةُ وَلَدَهَا ثُمَّ
غَذَىٰ كَمَا تَغْذِي الْمَرْءَةُ
الصَّبِيَّ ثُمَّ كَانَ يَأْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَشْرَبُ الشَّرَابَ
وَيَمُوتُ وَلَا يَحْدُثُ
الْحَدَثُ قَالُوا بَلَىٰ

۸۔ قَالَ فَكَيْفَ يَكُونُ هَذَا كَمَا زَعَمْتُمْ
فَعَرَفُوا ثُمَّ ابْوَا لَا جُحُودًا
فَانزَلَ اللَّهُ - اللَّهُ لَا
إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ - أَخْرَجَهُ
ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ
الْبَيْهَقِيِّ (تفسير در مشور ص ۳ ج ۲)

مخفی نہیں انہوں نے کہا بے شک آپ نے
فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے بجز اس
چیز کے جس کا خدا تعالیٰ نے ان کو علم دے
دیا تھا کوئی اور شے بھی جانتے تھے انہوں
نے کہا کہ نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے
عیسیٰ علیہ السلام کی مریم کے رحم میں اپنی مرضی
کے موافق صورت بنائی۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نہ کھاتا ہے
اور نہ پیتا ہے اور نہ پاخانہ اور پیشاب کرتا
ہے انہوں نے کہا بے شک۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ
عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی طرح حاملہ ہوئیں
جس طرح ایک عورت اپنے بچہ کو پیٹ میں
رکھتی ہے اور پھر اس کو جنمتی ہے اسی طرح
عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور بچوں کی
طرح ان کو غذا دی گئی اور پھر بڑے ہوئے
اور وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور پیشاب
اور پاخانہ کرتے تھے انہوں نے کہا بے شک
ایسے ہی تھے۔

آپ نے فرمایا کہ جب تم کو ان سب باتوں
کا اقرار ہے تو بتاؤ کہ ایسا ہو کر عیسیٰ خدا کیسے
ہوئے جیسا تمہارا گمان ہے پس آپ کے اس
ارشاد سے ان لوگوں نے حق کو خوب پہچان لیا۔
مگر جان بوجھ کر انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ
نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اَللّٰهُ لَا
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

اَللّٰهُ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

الوہیت اور خدائی اسی کے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ (۱) وہ بذاتہ زندہ ہے اور اس کی حیات ازلی اور ابدی ہے موت اور فنا کا اس کی ذات اور صفات میں کہیں امکان نہیں (۲) اور وہی تمام کائنات کے وجود اور حیات کو تھامنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔

پناہ بندی و بستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی
قرار ہمہ ہست بر نیستی توئی آنکہ یک بر قرار نیستی

اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات نہ ذاتی ہے اور نہ ازلی اور ابدی۔ اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے سے وہ زندہ ہوئے ان کی حیات اور ان کی زندگی بلاشبہ حادث اور فانی ہے اور جس کا وجود اور جس کی حیات حادث اور فانی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو مخلوقات کو کوئی وجود اور حیات عطا کی اور نہ ان کے لیے کوئی سامان حیات پیدا کیا اور نہ وہ کائنات کے وجود کے تھامنے اور قائم رکھنے پر قادر ہیں لہذا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ (۳) نیز حق تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں جس نے بندوں کی ہدایت کے لیے آپ پر ایک کتاب اتاری جو حق اور سچائی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔ جو اس کی صفت کلام کا آئینہ ہے اور اس کے احکام اور قوانین کا ایک مجموعہ ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ وہ گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ نے اس قرآن سے پہلے توریت اور انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اتارا اور اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر کتابوں کا اتارنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ رب العالمین احکم الحاکمین ہے اور انبیاء و مرسلین خدا نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جو احکام خداوندی کے پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اگر خدا ہوتے تو ان پر اللہ کی وحی اور اس کی کتاب نازل نہ ہوتی۔ وحی کا نزول بندہ پر ہوتا ہے خدا پر وحی نازل نہیں ہوتی۔

نیز کتب الہیہ اور صحف سماویہ سب کی سب توحید پر متفق ہیں کما قال تعالیٰ
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ لَنَا تِلْكَ
اور انبیت کا عقیدہ تمام کتب الہیہ کے خلاف ہے۔ (۴) اور اتارے اللہ تعالیٰ نے معجزات تاکہ حق اور باطل کا خوب فرق ظاہر ہو اور دشمنان حق اس کے مقابلہ سے عاجز ہو کر حق تعالیٰ کی قدرت اور انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کا یقین کریں معجزات اور خوارق عادات ایک طرف خداوندیکہ کی وحدانیت اور قدرت کی دلیل ہیں اور ایک طرف انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کی برہان ہیں۔

لہذا تحقیق جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا اور خوارق عادات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل نہ ہوئے یعنی ان کو خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ اور فرستادہ خداوندی نہ مانا ان کے لیے نہایت سخت عذاب ہے۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ

عزت والا اور زبردست اور صاحب انتقام ہے۔ جو شخص اس کے مقابلہ کے لیے سراٹھاتا ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس عزیز مقتدر کے پنجہ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور نہ اس عزیز مستقم کے انتقام سے بچ کر بھاگ سکتا ہے۔ اس جملہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابطال الوہیت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح صلیب پر لٹکائے گئے اور ایللی ایللی کہتے جان دے دی اور اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجہ ظلم سے چھڑا سکے اور نہ ان سے کوئی انتقام لے سکے پس ایک عاجز اور مظلوم اور مغلوب کو جس پر اس کے دشمن غالب آگئے ہوں خدا کہنا یا خداوند قادر مطلق کا بیٹا کہنا کیا کھلی ہوئی نادانی نہیں عقلائے عالم کے نزدیک خدائی اور ذلت کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے۔ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عزیز مقتدر ہو البتہ نصاریٰ کے نزدیک خدا کا دشمنوں کے ہاتھ سے ذلیل ہونا ممکن ہے۔ (۶) تحقیق اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ کے اقتدار کامل اور اختیار کامل کو بیان فرمایا اب اس آیت میں اس کے علم کامل کو بیان فرماتے ہیں یعنی جس طرح اس کی قدرت اولیہ تمام ممکنات کو محیط ہے اسی طرح اس کا علم بھی محیط ہے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز اس کے علم سے غائب اور پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا علم محیط حاصل نہ تھا صرف اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ ان کو بتلا دیتا تھا اور نصاریٰ نے نجران نے خود اس کا اقرار کیا اور موجودہ اناجیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے بہت سی چیزیں ان پر مخفی رہتی تھیں۔ اللہ کی وحی اور روح القدس کے سنائی سے معلوم ہوتی تھیں۔ (۷) وہی خدا رحمتوں میں تمہاری صورتیں اور نقشے جس طرح چاہتا ہے بنا رہے کسی کو مرد اور کسی کو عورت کسی کو خوبصورت اور کسی کو بدصورت پس کیا جس کی صورت اور نقشہ رحم مادر میں بنا ہو اور بطن مادر کی تاریکیوں سے نکل کر وہ اس دار فانی میں آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا اور پیتا اور پاخانہ اور پیشاب کرتا ہو معاذ اللہ وہ کس طرح خدائے قدوس اور خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے خدا وہ ہے کہ جو اپنے ارادہ اور مشیت سے رحم مادر میں صورتیں اور نقشے بنائے اور جو نقشہ اور صورت رحم مادر میں بنا ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو صورت بنتی ہے وہ مخلوق ہے اور خالق کی محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں ہوتا اس لیے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں لہذا وہی سنراوار ربوبیت اور شایانِ عبودیت ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ خداوند قدوس ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے جس کی قدرت اور حکمت کی کوئی انتہا نہیں اس نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت مسیح کو بدن

باپ کے اور حضرت حواؑ کو بدون ماں کے اور حضرت آدمؑ کو بدون باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ جس مخلوق کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ اس کی حکمتوں کا کون اعاطہ کر سکتا ہے۔ کس نکشود و نکشاید بحکمت میں معمار

فوائد و لطائف

۱۔ امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا آغاز نہایت عجیب و غریب ہے جو اثبات توحید اور اثبات رسالت دونوں پر مشتمل ہے۔

اثبات توحید تو اس اعتبار سے ہیں کہ صفات خداوندی کے بیان پر مشتمل ہے کہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حی اور قیوم اور عالم الغیب اور عزیز منقسم ہو۔ اور رحم مادر میں اولاد کی تصویر بنانے پر قادر ہو اور عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات موجود نہ تھیں لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ خدا نہ تھے۔ (جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

اور اثبات رسالت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا نبی اور رسول ہونا اور توریت اور انجیل کا ان پر نازل ہونا تم کو بھی تسلیم ہے اب بتلاؤ کہ توریت اور انجیل کے کتاب الہی ہونے کی کیا دلیل ہے جو دلیل ان کے لیے ہے۔ قرآن کے لیے اس سے ہزار درجہ بڑھ کر دلائل موجود ہیں اور جس دلیل سے تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہو اسی طرح کی دلیل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ ناچیز کہتا ہے اثبات توحید اور اثبات رسالت کے علاوہ اثبات قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ اثبات قیامت کی دلیل ہے کہ جو خدا اپنی قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کرنے پر قادر ہے اس طرح اس سورت کے مطلع میں اسلام کے اصول ثلاثہ توحید اور رسالت اور قیامت کے اثبات کے دلائل کی طرف اجمالی اشارہ ہو گیا۔

۲۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسانوں کی صورتوں اور شکلوں کا مختلف ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہ ہیں اور نہ محض اتفاق سے ہے بلکہ یہ اختلاف حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے بلکہ یہ تمام قادر علیم اور عزیز حکیم کی کارگیری ہے۔

۳۔ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ میں فرقان کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرقان سے معجزات مراد لیے اور بعضوں نے زبور مراد لی ہے اور بعض نے قرآن کریم مراد لیا ہے امام رازیؒ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ

اس آیت میں فرقان سے معجزات مراد لیے جائیں جیسا کہ ہم نے تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں پکی ہیں،

هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ ط فَاَمَّا الَّذِينَ

سو جڑ ہیں کتاب کی، اور دوسری ہیں کئی طرف ہمتی، سو جن کے دل

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ

پھرے ہوئے ہیں، وہ لگتے ہیں ان کی ڈھب دالیوں سے، تلاش

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا

کرتے ہیں مگر اسی اور تلاش کرتے ہیں انکی کل بیٹھانی، اور ان کی کل کوئی نہیں جانتا سوا

اللَّهِ ۚ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ

اللہ کے، اور جو مضبوط علم والے ہیں، سو کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے، سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور سمجھائے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔

رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا

اے رب ہمارے دل نہ پھیر، جب ہم کو ہدایت دے چکا، اور دے ہم کو اپنے ہاں

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا

سے مہربانی، تو ہی ہے سب دینے والا۔ اے رب!

إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن، جس میں شبہ نہیں۔ بیشک اللہ



لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۙ

خلاف نہیں کرتا وعدہ -

تقسیم آیات بسوئے محکمت و متشابہات مع تقسیم سامعین بسوئے زانغین فہم و راخنین علم

قال الله تعالى هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ الى إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ -
جب دلائل واضحہ سے توحید کا اثبات اور تثلیث اور انبیت کا رد اور ابطال ہو گیا تو نصاریٰ نے عاجز ہو کر بطور معارضہ یہ کہا کہ آخر آپ بھی حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ مانتے ہیں پس یہی الفاظ ہمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی ہیں۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں ان کے اس شبہ کا جواب ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کے شکل میں دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد صد ہا اور ہزار ہا شبہات اور اشکالات اور نزاعات اور مناقشات کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الہیہ میں آیات خداوندی کی دو قسمیں ہیں ایک محکمت کہ جن کی مراد واضح اور متعین ہو اور بدنیّت ان کے مفہوم اور معانی میں الٹ پھیر کر کے اور ان آیات کے ظاہری الفاظ کو اپنی غرض پر نہ ڈھال سکتا ہو یہ آیتیں اُمّ الکتاب اور اصل کتاب کہلاتی ہیں جو کتاب الہی اور شریعت اور تمام تعلیمات کی جڑ ہوتی ہیں۔ انہی پر دین اور شریعت کا دار و مدار ہوتا ہے جیسے آیات توحید و تنزیہ وغیرہ۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں ایک گونہ خفا اور ابہام ہوتا ہے اور مراد پوری واضح اور متعین نہیں ہوتی دوسرے معنی کا بھی ان میں احتمال ہوتا ہے۔ ان آیات کا حکم یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے جو معنی محکمت کے مطابق ہوں اُن کو لیا جائے اور جو معنی آیات محکمت کے خلاف ہوں اُن کو نہ لیا جائے۔

بعض آیات کو حق جل شانہ نے قصداً مجمل اور متشابہ نازل فرمایا ہے تاکہ بندوں کا امتحان کریں کہ کون صریح اور واضح المراد یعنی آیات محکمت کا اتباع کرتا ہے اور کون کج رو ان مجملات اور متشابہات کو اپنی غرض پر ڈھالتا ہے اور محکمت اور آیات واضحات سے پہلو تہی کرتا ہے اور ایک حکمت آیات متشابہات کے نازل کرنے میں یہ ہے کہ جب باوجود جدوجہد کے متکلم کی مراد متعین نہ کر سکیں تو اپنے قصور علم کا اقرار کریں اور بزبان حال جو ہمہ دانی کے دعوے دار بنے ہوئے تھے اس سے توبہ کریں اور

جس طرح قصور علم اور قصور فہم کی وجہ سے اور دیگر بے شمار حقائق پر دسترس نہیں اسی طرح آیاتِ مشابہات کو بھی ان کی فہرست میں شامل کر لیں مگر ایسی تاویلات سے پرہیز کریں کہ جو آیاتِ بیانات اور محکات اور اسلام کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں۔

پس جن آیات اور عبارات سے نصائر نے نجران نے استدلال کیا ہے مثلاً روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے الفاظ سے وہ سب کے سب اقسامِ مشابہات سے ہیں اور جن آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بندہ اور بشر ہونا صاف اور واضح طور پر بیان کیا ہے وہ آیات محکات ہیں مثلاً قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تصریح کر دی۔ اِنَّ هُوَ الْاَعْبَدُ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ يَمْثِلُ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ يَمْثِلُ ذٰلِكَ عِيسٰى بِنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ يَمْثِلُ جَن بے شمار آیات میں حق تعالیٰ نے یہ امر واضح طور پر بیان فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے کوئی بیٹا ہے مَسَاكُتٍ يَنْتَظِرُ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ لَّمْ يُولَدْ وَلَمْ يُؤَلَدْ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔

پس آیات محکات میں صاف طور پر غیر اللہ کی الوہیت اور ابنیت کا رد کیا گیا ہے ان سے تو آنکھیں بند کر لینا اور کلمۃ آکفّاھا لے مَرْكِبٌ وَرُوحٌ مِّنْهُ جیسی آیات مشابہات کو لے دوڑا۔ اور ان کی ایسی تاویل کرنا جو صریح بیانات اور آیات محکات کے منافی ہوں یہ کج رو اور گمراہ لوگوں کا طریق ہے کہ جو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے اور سید راستہ سے ہٹانے کے لیے ایسا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عزیزِ وحکیم وہی ذات ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے آپ پر ایک جامع اور کامل کتاب اتاری جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں یعنی ظاہر المراد اور واضح المعنی ہیں جن کے معنی اور مفہوم میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس نہیں جو شخص ان کو سنے اور زبان سے اور اصطلاحات شریعت سے واقف ہو اس پر ان کا مفہوم مشتبہ نہیں رہتا۔ یہی آیتیں کتاب الہی کی اصل اور جڑ ہیں انہی پر ساری تعلیم کا دار و مدار ہے اور یہی آیتیں قرآن کا مغز ہیں۔

اور کچھ آیتیں اس کی مشابہ ہیں جن کی مراد میں کچھ خفا اور اشتباہ ہے سامع کو باوجود زبان دان ہونے کے اور باوجود غور و تامل کے اور باوجود اصول شریعت سے واقف ہونے کے ان کی پوری پوری مراد واضح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے بندوں کو جتنا بتلانا چاہتے ہیں اتنی مقدار واضح فرما دیتے ہیں اور جس قدر نہیں بتلانا چاہتے اتنی مقدار اس میں خفا اور ابہام رکھ دیتے ہیں اور اس عزیزِ حکیم کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کو ہم نے ظاہر اور واضح کر دیا اس کا اتباع کرو اور کتاب الہی کی جو چیز تم پر مخفی اور مشتبہ رہے اس پر بے چون و چرا ایمان لاؤ اور اس قسم کی آیات کی تفسیر میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھو کہ ان آیات کے کوئی معنی ایسے ہرگز نہ بیان کیے جائیں جو آیات محکات اور شریعت کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں۔ مشابہات کو محکات کی طرف راجع کرو۔ امام ابو منصور ماتریدیؒ

فرماتے ہیں کہ آیت محکم کی مراد عقل سے معلوم ہوتی ہے اور آیت متشابہ میں بدون نقل اور روایت کی مد کے دخل دینا ممکن نہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ طبعی طور پر کسی کفر اور بدعت کی طرف مائل ہیں نام کے مسلمان ہیں دل میں اپنے خیالات اور مزعومات چھپائے ہوئے ہیں سو یہ لوگ کتاب الہی میں سے صرف آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ حق اور باطل کو مشتبہ بنا سکیں اتباع متشابہات سے کبھی تو ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو الحاد اور بدعت کے فتنہ میں مبتلا کریں اور لوگوں کے دلوں میں دین کی طرف سے شکوک اور شبہات ڈالیں اور اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسائیں اور کبھی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان آیات متشابہات کی کوئی ایسی تاویل تلاش کی جائے۔ جو ان کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اور کھینچ تان کر کے آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے جو ان کی رائے اور ہوائے نفسانی کے موافق ہو ایسے لوگ اپنی مطلب برآری کے لیے آیات محکات اور احادیث واضحات کی طرف نظر نہیں کرتے اور ہوائے نفسانی کی وجہ سے آیات متشابہات کا پیچھا کرتے ہیں تاکہ ان کے خفاء اور بہام کی وجہ سے ان میں کھینچ تان کر کے اپنا مطلب نکال سکیں اور عوام کو دھوکہ دے سکیں۔ حالانکہ ان متشابہات کی صحیح حقیقت اور یقینی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس نے اپنے لطف و کرم سے جس قدر حصہ پر آکاہ کرنا چاہا کر دیا اور جتنا حصہ اپنی حکمت سے مخفی رکھنا چاہا وہ مخفی اور مشتبہ رکھا اور جو لوگ علم میں پختہ اور ثابت قدم ہیں۔ جب وہ آیات متشابہات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں متعدد معانی کا احتمال ہے تو اپنی نفسانی خواہش اور طبعی میلان کا ذرہ برابر بھی لحاظ نہیں کرتے بلکہ متشابہات کو محکات کے ساتھ ملا کر معنی بیان کرتے ہیں جتنا سمجھیں آگیا اُس کو سمجھ گئے اور جو نہ سمجھیں اُس کو اللہ پر چھوڑ دیا واللہ اعلم اللہ ہی بہتر جاننے والا۔ ہم کو تو ایمان سے مطلب ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ان متشابہات پر اللہ کی مراد کے مطابق ایمان لائے سب کچھ یعنی محکم اور متشابہ اور نسخ اور منسوخ جس کی مراد ہم کو معلوم ہے اور جس کی مراد ہم کو معلوم نہیں یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں محکم اور متشابہ سب سے ہماری تربیت مقصود ہے محکات کو اس لیے نازل فرمایا کہ اس کے مطابق اعتقاد رکھیں اور عمل کریں۔ اور متشابہات کو اس لیے اتارا کہ اپنی قصور استعداد اور قصور علم کا اعتراف کریں اور ایسے مواقع پر آیات محکات کا اتباع کریں۔ نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر وہی لوگ کہ جن کی عقل سلیم اور خالص ہے نفسانی خواہشوں کے رنگ سے پاک اور صاف ہے جس بات کا مطلب ان کی سمجھ میں نہیں آتا اس کو متکلم علیم و حکیم کے حوالہ کرتے ہیں اور لا ادری اور لا اعلم کہہ کر نصف علم حاصل کر لیتے ہیں اور باوجود اس کے وہ خائف رہتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مبادا کسی پوشیدہ نفسانی خواہش کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بعد اس کے کہ تو نے کتاب نازل فرما کر ہم کو ہدایت دی اور اُس کتاب کے محکم اور متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا کی اب اس لطف و عنایت اور اس توفیق

اور ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو حق اور ہدایت سے کج اور منحرف مت فرما ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں۔ دلوں کا ہدایت پانا اور حق کو قبول کرنا سب آپ کی توفیق سے ہے اور دے ڈال ہم کو اپنے پاس سے ہم کو خاص الخاص رحمت اور مہربانی یعنی توفیق اور فہم صحیح بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا اور دے ڈالنے والا ہے۔ جس طرح ظاہری نعمتیں تیری بارگاہ سے ملتی ہیں اسی طرح علم صحیح اور فہم صحیح اور تاویل صحیح کی نعمت بھی تیری ہی بارگاہ سے ملتی ہے اور یہ سب تیری رحمت اور مہربانی ہے۔ تجھ پر کوئی شے واجب نہیں اور اے پروردگار چند علوم اور معارف اور متفرق تاویلات کا کسی کے سینہ میں جمع کر دینا تیرے لیے کوئی دشوار نہیں اس لیے کہ تحقیق تو تمام لوگوں کو اکثاف عالم سے اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ ہی نہیں۔ پس اگر آپ اپنی رحمت سے ہم نابکاروں کے سینہ میں صحیح علوم اور صحیح تاویلات کو جمع فرمادیں تو بعید از رحمت نہیں ہم اگرچہ اس کے اہل اور لائق نہیں مگر آپ کا اہل انابت اور اہل مجاہدہ سے یہ وعدہ ہے کہ جو ہماری طرف رجوع کرتا ہے اُس کو اپنی خاص ہدایت اور توفیق سے سرفراز کرتے ہیں۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ وَيَهْدِي إِلَيْنَا مَنْ يُنِيبُ۔

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں یا یہ معنی ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر کے نزاعی مسائل کا دو ٹوک فیصلہ فرمائے گا۔ جس میں زائفین اور راسخین فی العلم کے اختلاف کا قبضہ بھی داخل ہے۔ اس لیے ہمیں ڈر ہے کہ ہم زائفین اور مجرمین کا راستہ نہ اختیار کر لیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں اس لیے آپ ہی سے استقامت اور کجی سے محفوظ رہنے کی درخواست کرتے ہیں باوجود راسخین فی العلم ہونے کے اپنے علم پر مغرور نہ ہونا یہ بھی ان کے راسخ فی العلم ہونے کی ایک علامت ہے۔

لطائف معارف

۱۔ محکم اور تشابہ کی تفسیر میں سلف سے مختلف تعبیرات منقول ہیں۔ سب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ محکمات وہ آیتیں ہیں کہ جن کے معنی ظاہر ہوں اور اُن کی مراد معلوم اور متعین ہو خواہ نفس لغت کے اعتبار سے اُن کے معنی ظاہر ہوں یا شریعت کے بیان کر دینے سے اُن کی مراد متعین ہو یعنی ان کی مراد یا تو اس لیے متعین ہے کہ لغت اور ترکیب اور سیاق و سباق کے اعتبار سے نظم قرآنی میں کوئی ابہام اور اجمال نہیں اور یا شریعت کے اعتبار سے اس کی مراد متعین ہے مثلاً لفظ صلوٰۃ اور لفظ زکوٰۃ اگرچہ لغت کے اعتبار سے دعاء اور پاکیزگی کے معنی میں ہیں جس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن شریعت کے بیان اور نصوص

قطعیہ اور اسلام کے اصول مسلمہ اور اجماع امت سے یہ قطعاً متعین ہو چکا ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے متکلم کی مراد مخصوص طریقہ پر بدنی اور مالی عبادت بجالانا ہے۔ شریعت کے بیان سے ان آیات کی مراد اس قدر صاف اور واضح ہے کہ کوئی بدزیت سے بد نیت بھی ان کے مفہوم اور معنی میں الٹ پھیر نہیں کر سکتا ایسی آیات کو محکمت کہتے ہیں۔

اور متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد اور معنی کے معلوم اور متعین کرنے میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس واقع ہو جائے اور چونکہ اشتباہ اور تشابہ ایک امر اضافی ہے جس کے درجات اور مراتب ہیں اس لیے تشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک تشابہ تو وہ ہے جس کی مراد معلوم ہونے کی نہ تو امید ہی باقی رہی ہو اور نہ اس کی مراد معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ اور امکان ہو جیسے مقطعات قرآنیہ المکر۔ المکر۔ طسکو وغیرہ وغیرہ نہ لغت سے ان کے معنی معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ شریعت نے ان کے معنی بیان کیے ہیں اور دوسری قسم تشابہ کی یہ ہے کہ آیت میں اجمال اور ابہام یا اشتراک لفظی کی وجہ سے اُس کی مراد میں اشتباہ پیش آگیا ہو۔ تشابہ کے یہ اصطلاحی معنی مجمل اور مودول کو بھی شامل ہیں۔ پس اگر آیت میں متشابہات سے پہلے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو تشابہ کی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور اگر متشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو متشابہات کے معنی اور تاویل۔ راسخین فی العلم کو بھی بقدر اپنے علم اور فہم کے معلوم ہو جاتے ہیں، اگرچہ اصل کُنہ اور حقیقت اور پوری کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن راسخین فی العلم جب محکمت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خدا داد علم اور فہم سے ان میں غور و فکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جتنی تاویل اور معنی ان پر واضح کرنا چاہتے ہیں اتنی تاویل اور معنی ان پر واضح فرما دیتے ہیں اور تشابہ کی قسم اول کو اصطلاح میں تشابہ حقیقی کہتے ہیں اور تشابہ کی قسم ثانی کو تشابہ اضافی کہتے ہیں۔

۲۔ سلف صالحین سے آیات متشابہات کی تاویل میں دو قول منقول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں جیسا کہ ابی بن کعبؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ اور اکثر سلف سے یہی منقول ہے اور ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور ربیع بن انسؓ وغیرہم سے منقول ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں جن سلف کا یہ قول ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں اُن کی مراد تشابہ کی قسم اول ہے جیسے مقطعات قرآنیہ اور جن سلف سے یہ منقول ہے کہ متشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں اُن کی مراد تشابہ کی قسم ثانی ہے۔

جو مجمل اور مؤول اور محتمل سب کو شامل ہے۔
 ۳۔ وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ الْحَمْدُ قرآن اور مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض کا قول یہ ہے کہ إِلَّا احْدَثُ پر وقف ضروری اور لازم ہے اور وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ جملہ مستانفہ یعنی کلام جدید ہے ماقبل پر عطف نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اور راسخین فی العلم تشابہات کی تاویل اور حقیقت کو محض اللہ پر چھوڑتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کی مراد ہے اس پر ایمان لاتے ہیں ان کا مسلک محض تفویض تسلیم ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ إِلَّا احْدَثُ پر وقف جائز ہے ضروری اور لازم نہیں یعنی یہ بھی جائز ہے کہ إِلَّا احْدَثُ پر وقف کیا جائے اور وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کو کلام جدید قرار دیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ إِلَّا احْدَثُ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ وَالرَّاسِخُونَ کا لفظ اللہ پر عطف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد راسخین فی العلم بھی تشابہات کی تاویل اور معنی کو جانتے ہیں۔ سلف صالحین کی ایک کثیر جماعت کا یہی مسلک ہے۔ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے
 اَنَا مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ اَنَا اَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ
 میں راسخین فی العلم سے ہوں اور میں تشابہ کی تاویل کو جانتا ہوں۔

غرض یہ کہ وقف اور عطف کے بارہ میں سلف کے یہ دو قول ہیں اور سلف کا یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے جن لوگوں نے تشابہ کے پہلے معنی مراد لیے ان کے نزدیک إِلَّا احْدَثُ پر وقف ضروری اور لازم ہے اس لیے کہ مقطعات قرآنیہ جیسے تشابہات کی تاویل سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور جن لوگوں نے تشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے جو مجمل اور محتمل اور مؤول کو بھی شامل ہیں ان کے نزدیک وَالرَّاسِخُونَ کا عطف لفظ اللہ پر جائز ہے اس لیے کہ ایسے تشابہات کی تاویل اور معنی غور و خوض کرنے اور محکمت کی طرف رجوع کرنے سے راسخین فی العلم کو بھی بقدر ان کے علم اور فہم ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اگرچہ اصل حقیقت اور اصل کلمہ اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے مگر بقدر علم راسخین فی العلم بھی اُس کی تاویل کو جانتے اور سمجھتے ہیں اور تشابہ کے دوسرے معنی لے کر یہ بھی جائز ہے کہ إِلَّا احْدَثُ پر وقف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ تشابہات کی اصل تاویل اور صحیح گنتہ اور پوری حقیقت سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تشابہات کے اول معنی مراد لیے جائیں تو إِلَّا احْدَثُ پر وقف ضروری اور لازم ہوگا اور اگر آیت میں تشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو آیت میں وقف اور عطف دونوں

جائز ہیں جس نے وقف کو ضروری قرار دیا اُس نے تشابہ کے پہلے معنی مراد لیے اور آیت میں وقف اور عطف کی جو قرأتیں آئی ہیں وہ دونوں حق اور صحیح ہیں جس قرأت میں غیر اللہ سے تشابہ کی تاویل کی نفی کی گئی ہے وہاں تشابہ کے اول معنی مراد ہیں اور جس قرأت میں غیر اللہ یعنی راسخین کے لیے تشابہات کی تاویل کے علم کو ثابت کیا گیا ہے وہاں تشابہ کے دوسرے معنی مراد ہیں (خوب سمجھ لو) اور جس نے عطف جائز قرار دیا اس نے تشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے اس لیے عرض کیا گیا کہ یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صورتی ہے۔

۴۔ لفظ تاویل متقدمین کی اصطلاح میں تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے تفسیر ابن جریر میں صاحب تاویل کا لفظ تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور متاخرین کی اصطلاح میں کسی قرینہ دلیل کی بنا پر ظاہر سے غیر ظاہر کی طرف پھرنے کا نام تاویل ہے اور بلا کسی دلیل اور بلا کسی قرینہ کے ظاہر سے پھرنے کا نام تحریف ہے لیکن تاویل کے یہ دونوں معنی اصطلاحی ہیں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں تاویل سے مخفی حقیقت اور مصداق اور مال اور انجام اور نتیجہ اور حکمت اور کلام کی غرض اور غایت کے معنی مراد لیے گئے ہیں لفظ تاویل اصل میں اول سے مشتق ہے جس کے معنی اصل کی طرف رجوع کرنے کے ہیں مثلاً هُنَّ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ سے یوم آخرت مراد ہے جس دن وعدہ اور وعید کا مصداق ظاہر ہوگا اور جزاء اور سزا کی حقیقت واضح ہوگی۔

اور بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ میں تاویل سے خبر خداوندی کے مصداق کا ظہور مراد ہے یا عاقبت اور انجام کے معنی مراد ہیں ہر خبر کا ایک لفظی مفہوم اور اور مدلول ہوتا ہے اور ایک اس کا خارجی اور واقعی مصداق ہوتا ہے جو وقوع کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ قرآن کریم نے خبر کے اس خارجی اور واقعی مصداق کو تاویل سے تعبیر کیا ہے۔ بسا اوقات خبر کا لفظی مدلول اور مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور اس کا خارجی مصداق مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے۔ راسخین فی العلم اس خبر کے لفظی اور ظاہری مفہوم کو جانتے ہیں اور اس کے خارجی مصداق کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور ہذا تاویل روایاتی میں تاویل سے تعبیر مراد ہے جو خواب کا مال اور انجام اور خارجی مصداق ہے اور وَرَنُوبًا لِّقِسْطٍ اَلْمُسْتَقِيمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَأْوِيلًا میں تاویل سے مال اور انجام کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا میں تاویل سے مصداق اور خارجی حقیقت اور حکمت کے معنی مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعِلْمِهِ اے اللہ اس کو دین کی سمجھ دے اور تاویل

کا علم عطا فرما۔

التاویل۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مخفی حقیقت اور پوشیدہ حکمت کا منکشف کرنا اور مال اور انجام کا ظاہر کرنا مراد ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی رکوعہ و سجودہ سبحانک اللہم ربنا و بحمدک اللہم اغفر لی یتأول القرآن مصداق بیان فرماتے کہ آیت قرآنی میں تسبیح و تحمید اور استغفار کی تادیل یہ ہے کہ رکوع میں اس طرح تسبیح اور استغفار پڑھی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ حدیث میں تادیل سے کلام کا ظاہر سے پھیرنا مراد نہیں بلکہ اس کے خارجی مصداق کا یقین مراد ہے۔

۵۔ اس سورت میں آیات قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک محکم اور ایک متشابہ۔ اور سورہ ہود کے شروع میں یعنی کُتِبَ الْحُكْمُ اٰیٰتُہ میں قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم بتلایا گیا۔ اور سورہ زمر کی اس آیت۔ اَدْنٰہُ نَزَلَ اَحْسَنَ الْوَحْدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا میں سارے قرآن کو متشابہ بتلایا گیا۔ سو ان آیات میں محکم اور متشابہ کے دو سگر معنی مراد ہیں محکم کے معنی لغت میں مضبوط اور مستحکم کے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم نظم اور معنی کے اعتبار سے نہایت مستحکم اور سراسر حق اور سراپا حکمت ہے کہیں جائے انگشت نہیں اس لیے سارے قرآن کو محکم کہا گیا۔ اور متشابہ کے معنی لغت میں مشابہ اور ملتے جلتے کے ہیں اور چونکہ قرآن کی تمام آیتیں حسن اور خوبی۔ اور ہدایت اور فصاحت اور بلاغت میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اختلاف اور تناقض سے پاک ہونے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اَخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ اس لیے تمام قرآن کو کتابا متشابہا فرمایا۔ پس جس جگہ قرآن کی بعض آیتوں کو محکم اور بعض کو متشابہ کہا گیا وہاں محکم اور متشابہ کے اور معنی مراد ہیں اور جہاں سارے قرآن کو محکم یا متشابہ کہا گیا وہاں اور معنی مراد ہیں۔ پس جب ہر جگہ معنی جدا جدا ہوئے تو آیات میں کوئی تعارض اور تناقض نہ رہا۔

۶۔ آیت کو راسخین فی العلم سے شروع فرمایا اور اَلْاَوَّلٰی لِبَابٍ یُّرْخَمُ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جن کی عقل نفسانی خواہشوں سے کج اور خراب نہ ہو گئی ہو جب تک عقل سے نفسانی خواہشوں کا رنگ دور نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک راسخین فی العلم میں سے نہیں۔

قال ابن ابی حاتم ثنا محمد بن عوف الحمصی ثنا نعیم بن حماد ثنا فیاض الرقی ثنا عبید اللہ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بیان کیا کہ عبید اللہ بن یزید کہ جنہوں نے صحابہ کرام کو پایا اور انس بن مالک اور ابوامامہ اور ابوالدرداء

بن یزید وکان قد ادرك اصحاب
النبي صلى الله عليه وسلم النساء
وابا امامة و ابا الدرداء ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم
سئل عن الراسخين في العلم فقال
من برت يمينه وصدق لسانه و
استقام قلبه و من عفا بطنه ووجهه فذلك
من الراسخين في العلم (تفسير ابن كثير ص ۲۳۲)

کو دیکھا، وہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے دریافت کیا گیا کہ راسخین فی العلم جن
کا آیت میں ذکر ہے وہ کون لوگ ہیں آپ
نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی قسم اور زہد میں
پورا ہو اور زبان کا سچا ہو اور دل اس کا جادہ
محبت و وفا پر قائم اور مستقیم ہو اور اس کا شکم
اور اس کی شرمگاہ حرام اور مشتبہ سے عقیف اور
پاک ہو پس ایسا شخص راسخین فی العلم میں سے ہے۔

یعنی علم میں پختہ اور ثابت قدم وہی شخص ہے جس کا حال اور قال یہ ہو جو بیان کیا گیا اور ظاہر ہے کہ
یہ حال اور یہ قال انہیں لوگوں کا ہو سکتا ہے جن کے دل نفسانی خواہشوں کے رنگ سے صیقل ہو چکے ہوں۔
اور انوار تجلیات کے عکس قبول کرنے کے لیے صاف و شفاف آئینہ بن چکے ہوں۔
اور راسخین فی العلم کے مقابل زانغین کا گردہ ہے جو نفسانی خواہشوں کی وجہ سے کج اور خراب ہو چکے
ہیں۔ حقیقات ان کے دل میں نہیں اترتی۔

لمحہ اور زندیق رافضی اور فارحی اور تمام بدعتی فرقے اس میں داخل ہیں جس طرح تمام اہل حق
راسخین فی العلم میں داخل ہیں جس کا صحیح مصداق اہل سنت والجماعت ہیں جو کتاب و سنت کے
محکمات کو مضبوط پکڑتے ہیں اور تشابہات کو محکمات کے ساتھ ملا کر آیات کے معنی بیان کرتے ہیں۔ اپنی
نفسانی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر چلتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے
اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا پس جس شخص کا علم اور فہم خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین کے
اجماع سے ملتا ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص زانغین میں سے ہے اُس سے بچتے رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

جو لوگ منکر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کے مال

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ - وہی ہیں پھٹیاں

وَقَوْمُ النَّارِ ۚ كَذَٰبٍ آلِ فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ

(ابن دھن) دوزخ کی - جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ

سے پہلے تھے ، جھٹلاتے ہماری آیتیں ، پھر پکڑا ان کو اللہ نے

يَذْنُوبُهُمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِلَّذِينَ

ان کے گناہوں پر، اور اللہ کی مار سخت ہے۔ کہہ دے منکروں

كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ

کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کو۔

وَيَبِئْسَ الْيِهَادُ ۝۱۲ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي

اور کیا بُری تیاری ہے۔ ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ، دو

فِئَتَيْنِ التَّتَقَّطَفْنَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

فوجوں میں جو بھڑی تھیں۔ ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں، اور

أُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ وَ

دوسری منکر ہے یہ ان کو دیکھتے ہیں اپنے دو برابر، صریح آنکھوں سے اور

اللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً

اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں خبردار ہو جاویں جن کو

لِلأُولَىٰ الْأَبْصَارُ ۝۱۳

آنکھ ہے۔

مالِ اولاد کے نشہ میں حق سے استغنا پر وعید اور تہدید

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ... لَعِبْرَةٌ لِلأُولَى الْأَبْصَارِ ط

(رابط) یہ آیتیں بھی نصارائے نجران کے بارہ میں نازل ہوئیں دلائل اور براہین سے حق ان پر واضح ہو چکا تھا مگر مال و دولت کے غرور اور نشہ نے ان کو قبول حق اور قبول ہدایت سے باز رکھا اس لیے ان ارباب غرور کی وعید اور تہدید کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آخرت میں مال اور اولاد کچھ کام نہ آئیں گے اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اب ان کافروں سے یہ کہہ دیں کہ یہ لوگ محقریب دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے اور قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر واقعہ بدر کو ان کی عبرت کے لیے ذکر فرمایا۔ محمد بن اسحاق کی سیرت میں ہے کہ نصارائے نجران کا وفد جب بغرض مناظرہ مدینہ منورہ روانہ ہوا تو راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اُن کا بڑا عالم ابو حارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا یکا یک خچر کو ٹھوکر لگی اور وہ عالم سواری سے گرا تو اس کے بھائی کُرُز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تَعَسَى الْاَلْبَعْدُ یعنی ہلاک ہو وہ شخص جس کے پاس ہم جا رہے ہیں اُس نے اَلْاَلْبَعْدُ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا۔ العیاذ باللہ۔

ابو حارثہ نے کہا۔

بَلْ تَعِسْتَ اَنْتَ التَّشْتُم
رَجُلًا مِّنَ الْمُرْسَلِينَ
اِنَّهٗ الَّذِیْ بَشَّرَہٗ عِیْسٰی
وَ اِنَّہٗ لَفِی التَّوْرٰةِ وَ
وَاللّٰہُ اِنَّہٗ الذِّیْ
الَّذِیْ نَنْتَظِرُکَ

اس پر ابو حارثہ کے بھائی کُرُز نے کہا۔

فَمَا یَمْنَعُکَ مِنْہٗ
وَ اَنْتَ تَعْلَمُ
ہذا۔

ابو حارثہ نے جواب دیا۔

لَا نَہٗ ہُوَ لَآءِ الْمُلُوکِ اَعْطُوْنَا
اَمْوَالَ کَثِیْرَةً وَ اَکْرَمُوْنَا
فَلَوْ اَمْنَا بِہٖ لَا خِذْوَامُنَا
کُلِّ ہٰذِہٖ الْاَشْیَاءِ۔

بلکہ تو ہلاک ہو۔ کیا تو ایسے شخص کی شان میں نازیبا الفاظ کہتا ہے جو رسولوں میں سے ہے تحقیق بلاشبہ آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریمؑ نے بشارت دی ہے اور جن کا تذکرہ توریت میں ہے اور خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اخیر زمانہ میں ظہور کے ہم سب منتظر ہیں۔

کہ جب تم کو ان کی نبوت و رسالت کا اس درجہ علم اور یقین ہے تو پھر ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے۔

کہ ہم ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان عیسائی بادشاہوں نے جو بے شمار اموال ہم کو دے رکھے ہیں اور ہمارا اعزاز و اکرام کرتے ہیں اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو یہ سب ہم سے پھینک دیں گے۔

یہ کلمہ کرز کے دل میں اتر گیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم جب تک مدینہ پہنچ کر ایمان نہ لے آؤں گا اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ اور کرز اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا اونٹنی کو تیز کیا اور بطور جزئیہ پڑھتا جاتا تھا۔

إِلَيْكَ تَعْدُو قَلْبًا وَضَيْتُهَا مُعْتَرِضًا فِي بَطْنِهَا جَنِينُهَا
آپ ہی کی طرف یہ اونٹنی چل رہی ہے دریاں حالیکہ اس کا تنگ حرکت کر رہا ہے اور اس کے پیٹ میں اس کا جنین حرکت کر رہا ہے۔

مُخَالَفًا دِينَ النَّصَارَى دِينُهَا

اب اس اونٹنی کا (یعنی اس کے سوار کا) دین - نصاریٰ کے دین کے خلاف ہے۔

یہاں تک کہ کرز وفد سے پہلے مدینہ منورہ پہنچا اور مشرف باسلام ہوا اور وفد بعد میں پہنچا۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۸۱ وروض الائف ص ۴۵ و اصابہ ص ۲۹۳ ترجمہ کرز بن علقمہ) اور مشرف باسلام ہونے کے بعد کرز نے حج بھی کیا۔

خلاصہ کلام

یہ کہ یہ آیتیں اسی وفد کے بارہ میں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس مال کے لالچ میں تم نے ایمان سے روگردانی کی ہے وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئے گا اور جن سلاطین اور امراء پر تم کو بھروسہ ہے وہ عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مقہور اور مغلوب ہوں گے اور تمہارا تو ذکر ہی کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر اور انکار کی راہ اختیار کی اللہ کے مقابلہ میں اُن کے مال اور اُن کی اولاد جس پر اُن کو ناز اور فخر ہے۔ ہرگز کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ البتہ مسلمانوں کے مال اور اولاد آخرت میں کام آئیں گے اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کیے اور اولاد کو اللہ کی عبادت اور دین کی تعلیم میں لگایا۔ اور ایسے کافر تو مع مال اور اولاد کے دوزخ کا ایندھن ہوں گے اور ان کا حال اور مال تو فرعونوں جیسا ہے کہ جس طرح دنیا میں فرعونوں کو ان کے مال اور اولاد اُن کو اللہ کے قہر سے نہ بچا سکے ان کی بھی ایسی ہی گت بنے گی اور کچھ کام نہ آئے گا۔ اور جس طرح ان سے پہلے لوگوں نے یعنی قوم عاد اور ثمود اور قوم لوط نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس اللہ نے اُن کو اُن کے جرائم کی بنا پر پکڑا اور ہلاک کیا اُن کا سارا مال و متاع اور اولاد دھری رہ گئی اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو سمجھ لو کہ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے جس کے مقابلہ میں مال اور اولاد کچھ کام نہیں دیتا۔ اے نبی کریم! آپ ان کافروں سے جو اپنے مال و دولت اور قوت اور کثرت پر نازاں ہیں یہ کہہ دیجئے کہ تم عنقریب اسی دار دنیا میں ہمارے دوستوں کے ہاتھ سے مغلوب اور مقہور ہوؤ گے

اشارہ اس طرف ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر جلاہ وطن کیے جائیں گے اور خیبر اور مکہ فتح ہو گا یہ ذلتیں تو ان منکرین کو دنیا میں پہنچیں گی اور آخرت کی بابت یہ فرما دیجئے کہ تم جہنم کی طرف جانوروں کی طرح ہانکے جاؤ گے اور دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس سے محفوظ رکھے۔ چونکہ کفار اپنے مال اور اولاد یعنی قوت اور کثرت اور ثروت پر نازاں تھے اور یہ کہتے تھے کہ نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ اور یہ خیال کرتے تھے کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی مال و اولاد کام آئیں گے کما قال تعالیٰ حکایتہ عنہم اَفْرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ وَلَدًا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان آیات میں متنبہ فرمایا کہ مال و دولت صرف آخرت ہی میں بے سود نہ ہوگی بلکہ بسا اوقات وہ دنیا میں بھی سود مند اور کارآمد نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ جس کو غلبہ دینا چاہتے ہیں اس کے مقابلہ میں ساری قوت اور ثروت اور کثرت دھری رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی چند روز کے بعد وہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کو مقہور اور مغلوب کیا اور خیبر اور مکہ انہی فقراء مسلمین کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ جن کو یہ حقیر سمجھتے تھے۔

ذکر استشہاد برائے دفع استبعاد

حق جل شانہ نے جب گزشتہ آیت (قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْرٌ اَلَمْ يَسْتَعْلِبُوا اَلَمْ يَسْأَلُوا) میں مسلمانوں کے غلبہ کی خبر دی تو منافقین نے اس کو مستبعد سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے استبعاد دفع کرنے کے لیے بطور استشہاد واقعہ بدر کو ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق تمہارے لیے دو جماعتوں کے بارہ میں ایک عبرت اور عجیب نمونہ قدرت ہے کہ جو باہم ایک دوسرے سے لڑیں اس معرکہ اور لڑائی میں ایک جماعت تو وہ تھی کہ جو خدا کی راہ میں لڑتی تھی یعنی مسلمانوں کی جماعت تھی جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور بے مرد سامان تھی اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جن کی تعداد نو سو پچاس تھی جو جنگی ساز و سامان سے لیس تھی اور جس کو اپنی قوت اور شوکت اور کثرت اور ثروت پر تاز تھا بدر کے میدان میں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا عین مقابلہ اور مقابلہ کے وقت یہ کافر کھلی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دو چند دیکھتے تھے۔ یعنی مسلمان کافروں کو دو چند (تقریباً دو ہزار) دکھائی دیتے تھے جس سے کافروں کے دل مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور یہ اس طرح کا دیکھنا صریح اور کھلی آنکھوں سے تھا کوئی خواب و خیال نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ قلیل کو کثیر اور کثیر کو قلیل کر کے دکھلائے حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے احوال (بھینگے) کو ایک کے دو دکھلاتا ہے یہ کوئی کذب اور دروغ نہیں بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے جس طرح خوردبین اور دوربین سے چھوٹی چیز بڑی نظر آنے لگتی ہے تو یہ جھوٹ نہیں بلکہ کارگیری اور صنعت کا کمال ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے انہوں نے یہ بیان کیا کہ مسلمان ہم کو تعداد میں بہت

نظر آئے اسی طرح سمجھو کہ اگر حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنے دشمنوں کو وقتی طور پر دو درجہ کا بھیجے گا بنادے کہ بجائے ایک کے تین نظر آنے لگیں تو یہ کوئی کذب اور دروغ نہیں بلکہ اس کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔

فائدہ

لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسلمان کافروں کی نظر میں تھوڑے دکھائی دیتے تھے جیسا کہ سورہ انفال میں ہے **وَيَقِلُّكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ** یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو کافروں کی نظر میں تھوڑا کر کے دکھلاتا تھا۔ لیکن جب اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو کافر مسلمانوں کو خود اپنے سے بھی دوچند دیکھنے لگے پس اس آیت میں عین جنگ کے وقت کا ذکر ہے اور سورہ انفال میں جنگ چھڑنے سے پہلے کا ذکر تھا۔ لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں رہا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں اور فتح اور غلبہ کا اصل مدار تائید خداوندی پر ہے تائید خداوندی کے مقابلہ میں کوئی طاقت اور قوت غالب نہیں آسکتی جیسا کہ تم نے بدر کے معرکہ میں اس کا مشاہدہ کر لیا تحقیق اس بدر کے واقعہ میں آنکھ والوں کے لیے بڑی عبرت اور نصیحت ہے کہ کس طرح ایک کمزور اور بے سروسامان گروہ ایک پوری قوت اور شوکت والے گروہ پر غالب آگیا وجہ اس کی یہ تھی کہ تائید خداوندی اور امداد غیبی مسلمانوں کے ساتھ تھی اور خدا کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے تم کو چاہیے کہ تم اپنے مال و دولت کے غرور سے تائب ہو کر اس جماعت میں داخل ہو جاؤ کہ جن کے ساتھ تائید خداوندی ہے۔

فائدہ

آیت **يَوْمَ ذُنُوْبُهُمْ مِّثْلُ حَظِّهِمْ** کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یروں کے ضمیر فاعل فتنہ کافرہ کی طرف راجع ہے جو قریب ہے اور **هُمُ** کی ضمیر مفعول مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور مثلیہم کی ضمیر مجرور کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنے سے دوچند دیکھتا تھا۔ تفسیر میں ہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یروں کی ضمیر تو حسب سابق فتنہ کافرہ کی طرف راجع ہو اور **هُمُ** کی ضمیر مفعول بھی مسلمانوں کی طرف راجع ہو لیکن مثلیہم کی ضمیر مجرور بجائے کافروں کے مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ کافر مسلمانوں کو مسلمانوں کے اعتبار سے دوچند دیکھتے تھے یعنی مسلمان کافروں کی نظر میں بجائے تین سو تیرہ کے چھ سو چھبیس دکھائی دیتے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ کافر جب مسلمانوں کی ایک عظیم تعداد دیکھیں گے تو مرعوب ہو جائیں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یَرْوِدُنَ کی ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور هُمْ کی ضمیر مفعول کافروں کی طرف راجع ہو اور مِثْلِهِمْ کی ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ مسلمان کافروں کو اپنے سے دوچند دیکھتے تھے یعنی کافر مسلمانوں کی نظریں چھ سو چھبیس دکھائی دیتے۔ کفار اگرچہ فی الواقع مسلمانوں سے سہچند تھے مگر مسلمان اُن کو اپنے سے صرف دوچند دیکھتے اور سمجھتے تھے کیونکہ بہادر اور جری طبیعتیں اپنے سے دوچند سے مقابلہ کرنے کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن دوچند سے زیادہ کا مقابلہ باعث تشویش اور پریشانی ہوتا ہے۔ چوتھا قول اور یہ درحقیقت قول نہیں بلکہ محض احتمال ہے وہ یہ کہ یَرْوِدُنَ کی ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور هُمْ اور مِثْلِهِمْ کی دونوں ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہوں اور معنی یہ ہوں کہ مسلمان کافروں کو کافروں سے دوچند دیکھتے تھے یعنی کافر مسلمانوں کو تقریباً دو ہزار دکھائی دیتے تھے اس قول کا کوئی قائل نہیں محض احتمال عقلی ہے جو غیر معقول بھی ہے اس لیے کہ جب مسلمان کافروں کو دو ہزار کی تعداد میں دیکھیں گے تو طبعی طور پر مرعوب ہو جائیں گے۔ تفصیل کے لیے تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

رجھایا ہے لوگوں کو مزدوں کی محبت پر، عورتیں اور

وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ الْمُقَنْطَرَةَ مِنَ الذَّهَبِ

بیٹے، اور ڈھیر جوڑے ہوئے سونے کے،

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

اور روپے کے، اور گھوڑے پلے ہوئے اور مواشی اور کھیتی۔

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ

یہ برتنہا ہے دنیا کی زندگی میں، اور اللہ جو ہے اسی پاس

حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۳

ہے اچھا ٹھکانہ۔

بیانِ تحارت لذاتِ دنیویہ

قال تعالیٰ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ... الے..... وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَادِ (ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کا حال بیان فرمایا کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں چور ہیں اس لیے حق کو قبول نہیں کرتے۔ اب ان آیات میں دنیوی لذات کا بیج اور فانی ہونا بیان کرتے ہیں کہ یہ تمام عیش و عشرت کے سامان محض چند روزہ ہیں اور عالم جاودانی کے مقابلہ میں بمنزلہ خواب کے ہیں پھر اس کے بعد آئندہ آیات میں حق تعالیٰ نے آخرت کی عظیم الشان اور جلیل القدر نعمتوں کو ذکر فرمایا جو آخرت میں اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو عنایت ہوں گی۔

ان تمام آیات میں وفدِ نجران کی طرف اشارہ ہے کہ مال و جاہ کی محبت نے حق کے اتباع سے باز رکھا اور نصاریٰ کا سب سے بڑا عالم ابو حارثہ باوجود اعتراف اور اقرار کے اسی مال و دولت کی بدولت ایمان و ہدایت کی لازوال دولت سے محروم رہا۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ ان آیات میں لذات کے اصول اور شہوات کے انواع اور اقسام کو بیان فرمایا کہ جن پر تمام دنیا کے تمتع اور فوائد کا دار و مدار ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ آراستہ اور خوشنما کردی گئی ہے عام طور پر لوگوں کے لیے محبت خواہشوں اور نفس کی آرزوؤں کی لوگ شہوات اور نفسانی خواہشات پر اتنے فریفتہ ہوئے کہ ان کا عیب اور نقصان بھی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ان شہوات کی ظاہری زیب و زینت تو نظر آتی ہے اور باطنی قبیح اُن کا نظر نہیں آتا اسی وجہ سے کبھی ان سے کنارہ کشی کا خیال بھی دل میں نہیں آتا۔ بے شک شہوات کی محبت آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے۔ البتہ جو ادلی الابصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے دل کی بینائی عطا کی ہے وہ شہوات اور خواہشات کے پیچھے اندھے نہیں بن جاتے۔ نفس کے مقابلہ میں عقل کا اتباع کرتے ہیں اور اپنی ابصار کو نابینا ہونے سے محفوظ رکھتے ہیں اور دنیا کے ساز و سامان پر مفتون اور فریفتہ نہیں ہو جاتے بلکہ ان سے عبرت پکڑتے ہیں گزشتہ آیت یعنی اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر تھا اب اس کے بعد ان شہوات اور خواہشات کے انواع اور اقسام کو ذکر فرماتے ہیں جن کی دھن میں ساری دنیا سرگردان اور حیراں ہے یعنی اُن شہوات اور خواہشات میں کہ جن میں آدمی پھنس کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے ان میں سے سب سے اول عورتیں ہیں کہ دنیادی لذتوں اور شہوتوں کا منتہی ہیں متاع دنیا میں سے کسی چیز کی محبت عورتوں کی محبت کو نہیں

علم اس عبارت سے زمین للناس حب الشهوات کا گزشتہ آیت ان فی ذلک لعبرة لاولی الابصار کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

پہنچتی اسی وجہ سے حدیث میں ہے مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةٌ اَصْرَعَ عَلَى الرَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں جو مردوں کے لیے ضرر رساں ہو۔

اور دوسرے درجہ میں بیٹوں کی محبت ہے اور تیسرے درجہ میں سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی محبت ہے کہ جو تمام خواہشوں اور لذتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور چوتھے درجہ میں خوبصورت اور فریب گھوڑوں کی محبت ہے جو سفر اور سیر و تفریح کا ذریعہ ہیں اور ظاہری شان و شوکت اور عزت ووجاہت اور فخر و مباہات کا سبب ہیں اور پانچویں درجہ میں چوپاؤں اور مولیشی کی محبت ہے یعنی اونٹ اور گائے اور بیل اور بھیڑ اور بکری کی محبت ہے جو انسان کا ذریعہ معاش ہیں گوشت اور دودھ کی غذا انہیں سے مہیا ہوتی ہے اور اون اور کھال اور چمڑا بھی انہیں چوپاؤں سے حاصل ہوتا ہے جس سے کبیل اور جو تے وغیرہ بنتے ہیں اور چھٹے درجہ میں کھیتی کی محبت ہے جس پر انسان کی حیات کا دار و مدار ہے۔ زراعت اگرچہ ضرورت کے لحاظ سے سب سے اول ہے لیکن شہوت اور لذت کے لحاظ سے سب سے آخر ہے۔ اس لیے اس کو سب سے آخر میں ذکر فرمایا۔ شہوات کی یہ انواع ستہ جو بیان ہوئیں بس یہی چند روزہ دنیاوی زندگی کا کل سامان ہے۔ جس کا تمتع اور انتفاع عنقریب ختم ہو جائے گا اور اللہ کے نزدیک نہایت عمدہ ٹھکانہ ہے جس کی لذت اور نقاست کی کوئی حد نہیں اور اس کی بقا اور دوام کی کوئی انتہا نہیں عاقل کا کام یہ ہے کہ اپنی تمام تر ہمت اور توجہ اس متاع آخرت کے حصول میں لگا دے اور چند روزہ متاع کے پیچھے لگ کر حقیقی اور دائمی متاع سے غافل نہ ہو جائے۔

لطائف و معارف

(۱) شہوات۔ شہوت کی جمع ہے جس کے معنی خواہش اور رغبت کے ہیں لیکن اس جگہ شہوات سے مراد خواہش اور رغبت کی چیزیں ہیں۔ محض خواہش اور رغبت مراد نہیں اس لیے کہ محبوب اور مزین حقیقتہً وہ مرغوبات اور مستہیات ہیں۔ خود شہوت اور رغبت محبوب اور مزین نہیں لیکن حق جل شانہ نے تو بیخ اور ملامت میں مبالغہ کرنے کے لیے قابل شہوت اور قابل رغبت چیزوں کو شہوات سے تعبیر فرمایا ہے کہ تم ان اشیاء کی محبت میں اس درجہ مستغرق ہو گئے ہو کہ ان شہوات اور خواہشات کی محبت ہی تمہاری نظروں میں محبوب اور مزین بن گئی ہے اور بجائے اشیاء مرغوبہ کے اُن کی رغبت ہی تمہاری مرغوب خاطر ہو گئی اور قابل اشتہاء چیزوں کی شہوت کی محبت ہی تمہاری محبوب اور مطلوب بن گئی ہے یہ عشق کا آخری

علہ یہ ترجمہ من النساء الخ میں سے لفظ من کا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ من بیانہ ہے۔

درجہ ہے کہ محبوب کی محبت خود مستقل محبوب بن جائے اسی طرح قابل شہوت چیزوں کی شہوت کا محبوب بن جانا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص لذات اور شہوات کے عشق میں آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں یہ ہے اَحْبَبْتُ حُبَّ الْحَيٰثِ اور حدیث میں یہ ہے اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلَیْ حُبِّكَ۔ نیز خواہش اور رغبت کی چیزوں کو شہوات سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ ان اشیاء سے نفرت دلانا مقصود ہے اس لیے شہوات کا مفہوم ہی خست اور ذلت پر دلالت کرتا ہے اور شہوتوں کا اتباع بہائم کا کام ہے۔

(۲) خیل مسومہ کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ خیل مسومہ سے وہ گھوڑے مراد ہیں جن پر نمبر یا نشان لگا ہوا ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مسومہ کے معنی موٹے تازے خوبصورت گھوڑے کے ہیں سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مسومہ سے چرنے والے گھوڑے مراد ہیں یعنی جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دیئے گئے ہوں اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ علاوہ سواری کے جو گھوڑے چراگاہ میں چرتے ہوں ان پر زکوٰۃ ہے جیسے انعام (چرنے والے) مولیشی میں زکوٰۃ ہے اسی طرح خیل سائمه چرنے والے گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ ہے تفصیل کے لیے بخاری شریف اور ہدایہ کی شروع کو دیکھا جائے۔ (۳) ذہب ذہاب سے مشتق ہے جس کے معنی زوال اور فناء کے ہیں اور فقہ انفضاض سے مشتق ہے جس کے معنی تفرق اور جدا ہونے کے ہیں ان دونوں لفظوں کا اشتقاق ہی ان کے فناء اور زوال کا خبر دیتا ہے اس لیے آیت کو ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوَةِ الدُّنْيَا پر ختم فرمایا یعنی یہ ساری چیزیں محض چند روزہ نفع کی ہیں اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَالْهَمَّ اٰخِرُ هَذَا الدَّرْهِمِ الْجَارِ
مُعَذِّبُ الْقَلْبِ بَيْنَ الْهَمِّ وَالنَّارِ

النَّارُ اٰخِرُ دِيْنَارٍ نُّطَقَتْ بِهِ
وَالْمَرْءُ بَيْنَهُمَا اِنْ كَانَ ذَاوِرًا

قُلْ اَوْفِیْ بِكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ لِلَّذِیْنَ

تو کہہ، میں بتاؤں تم کو اس سے بہتر؟ پر ہمیں گاروں کو

اَتَّقُوا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرِیْ مِنْ

اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

ہیں ندیاں، رہ پڑے انہیں میں، اور عورتیں ہیں ستھری،

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝۱۵ الَّذِينَ

اور رضامندی اللہ کی - اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے - وہ جو

يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمَتٌ فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم یقین لائے ہیں، سو بخش ہم کو گناہ ہمارے اور

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ

بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے - وہ محنت اٹھانے والے اور سچے -

وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۷

اور بندگی میں لگے رہتے، اور خرچ کرتے اور گناہ بخشواتے، پچھلی رات کو۔

بیانِ نفاستِ نعماءِ خروید و مستحقین انہا

قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذِكْرِ..... الے..... وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں لذاتِ دنیویہ کی حقارت اور خُست کو بیان فرمایا اب ان آیات میں اُخروی نعمتوں کی نفاست کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان نفیس اور لازوال نعمتوں کے اہل اور مستحق کون لوگ ہیں۔

نیز گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ دنیا کے سامان سے فقط دنیا کی چند روزہ زندگی میں نفع اٹھایا جاسکتا ہے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مستقل اور پائیدار فائدہ اور دائمی فلاح کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے جو شہوات اور لذات کی محبت میں گرفتار ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اؤ! میں تم کو اس چیز کی خبر دوں جو اس متاعِ دنیا اور اس کی تمام شہوات اور لذات سے کہیں بہتر اور برتر ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں اور اپنے آپ کو شہوات اور لذات کی محبت اور پیروی سے بچا کر چلتے ہیں جیسے اہل صفۃ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات صوفیہ ایسے لوگوں کے لیے اُن کے پروردگار کے نزدیک عجیب و غریب قسم کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ لوگ اُن باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے داخل ہونے کے بعد کبھی بھی ان سے نہیں نکلیں گے اور ان کے لیے ایسی بیبیاں ہوں گی جو ظاہر اور باطن اور صورت و سیرت ہر اعتبار سے صاف

اور ستھری ہوں گی اور ظاہری اور باطنی گندگی سے بالکل پاک ہوں گی اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ان کو یہ نعمت ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو رضا مندی اور خوشنودی کا پروانہ عطا ہوگا۔ اور جنت ہی فی الحقیقت اسی دہرے مطلوب ہے کہ وہ رضا و خداوندی کا محل ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے خاص بندوں پر خاص نظر عنایت ہے۔

نکتہ | اس آیت میں جنت (یعنی باغات) کا ذکر ان تمام شہوات اور خواہشات کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ جنت کے متعلق ارشاد خداوندی ہے **وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ** یعنی جنت میں نفس کی تمام خواہش پوری ہوں گی اس آیت میں من النساء کے مقابلہ میں ازواج مطہرہ کو ذکر فرمایا کہ جو حسن و جمال میں آفتاب اور مہتاب سے بھی بڑھ کر ہوں گی اور حیض و نفاس وغیرہ کی آلائشوں سے بالکل پاک و صاف ہوں گی۔ اور جنت میں **بَنِينَ** یعنی بیٹے اور سب رشتے دار بھی جمع ہوں گے، کما قال تعالیٰ **الْحُمْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا آَلَتْهُمْ مِنْهُمْ** رہے قناطر مقلطہ سو جنت کے مکانات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہوئے ہوں گے وہاں ایک اینٹ سونے کی ہوگی اور ایک چاندی کی اور گارہ مشک کا ہوگا اور جنت کے برتن اور اس کا سامان بھی سونے اور چاندی کا ہوگا۔ اور موتیوں کے خیمے ہوں گے اور سواری کے لیے حقیقتہً برق رفتار گھوڑے ہوں گے اور لیل و نیشاب سے پاک ہوں گے اور جنت میں انعام اور حرث بھی ہوں گے غرض یہ کہ اس آیت میں جنت کا ذکر ان تمام شہوات اور متاع الحیوة اور دنیا کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

خلاصہ کلام | یہ کہ اہل ایمان کو آخرت میں یہ چیزیں ملیں گی۔ (۱) اپنے مالک خداوند کریم کا قرب نصیب ہوگا۔ (۲) رہنے کے لیے باغات ہوں گے۔ (۳) ہر دم ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (۴) ایسی بیویاں ملیں گی جو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے پاک ہوں گی۔ (۵) سب سے اعلیٰ اور عمدہ نعمت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ ان سے راضی ہو جائے گا۔ بھلا کہاں یہ نعمتیں اور لذتیں اور کہاں وہ دنیوی آلائشیں۔

صفات متقین

اور جن عباد متقین کے لیے حق تعالیٰ نے سابق الذکر نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خاص طور پر یہ دُعا ضرور مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم دل و جان سے ایمان لا چکے ہیں۔ ہمارے پاس اگر ایمان کے سوا کوئی بھی عمل صالح نہ ہو تو تیری بارگاہ میں تنہا ایمان ہی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے پس تو اپنی رحمت سے فقط ایمان ہی کو کافی قرار دے کر ہمارے تمام گناہوں کو بخش

دے اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچالے اور یہ متقی لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں خدا کی راہ میں شہادت اور مصائب کا تحمل کرنے والے ہیں اور شہوات اور خواہشات سے مغلوب ہونے والے نہیں اور سچے اور راست باز ہیں اپنے اقوال اور افعال اور احوال اور نیتوں اور ارادوں سب میں سچے ہیں اور خشوع اور خضوع پر قائم رہنے والے ہیں اور خشوع اور خضوع ہی تمام عبادتوں کی روح ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبودیت پر بالدرام قائم ہیں۔

ف اقنوت کے معنی خشوع اور خضوع کے بھی آتے ہیں اور اطاعت پر قائم و دائم رہنے کے آتے ہیں۔ آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی دولت کو خدا کے حکم کے مطابق خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں اٹھ کر استغفار کرنے والے ہیں یعنی باوجود اس اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں سے سحر میں دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ اپنے فضل سے ہم کو معاف فرما۔

ف (۲) اخیر شب کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اخیر شب کی نیند نفس کے لیے غایت درجہ لذیذ ہے ایسے وقت میں اٹھ کر دعا مانگنا شہواتِ نفس کا پورا مقابلہ کرنا ہے جو کمال ایمان کی دلیل ہے۔ نیز یہ وقت دعا کی قبولیت کا بھی ہے اور خدا نے ذوالجلال کی بے چون و چگون اور بے مثال نزولِ اجلال کا وقت ہے۔ یہ وقت دعا کے لیے غنیمتِ کبریٰ ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا

اللہ نے گواہی دی، کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے، اور علم

الْعِلْمُ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۸﴾

دالوں نے، وہی حاکم انصاف کا۔ کسی کو بندگی نہیں سوا اُس کے، زبردست حکمت والا۔

رجوع بسوئے مضمون توحید

قال تعالى شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اے هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(ربط) ابتداء سورت میں نصارائے نجران سے خطاب تھا جس میں توحید کا اثبات اور الوہیت مسیح کا ابطال تھا درمیان میں اور مناسب مضامین کا ذکر فرمایا اب پھر اصل مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ جو اصل ایمان ہے کیونکہ توحید کی شہادت ایمان کی اصل الاصول ہے اور توحید ہی پر خدا تعالیٰ کی رضامندی

اور خوشنودی کا دار و مدار ہے گواہی دہی اللہ تعالیٰ نے کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام کتابوں اور صحیفوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا اور صحیفہ کائنات کا ایک ایک ورق اس کی توحید کی شہادت دے رہا ہے۔

و فی کل شیء لہ شاهد
ہر گیارہ کے از زمیں روید
یدل علی انہ واحد
وحدہ لا شریک لہ گوید

اور فرشتوں نے بھی اس کی گواہی دہی فرشتوں کی کوئی تسبیح اور تحمید اللہ کی توحید کے ذکر سے خالی نہیں اور علم والوں نے بھی ہر زمانہ میں توحید کی گواہی دہی۔ علماء ہمیشہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کرتے رہے اور شرک کو باطل کرتے رہے یہاں تک کہ توحید کا مسئلہ اس درجہ واضح ہو گیا کہ مشرکین بھی اپنے کو مشرک کہنے سے عار کرنے لگے اور وہ معبود بھی اس شان کا ہے کہ ہر تدبیر کو انصاف اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے اس کی کوئی تدبیر عدل و انصاف سے باہر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے ظلم وہ ہے جو دوسرے کی ملک میں تصرف ہو اللہ تعالیٰ کی ہر تدبیر کا عین عدل اور عین حکمت ہونا یہ بھی اس کی توحید کی ایک مستقل دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں اس لیے کہ الہ یعنی معبود کے لیے عزت اور حکمت کا ہونا ضروری ہے اور وہی عزت والا ہے اور وہی حکمت والا ہے اس کی عزت اور غلبہ کا یہ عالم ہے کہ کوئی اس کے عدل اور تدبیر کو توڑ نہیں سکتا اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ اس کی کوئی شے مقتضائے حکمت کے خلاف نہیں۔

نکتہ | عجب نہیں کہ لفظ قائماً بالقسط میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کے ابطال کی طرف اشارہ ہو کہ یہ کون سا عدل اور انصاف ہے کہ ساری دنیا کے جرائم تنہا ایک شخص پر لا دیئے جائیں اور پھر اس ایک شخص کو بے قصور پھانسی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ معصوم شخص سارے گنہگاروں کے لیے کفارہ بن جائے۔ خدا مے عادل قدوس اس قسم کی گستاخیوں سے پاک اور منزہ ہے۔ بَسْخَاتُہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ

دین جو ہے اللہ کے ہاں، سو یہی مسلمانی حکم برداری، اور مخالف نہیں ہوئے

أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

کتاب والے، مگر جب اُن کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد سے۔ اور جو

بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعٌ

کوئی منکر ہو اللہ کے حکموں سے، تو اللہ شتاب

الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ

لینے والا ہے حساب۔ پھر جو تجھ سے جھگڑیں، تو کہہ، میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے

وَمِنْ أَتْبَعَنِي وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ

علموں پر اور جو کوئی میرے ساتھ ہے اور کہہ دے کتاب والوں کو، اور

ءَاسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا

ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو؟ پھر اگر تابع ہوئے تو راہ پر آئے۔ اور اگر ہٹ رہے، تو

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۖ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝

تیرا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا۔ اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔

بیان حقانیت اسلام و جواب مجادلہ مخالفین اسلام

قال تعالى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ.... إلخ... وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝
(ربط) گزشتہ آیت میں توحید کی شہادت کو ذکر فرمایا جو اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین، صرف دین اسلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق وہ دین کہ جو اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے وہ صرف اسلام ہے۔ نہ کہ یہودیت اور نصرانیت۔ اس لیے کہ اسلام کے معنی اپنے آپ کو ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں اور مسلم اور مسلمان اس بندہ کو کہتے ہیں جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہو اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دی ہو اور بالفاظ دیگر اسلام نام اطاعت اور فرمانبرداری کا ہے اور مسلم اس بندہ کا نام ہے کہ جو خدائے واحد کا فرمانبردار اور اطاعت شعار ہو شروع سے لے کر اخیر تک تمام انبیاء کرام کا یہی دین رہا ہے کہ ایک خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے پس جو لوگ حضرت مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مسیح اور مریم کی تصویروں کو پوجتے ہیں یا جو بے وقوف درختوں اور پتھروں اور چاند اور سورج اور ستاروں کو پوجتے ہیں اُن کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں توحید اور اخلاص و اطاعت کے لحاظ سے تمام انبیاء اور تمام ادیان سماویہ متفق رہے۔ کما قال تعالى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

فَاعْبُدُونِ غرض یہ کہ اسلام اور توحید ایک واضح اور مسلم حقیقت تھی اس میں ذرہ برابر اختلاف کی گنجائش نہ تھی مگر شہوات اور لذات کی محبت نے خود غرضوں اور شہوت پرستوں کو اختلاف پر آمادہ کیا کوئی حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا قائل ہوا اور کوئی ان کی ابنیت اور فرزندیت کا قائل ہوا اور کوئی حلول کا قائل ہوا کہ معاذ اللہ خداوند قدوس حضرت مسیحؑ میں حلول کر آیا ہے اور کوئی اتحاد کا قائل ہوا کہ خدا تعالیٰ اور مسیح بن مریمؑ ایک ہیں اور اہل کتاب نے اس بارہ میں لاعلمی کی بنا پر اختلاف نہیں کیا مگر صحیح علم آنے کے بعد جان بوجھ کر اختلاف کیا اہل کتاب کو اس بات کا خوب علم تھا کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے کیونکہ توریت اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور یہ ان کا اختلاف اشتباہ اور خفا کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض باہمی حسد اور آپس کی ضد سے تھا۔ ابن جریرؒ نے محمد بن جعفرؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کو کسی نے نہیں جانا اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندہ اور رسول ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جو اختلاف ہوا وہ یہودیوں کی عداوت کی بنا پر ہوا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کیا اور حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی اس لیے نصاریٰ ضد میں حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت کے قائل ہو گئے کہ معاذ اللہ یہ خدا کے بیٹے ہیں اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں اختلاف سے اسلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اختلاف کے نامراد ہے اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار یا اللہ کے حکموں سے انحراف کرے اور اسلام اور توحید کو نہ مانے تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ان لوگوں سے اس اختلاف پر محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا پس جب کہ دلائل اور براہین سے اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی اس کے بعد بھی اگر اہل کتاب آپسے کٹ جاتی اور محاصمہ کریں اور اس صریح اور واضح امر میں آپسے جھگڑیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے اور میرے متبعین نے تو اپنا چہرہ خالص اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور اسلام اور توحید کی راہ اختیار کر لی ہے یعنی میں نے اور میرے متبعین نے تو انبیاء کرام کا دین اختیار کر لیا ہے پس اگر تم تمام انبیاء کرام کی تعلیم کے برخلاف کسی کو خدا اور خدا کا بیٹا بناتے ہو تو بناؤ میں اور میرے متبعین اس سے بری ہیں اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جن کو کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ سے اور ان پڑھوں سے یعنی مشرکین عرب سے بھی جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ان سب سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم بھی ہماری طرح اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں پس اگر یہ لوگ تمہاری طرح اسلام لے آئیں تو وہ تمہاری طرح ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر تمہاری طرح اسلام لانے سے منہ موڑیں اور الوہیت اور ابنیت مسیح کے عقیدہ پر اڑے رہیں تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ آپ کے ذمہ فقط حق کا پہنچا دینا اور دلائل اور براہین سے واضح کر دینا ہے سو وہ آپ کو کچے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں تمام بند ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

ف جو شخص دلائل اور براہین کو نہ مانے اور صریح عناد پر اُتر آئے تو ایسے شخص کے سامنے بحث کرنا فضول ہے۔ اور ناحق اپنے وقت کا ضائع کرنا ہے اس لیے اتمام حجت کے لیے یہ بات کہہ کر کلام ختم کر دینا مناسب ہے کہ ہم تو خالص اللہ کے فرمانبردار بندے بن چکے ہیں اب تم اپنی جانو۔ ہم کسی ہمدردی نہیں کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ

جو لوگ منکر ہیں اللہ کی آیتوں سے، اور مار ڈالتے ہیں نبیوں

بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ

کو ناحق اور مار ڈالتے ہیں جو کوئی کہے انصاف کو

مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بَعْدَآبِ أَلِيمٍ^(۲۱) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

لوگوں میں سے، سوان کو خوشخبری سناؤ دکھ والی مار کی۔ وہی ہیں جن کی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

محنت ضائع ہوئی، دنیا میں اور آخرت میں، اور کوئی نہیں ان کا

نَصِيرِينَ^(۲۲) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنْ

مددگار۔ تو نے نہ دیکھے، وہ لوگ جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ

الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کتاب کا اُن کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پر، کہ ان میں حکم کرے، پھر ہٹ

يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ^(۲۳) ذَٰلِكَ

رہتے ہیں بعض ان میں تفاضل کر کے۔ یہ اس واسطے

يَأْتِيهِمْ قَالُوا لَن تَمْسَسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً

کہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ، مگر کئی دن گنتی کے۔

وَاغْرَهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ

اور بھکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر ۔ پھر کیسا ہوگا؟

إِذَا جَسَعَنَّهُمْ لَيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَوَقَّيْتُ كُلُّ

جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن، جس میں شبہ نہیں۔ اور پورا پاؤں گا ہر

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

کوئی اپنا کیس، اور ان کا حق نہ رہے گا۔

ذکر بعض احوال شنیعہ یہود بے بہبود

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ اے وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
 شروع سورت میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اور گزشتہ آیات میں اہل کتاب
 کے عنوان سے یہود اور نصاریٰ دونوں کو خطاب تھا اب ان آیات میں خاص یہود کے بعض افعال
 شنیعہ کو بیان فرماتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی امت کے علماء کو قتل کرنا یہود کا خاص شیوہ ہے قرآن کریم
 کی متعدد آیات میں یہود کا قاتل انبیاء ہونا بیان ہوا ہے اس لیے اس آیت سے خصوصیت کے
 ساتھ یہود کو خطاب شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے
 ہیں اور انبیاء کو دیدہ و دانستہ جان بوجھ کر ناحق قتل کرتے ہیں یعنی خود بھی جانتے ہیں کہ ہمارا یہ فعل
 سراسر ناحق ہے مگر حق کی عدوات اور دنیا کی محبت میں اتنے اندھے بنے کہ جو برگزیدہ صفات حضرت
 حق اور ہدایت کو لے کر آتے تھے ان کو قتل کرنے لگے اور انبیاء کے بعد ان کی امت کے علماء اور صلی
 کو بھی قتل کرتے ہیں جو ان کو عدل اور انصاف اور حکمت کی باتوں کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ آج کل یہود
 آپ کے قتل کے درپے ہیں اور آپ کے صحابہ کے قتل سے ان کو دریغ نہیں یہی ان کے اسلاف کا طریقہ
 تھا جس پر یہ گامزن ہیں۔ سو ایسے قسبی القلوب لوگوں کو آپ در دناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے یہی
 وہ گروہ ہے جس کے اعمال حسد دنیا اور آخرت میں ضائع اور بے کار گئے یعنی دونوں جہان کی کامیابی سے
 محروم ہوئے اور دنیا اور آخرت کی ذلتیں سرپڑیں اور کوئی ان کا مددگار نہیں کہ ان کے اعمال کو ضبط
 ہونے سے بچائے اور دنیا اور آخرت کی کسی ذلت اور مصیبت کو ان سے دفع کر سکے۔

فوائد

- ۱۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ عذاب اُس شخص کو ہوگا جس نے خدا کے کسی نبی کو قتل کیا یا اُس شخص کو قتل کیا جس نے اچھی بات کا حکم کیا اور بری بات سے منع کیا اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفُرُوْنَ سَے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرٍ تک اور یہ ارشاد فرمایا اے ابو عبیدہ۔ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تینتالیس نبیوں کو ایک گھڑی میں قتل کیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے ایک سوستر عابد و زاہد اور صوفی لوگ کھڑے ہوئے اور ان ناہنجاروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ بنی اسرائیل نے اخیر دن میں ان تمام نصیحت کرنے والوں کو بھی قتل کر دیا (اخر جمہ ابن جریر)
- ۲۔ علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں اور ان کا مرتبہ انبیاء کے بعد ہے اس لیے علماء کے قتل کا جرم انبیاء کے قتل کے بعد دوسرے درجہ نہیں ہے۔
- ۳۔ آیت میں انبیاء اور علماء کے قاتلین کی دوسرائیں ذکر کی گئیں ایک جط اعمال دوسرے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرٍ انبیاء کرام چونکہ منبع ہدایت تھے اس لیے اُن کے قتل پر جط اعمال کی سزا ملی۔ اور علماء چونکہ انبیاء کرام کے اُغوان اور انصار اور معین و مددگار تھے اس لیے علماء کے قتل کی سزائیں وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرٍ فرمایا یعنی ان کو خدا کی سزا سے کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔

استعجاب بر اعراض اہل کتاب

گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت کو دلائل اور براہین سے واضح فرمایا اور اہل کتاب کو خاص طور پر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی مگر ان لوگوں نے اعراض کیا اب آئندہ آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا اسلام سے اعراض کرنا نہایت عجیب ہے کہ تو ریت اور انجیل کے عالم ہیں اور نبی کریم کی بشارت اور صفت جو تو ریت اور انجیل میں مذکور ہے اس سے واقف ہیں مگر پھر بھی اعراض کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیت المدراس (یہودیوں کے مدرسہ میں) تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اُن کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ نعیم بن عمرو اور

حارث بن زید نے کہا کہ آپ کا دین کیا ہے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ابراہیم کا دین تھا انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم تو خود دین یہود پر تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ سچ ہے تو توریت لے آؤ اور اس میں دکھلا دو، یہ مضمون کس جگہ لکھا ہے کہ ابراہیم دین یہود پر تھے ان دونوں شخصوں نے توریت لانے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَكْفُرْنَاكَ لِلدِّينِ اَوْ تَوَّأ نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ اِلَيْهِ كِتَابِ اللَّهِ یعنی اے نبی کریم کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جن کو توریت کے علم کا ایک کافی حصہ دیا گیا جس سے حق اور باطل کا فرق ان پر واضح ہو سکے مگر تعجب ہے کہ ان لوگوں کو اسی اللہ کی کتاب (توریت) کی طرف بلایا جاتا ہے جس کے یہ حامل اور عالم ہیں اور اس پر ایمان کے مدعی ہیں تاکہ یہ توریت اُن کے درمیان فیصلہ کر دے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نہیں اور جو ان کا مقدمہ زنا حضور پُر نور کے سامنے پیش ہوا ہے توریت اس کا بھی فیصلہ کر دے کہ توریت میں رجم کا حکم مذکور ہے یا نہیں پس یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور فصل خصوصیات کے لیے نازل ہوئی ہے مگر باوجود اس اقرار کے پھر بھی ان کا ایک فریق اس سے اعراض اور روگردانی کرتا ہے اور یہ لوگ اس وقتی اور عارضی اعراض پر اقتصار نہیں کرتے کہ اس وقت سے پہلے توریت کے احکام پر عمل کرتے رہے ہوں اور فقط اسی ایک موقع پر اعراض اور روگردانی کر بیٹھے ہوں۔ بلکہ یہ لوگ ہر حال میں اعراض کرنے والے ہیں یعنی اعراض ان کی لازمی صفت اور دائمی عادت ہے۔

فَاَيَسَّوْا لَیْ فَرِیقٌ مِّنْهُمْ میں تو لے سے بالفعل اور وقتی طور پر اعراض کرنا مراد ہے۔ اور **وَهُمْ مُّعْرِضُونَ** سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اعراض اُن کا دائمی اور لازمی وصف تھا۔ اس لیے کہ جملہ اسمیہ ثبات اور دوام کے بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے **فَرِیقٌ مِّنْهُمْ** کے بعد **وَهُمْ مُّعْرِضُونَ** کا ذکر غایت درجہ بلیغ اور لذیذ ہو گا اور ان کے اس اعراض اور انحراف کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم کو آگ ہرگز نہ لگے گی مگر چند گنتی کے روز یعنی چالیس دن کی مقدار کہ جس میں ان کے بڑوں نے گو سالہ کی پرستش کی تھی فقط اتنی مقدار عذاب ہو گا اور پھر مغفرت ہو جائے گی اور عذاب سے نجات مل جائے گی۔ اسی فاسد اعتقاد کی بناء پر یہ لوگ ایمان اور عمل کا اہتمام نہیں کرتے اگر خدا کے عذاب کو دائمی سمجھتے تو پھر اس کے مطابق اہتمام کرتے چند روزہ سمجھ کر پرواہ نہیں کرتے۔

علامہ اور بعض علمائے تفسیر نے اس جگہ کتاب اللہ سے قرآن کریم مراد لیا ہے کہ ان کو قرآن کریم کی طرف دعوت دی جاتی جو توریت اور انجیل کی بشارات کے موافق آیا ہے اور تمہارے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے پس ان میں علماء کا ایک فریق اعراض کرتا ہے حالانکہ قرآن کی طرف دعوت دینا درحقیقت توریت اور انجیل کی طرف دعوت دینا ہے اور قرآن پر ایمان لانا توریت و انجیل پر ایمان لانا ہے مگر محققین نے اس جگہ کتاب اللہ سے توریت مراد لی ہے اس لیے ہم نے تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا۔

حضرات انبیاء کے انتساب پر اعتماد کیے ہوئے ہیں اور اپنی نجات کا اعتقاد کیے ہوئے ہیں اس لیے آخرت کی عقوبت کو سہل اور خفیف سمجھتے ہیں اور ایمان اور عمل صالح کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ تمام انبیاء کرامؑ اس بات کو بیان کرتے چلے آئے کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ پر ہے۔ بددن ایمان کے انتساب کچھ کام نہیں آئے گا اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کو دین کے بارہ میں ان اعتقادات اور خیالات نے جو یہ اپنی طرف سے بنائے رہتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں اور اس کے نبیوں کی اولاد ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی اولاد کو عذاب نہ دے گا مگر برائے نام اور نصاریٰ نے کفارہ کا مسئلہ نکال رکھا ہے کہ سارے عالم کے گناہوں کا حساب ایک اکلوتے بیٹے کے صلیب پر چڑھ جانے سے بیاق ہو گیا پس یہ لوگ اپنی ان افتراء پر دازیوں پر آج دنیا میں اپنا دل خوش کر لیتے ہیں مگر یہ تو سوچیں کہ اس وقت ان کا کیا حال ہوگا کہ جب ہم سب کو حساب و کتاب کے لیے ایک دن جمع کریں گے جس کے بارہ میں ذرہ برابر کوئی شک و شبہ نہیں اور وہ دن ایسا ہوگا کہ ہر نفس کو اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا جو اس نے دنیا میں کمایا تھا اور ذرہ برابر ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا کہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ ان کو سزا دے دی جائے یا ان کی کوئی حق تلفی ہو جائے یعنی نیکیوں کا بدلہ نہ دیا جائے یا کم دیا جائے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مِلْكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَن تَشَاءُ وَ

تو کہہ، یا اللہ مالک سلطنت کے! تو سلطنت دیوے جس کو چاہے، اور

تَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتَعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُزِلُّ

سلطنت پھین لیوے جس سے چاہے، اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل

مَن تَشَاءُ طِبِّدُكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

کرے جس کو چاہے، تیرے ہاتھ سب خوبی، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

قَدِيرٌ ۚ تَوَجَّهْ إِلَيْكَ فِي النَّهَارِ وَتَوَجَّهْ إِلَيْكَ فِي

تو لے آوے رات کو دن میں اور تو لے آوے دن کو

الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

رات میں، اور تو نکالے جیتا مردے سے اور تو نکالے مردہ

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۷

جیتے سے ، اور تو رزق دیوے جس کو چاہے بے شمار۔

بَشَارَتِ غَلَبَةِ مُؤْمِنِينَ بِرَأْعَادٍ بِعُنْوَانِ مُنَاجَاةٍ وَدُعَا

قَالَ تَعَالَى قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكٌ مُلْكٌ..... اے..... وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(ربط، کفار، دنیا، اور سامان دنیا پر مغرور تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب اور احباب کو فقر و فاقہ کی وجہ سے بنظر حقارت دیکھتے تھے اس آیت میں اسی کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ سلطنت اور دولت کا عروج اور نزول اور عزت اور ذلت سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اس طرح دعا مانگو ہم تم کو بے مثال سلطنت عطا کریں گے جس کو یہ مذاق اڑانے والے بھی دیکھ کر حیران اور دنگ رہ جائیں گے گویا کہ یہ دعا ایک طرح کی پیشین گوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کلیا پلٹ ہونے والی ہے اور یہ بے سرو سامان مسلمان قوم عزتوں اور سلطنتوں کی مالک بنے گی اور جو بادشاہت کر رہے ہیں وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ذلت کے گڑھے میں گرائے جائیں گے اور یہ مادی سلطنت کیا چیز ہے جس خداوند ذوالجلال نے نبوت رسالت کے منصب جلیل کو بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دیا تو اسے روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے۔

شانِ نزول

غزوہ احزاب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صحابہ کو خندقیں کھودنے کا حکم دیا ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کھودنے کے لیے مقرر کیا صحابہ نے خندق کھودنا شروع کیا اس درمیان میں ایک بڑی چٹان نمودار ہوئی جس پر کدال کچھ کام نہ کرتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ اس جگہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور سلمان رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ چٹان شق ہوئی اور اس سے ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی جس سے تمام مدینہ روشن ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرے میں چراغ روشن ہو گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی یعنی اللہ اکبر کہا اور صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا پھر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں رحیرہ کے محلات دکھائے گئے پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اس سے بھی ایک روشنی نمودار ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں روم کے سرخ محلات دکھائے گئے یہ کہہ کر آپ نے پھر تیسری بار کدال ماری جس سے پھر ویسی ہی روشنی نمودار ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں صنعاء (جو ملک یمن کا دارالسلطنت ہے) کے محلات دکھائے گئے اور مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ عنقریب ان سب ممالک پر میری امت کا تسلط اور غلبہ ہوگا جب کافروں اور منافقوں نے یہ سنا تو کہنے لگے اے مسلمانو تمہارا نبی بھی خوب ہے کیسی عجیب باتیں کرتا ہے یرش سے اس کو مدائن اور حیرہ کی عمارتیں نظر آتی ہیں اور خوف کا حال یہ ہے کہ ایک معمولی دشمن کے ڈر سے تم سے خدقین کھدوا رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار ناہنجاہ کے تمسخر اور استہزاء کی طرف ذرہ برابر التفات نہ کریں یوں کہو۔ یعنی اس طرح ہم سے دعا مانگو ہم آپ کے غلاموں اور خادموں کو سلطنت عطا کریں گے۔ اس طرح دعا مانگو اے اللہ مالک بادشاہی اور سلطنت کے ہم کو بادشاہی اور عزت عطا فرما تاکہ کوئی کافر تیرے دین اور تیرے نام لیواؤں کو ذلیل نہ کر سکے اور شان و شوکت کے ساتھ تیرے دین کے احکام جاری ہوں ہم اگر چہ قلیل اور ظاہر میں ذلیل ہیں مگر آپ کو سب کچھ قدرت ہے اس لیے کہ آپ مالک مطلق اور قادر مطلق ہیں جس کو چاہیں بادشاہی اور سلطنت عطا فرمائیں اور جس سے چاہیں سلطنت چھین لیں تیرے ہاتھ میں ہے ہر بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں اور عزت کو ذلت سے اور ذلت کو عزت سے بدلنا ایسا ہی آپ کی قدرت میں ہے جیسا کہ نور کو ظلمت سے اور ظلمت کو نور سے بدلنا آپ کی قدرت میں ہے اس لیے کہ آپ کو یہ قدرت ہے کہ رات کے ایک حصہ کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور کسی فصل میں دن کے کسی حصہ کو رات میں داخل کر دیتے ہیں جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے مثلاً کسی موسم میں رات چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے اور دن دس گھنٹے کا پھر چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹے کاٹ کر دن میں داخل کر دیئے جاتے ہیں جس دن چودہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور رات دس گھنٹے کی رہ جاتی ہے اور توہی نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور توہی نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے جیسے بیضہ سے چوزہ اور چوزہ سے بیجہ اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور مؤمن سے کافر اور کافر سے مؤمن اور توہی روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار یہ آپ کی قدرت کاملہ اور جو دو کرم کے چند نمونے ہیں اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو ایمان اور تقویٰ کے نور سے متور فرما اور ہم کو حکومت و سلطنت عطا فرما تاکہ تیرے اتارے ہوئے دستور اور قانون کو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں جاری کر سکیں۔

فوائد

۱۔ طبرانی کی معجم صغیر میں ہے کہ ایک جموعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو نماز میں

نہ دیکھا تو خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا اے معاذ کیا بات ہے آج میں نے تم کو نہیں دیکھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک ادقبہ (چالیس درہم) قرض تھا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے نکلا راستہ میں اس یہودی نے مجھ کو روک لیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا کر دے وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تَوْفِي الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تَوَجَّعْتُ لِيْلٍ فِي النَّهَارِ وَتَوَجَّعْتُ لِنَهَارٍ فِي اللَّيْلِ وَتَخَرَّجْتُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتَخَرَّجْتُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرَزَّقْتُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ رَحْمَنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا تُعْطِي مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ اَرْحَمُنِي رَحْمَةً تَغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ وَتَوَفَّنِي فِي عِبَادَتِكَ وَجِهَادِي فِي سَبِيلِكَ (تفسیر قرطبی ص ۵۲ ج ۱ و درمنثور و شرح حصن حصین ص ۲۹)

۲۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس آیت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس پر مداوت کرے اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے سبکدوش فرماتا ہے۔

۳۔ بعض بزرگوں نے یہ تخصیص بھی کی ہے کہ ہر نماز کے بعد سات سات بار پڑھے اور بزرگوں نے اس عمل کو مجرب لکھا ہے۔

۴۔ معجم طبرانی میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم جس کے ذریعہ سے دعا قبول ہوتی ہے وہ آل عمران کی اس آیت میں ہے اَللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تَوْفِي الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۲)

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ

نہ پکڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ

الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ

کر اور جو کوئی یہ کام کرے، وہ اللہ کا کوئی نہیں،

فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ ۚ وَيَحْذَرُكُمْ

مگر یہ کہ تم پکڑا چاہو ان سے بچاؤ - اور اللہ

اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ تَخَفُوا

تم کو ڈراتا ہے آپ سے۔ اور اللہ ہی تک پہنچنا ہے : تو کہہ، اگر تم بھپاؤ

مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمَهُ اللَّهُ ۖ وَيَعْلَمُ

گئے اپنے جی کی بات، یا ظاہر کر دے گے، وہ اللہ کو معلوم ہے اور اسکو معلوم ہے

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ

جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ اور اللہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

پر قادر ہے۔ جس دن پاوے گا ہر شخص جو کی ہے نیکی

مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ

رد برد۔ اور جو کی ہے برائی۔ آرزو کرے گا

أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۖ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ

کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جائے دور کا۔ اور اللہ ڈراتا ہے تم کو

نَفْسَهُ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

آپ سے۔ اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر۔

ممانعتِ دوستان از دوستی دشمنان

قال تعالى لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ... اے... وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا کہ عزت اور ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں یعنی اہل اسلام کو حکم دیتا ہے کہ تم مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمنان خدا کی موالات اور دوستی کی طرف کوئی قدم نہ اٹھانا اور کافروں کی ظاہری اور وقتی شان و شوکت کو دیکھ کر

یہ گمان نہ کرنا کہ شاید ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے کوئی دنیوی عزت ووجاہت مل جائے گی۔ حاشا وکلاء۔ اَيْبَتُغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا۔ کافروں کے پاس جو عزت نظر آتی ہے وہ حقیقی عزت نہیں محض صورت ہے حقیقی عزت اللہ کے پاس سے ملتی ہے البتہ اگر کسی وقت بحالت مجبوری دشمنوں کے شر اور فساد سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر ان کی موافقت کر لو تو اس کی ممانعت نہیں۔ تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے اس قسم کی ظاہرداری بشرط ضرورت اور بقدر حاجت موالات کے حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ یہ موالات کی حقیقت نہیں بلکہ محض صورت ہے۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حجاج بن عمرو اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زبید اس قسم کے چند یہودی چند انصار سے کچھ خلا ملا رکھتے تھے تاکہ موقتہ پاکر ان کو دین اسلام سے برگشتہ کر دیں (اکثر مسلمانوں کو ان کی اس بدیتی کا حال معلوم نہ تھا مگر جو صاحب نظر تھے وہ پہچان گئے کہ یہود کا کیا مقصد ہے) چنانچہ رفاعہ بن منذرؓ اور عبداللہ بن جبیرؓ اور سعد بن خبثہؓ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ تم یہود کی اس جماعت سے بچتے رہنا کہیں تم کو دین سے برگشتہ نہ کر دیں ان انصاریوں نے ان کی اس بات کو نہ مانا اس پر یہ آیت نازل ہوئی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمان کو چھوڑ کر یعنی سوائے مسلمانوں کے کسی کو ظاہراً اور باطناً دوست نہ بنائیں اس لیے کہ ایمان نور ہدایت ہے اور کفر ظلمت و ضلالت ہے اور نور اور ظلمت اور ہدایت اور ضلالت اور حق اور باطل میں دوستی ممکن نہیں اجتماع ضدین عقلاً و نقلاً محال ہے اور جو کوئی یہ کام کرے یعنی کافروں کو دوست بنائے تو ایسے شخص کو اللہ سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ کافر اللہ کے دشمن ہیں اور دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے اور مومن اللہ کے دوست ہیں۔ پس مومن رہتے ہوئے کافر کے ساتھ دوستی رکھنا ممکن نہیں۔ مگر ایک صورت میں محض تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے ظاہری دوستی کی اجازت ہے۔ وہ یہ کہ تم کافروں کے شر سے بچنا چاہو کسی خاص بچاؤ کے ذریعہ سے یعنی محض اُن کے شر اور ضرر سے بچنے کے لیے حفاظتی تدبیر کے درجہ میں اُن سے فقط بقدر ضرورت محض ظاہری تعلق پیدا کرنا جائز ہے۔ باقی ولی تعلق اور قلبی محبت کسی حال میں بھی جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس سلسلہ میں کسی معصیت کا ارتکاب ہونا پڑے یا مسلمانوں کی جاسوسی کرنی پڑے اور مسلمانوں کے راز اور خبریں کافروں کو دینے لگے۔ فقط دفع شر اور دفع ضرر کیلئے بقدر ضرورت قواعد شریعت کے ماتحت کافروں سے فقط اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لیے تعلق رکھنے کی اجازت ہے باقی کافروں سے ایسا تعلق جو مسلمانوں کے لیے یا مسلمانوں کی حکومت کے لیے مضر ہو یہ کسی

طرح اور کسی حالت میں جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی اپنے ذاتی جلال اور قہر سے ڈراتا ہے کہ جو کافروں سے دوستی کرنے پر مرتب ہوگا اشارہ اس طرف ہے کہ کافروں کی دوستی پر خدائے قہار کا جو قہر مرتب ہوتا ہے وہ قہر ذاتی ہے قہر فعلی نہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم کافروں کی محبت خواہ اپنے سینوں میں چھپا ڈیا اُسے اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کرو تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اس لیے کہ اس کے سامنے ظاہر اور باطن سینہ اور زبان سب برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یعنی اُس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے علم کی طرح اس کی قدرت بھی محیط ہے لہذا تم کو چاہیے کہ اس علیم و قدیر کے دوستوں سے دوستی کرو اور اس کے دشمنوں کی دوستی سے ظاہر و باطن میں احتیاط رکھو اور اس دن کے حساب و کتاب سے ڈرو کہ جس دن ہر نفس اپنے اعمال نیک و بد کو اپنی اصلی شکلوں میں حاضر کیا ہوا پائے گا اس وقت جب کہ اعمال اپنی اصلی شکلوں میں نمودار ہوں گے اس وقت اُن اعمال کا حسن و قبح نظروں کے سامنے آجائے گا اور اس وقت یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور میرے بُرے اعمال کے درمیان ایک طویل اور دور دراز مسافت حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے قہر اور جلال سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑا مہربان ہے کہ ان کو پہلے ہی بتلادیا کہ دنیا میں کن سے دوستی جائز ہے اور کن سے دوستی ناجائز ہے۔

فوائد

- ۱۔ کافروں سے موالاة یعنی محبت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو دینی حیثیت سے محبوب رکھا جائے یہ قطعاً کفر ہے دوسری صورت یہ ہے کہ دل سے اُن کے مذہب اور دین کو بُرا سمجھے مگر معاملات دنیویہ میں اُن سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آئے یہ بالاجماع جائز بلکہ ایک درجہ میں مستحسن ہے۔ تیسری صورت ان دونوں صورتوں کے بین بین ہے وہ یہ کہ دل سے تو ان کے مذہب کو بُرا سمجھے مگر کسی قرابت یا دوستی یا دنیوی غرض کی وجہ سے اُن سے دوستانہ تعلقات رکھے اور ان کی اعانت اور امداد کرے یا کسی وقت مسلمانوں کی جاسوسی کرے۔ یہ صورت کفر تو نہیں مگر سخت گناہ ہے حاطب ابن ابی بلتعہ کے قصہ میں یہی صورت پیش آئی کہ انہوں نے اپنی قرابت کی وجہ سے کفار کی مدد کی اور اُن کے ساتھ ایک قسم کا سلوک اور احسان کیا سورۃ ممتحنہ کا نزول اسی قسم کی موالات کی ممانعت کے لیے ہوا ہے (تفسیر کبیر)
- ۲۔ کافروں کی سی وضع قطع اختیار کرنا یہ علامت ہے کہ اس شخص کو کافروں کی وضع پسند ہے اور اسلام کی وضع اس کو ناپسند ہے اس لیے کہ تمام عقائد کے نزدیک ظاہری حرکات و سکنات۔ قلبی

کیفیات کی ترجمان ہوتی ہیں۔

۳۔ ثقۃ سے آیت میں۔ کافروں اور دشمنوں کے شر سے بچنے کی تدبیر مراد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ باقی رہا شیعوں کا تقیہ سو آیت قرآنیہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ

تو کہہ، اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی، تو میری راہ چلو کہ اللہ تم

اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾

کو چاہے، اور بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ

تو کہہ، حکم مانو اللہ کا اور رسول کا، پھر اگر وہ ہٹ رہیں تو اللہ

لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

نہیں چاہتا منکروں کو۔

آغاز مضمون رسالت

وبیان آنکہ معیار محبت خداوندی اتباع رسول است

قال تعالیٰ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي الے فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ہ (ربط) ۱۔ گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ سے موالات کا حکم مذکور تھا اب ان آیات میں یہود اور نصاریٰ کے اس قول کی طرف تعریف ہے کہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں۔ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ان آیات میں حق جل شانہ نے ان کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم اللہ کی محبت اور دوستی کے دعوے دار ہو تو ہمارے نبی کا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا یعنی اگر تم ہمارے نبی کا اتباع کرو گے تو اس کا صلہ یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو مجتہدین کے درجہ سے مجتہدین

کے درجہ تک پہنچا دے گا اور اس طرح تم محب سے محبوب بن جاؤ گے اور طالب سے مطلوب ہو جاؤ گے۔
۲۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں دشمنانِ خدا سے موالات اور محبت کی ممانعت کا ذکر تھا اب اس آیت میں انبیاء و رسل کی محبت اور متابعت کا ذکر ہے اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی۔ عزتِ حضراتِ انبیاء و کرامؑ کی اتباع میں ہے۔

عزیز یکہ از در گہش سربافت
بہر در کہ شد پیچ عزت نیافت

۳۔ یایوں کہو کہ شروعِ سورت سے اب تک توحید کا بیان تھا اب یہاں سے نبوت و رسالت کا بیان شروع ہوتا ہے سب سے پہلے پیغمبرِ آخر الزمان کی اطاعت کا ذکر فرمایا اور پھر اس کے بعد والی آیتوں میں (یعنی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَّ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۱۶) میں ان مقبول اور محبوب اور پسندیدہ اور برگزیدہ ہستیوں کا ذکر فرمایا کہ جن کی اطاعت اور متابعت اپنے اپنے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی محبت کا معیار رہی اور اب نبی آخر الزمان کی نبوت و رسالت کا دور دورہ ہے جو بلاشبہ خداوندِ ذوالجلال کے حبیب اور خلیل ہیں لہذا اب جو شخص اللہ کی محبت اور دوستی کا دعویٰ کرے تو اس کا معیار یہ ہے کہ وہ حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے چون و چرا اتباع کرے ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا اور تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا جس درجہ ہمارے نبیؐ کا اتباع کر دے اسی درجہ خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔
۴۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں خدا کے دشمنوں سے محبت کی ممانعت تھی اب اس آیت میں خدا تعالیٰ کے بزرگ ترین حبیب اور خلیل کی محبت اور متابعت کا حکم ہے۔

۵۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں تخویف اور تہدید تھی تاکہ معصیت پر جری اور دلیر نہ ہو جائیں اور اس آیت میں تبشیر اور تسلی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں چنانچہ فرماتے ہیں۔
اے ہمارے نبیؐ آپ لوگوں کے یہ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے زعم میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو یعنی میری راہ پر چلو کیونکہ محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی اور خوشی کی تلاش ہو اور جن چیزوں سے محبوب کو نفرت ہے ان سے محب بھی نفرت کرے اور یہ بات آپ کے اتباع اور پیروی ہی سے ممکن ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا پتہ عقل سے نہیں چلتا بلکہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے اور حضراتِ انبیاء و رسل ہی کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات و صفات کی صحیح معرفت اور اس کے ادا امر اور نواہی کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے اور محب اپنے محبوب کی معرفت اور طریقہ اطاعت کے علم کا حریص اور مشتاق ہوتا ہے تاکہ اس کی محبت کا اہل اور اس کے تقرب کا مستحق ہو سکے پس اگر تم

اللہ کی محبت کے مدعی ہو تو میری راہ پر میرے پیچھے میرے نقش قدم پر چلے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب اور مقرب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ محض محبت پر مغرور نہ ہو جاؤ بلکہ اس اللہ کی اطاعت کرو جس کی محبت کے تم مدعی ہو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے محبوب کا محبوب بھی محبوب اور واجب اطاعت ہوتا ہے۔ پس اگر یہ لوگ آپ کی اطاعت اور اتباع سے منہ موڑیں اور یہ گمان کریں کہ ہمیں رسول کی اتباع کی ضرورت نہیں تو خوب سمجھ لیں کہ خدا کے فرستادہ اور محبوب کی اطاعت اور اتباع سے اعراض (گمراہی) کرنا کفر ہے اور تحقیق اللہ کا فرد کو محبوب نہیں رکھتا یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے نَحْنُ بِنَاءُ اللَّهِ وَاجِبَاءُ کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ کافر خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ خدا کا محبوب وہی شخص ہو سکتا ہے جو خدا کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون و چرا اطاعت کرے۔

نکتہ | ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ لَا يَجْتَنِبُھُمْ فرماتے لیکن بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لائے اور یہ فرمایا لَا يُجِبُ الْكَافِرِينَ تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی کی اتباع اور اطاعت سے اعراض کفر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ

اللہ نے پسند کیا آدم کو، اور نوح کو، اور ابراہیم کے گھر کو اور

عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ط

عمران کے گھر کو، سارے جہان سے ۔۔۔ کہ اولاد تھے ایک دوسرے کی

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

اور اللہ سنتا جانتا ہے ۔۔۔

ذِكْرِ اصْطَفَا بَعْضُ بَرَكَزِيدِ كَانِ خَدَوْنِدِرَانَامِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

قال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ ۔۔۔۔ الے ۔۔۔۔ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (ربط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے معیار کا بیان تھا اب اس آیت میں

اللہ تعالیٰ اپنے چند برگزیدہ بندوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی محب اور محبوب تھے تاکہ ان کے حالات اور واقعات سن کر ان کے اتباع اور محبت کا شوق دل میں پیدا ہو اور یہ سمجھ لیں کہ حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت بدون ان حضرات کی اتباع اور پیروی کے ناممکن ہے اور ان چند مجبین اور محبوبین خدا کا ذکر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی تمہید ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔ بہر حال مقصود اس تذکرہ سے یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں وصول بدون حضرات انبیاء کرام کے ناممکن اور محال ہے انہی حضرات کے اتباع سے حق تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے جس نے دنیا کو خدا تعالیٰ کی محبت کی تعلیم دی اور اس کا طریقہ بتلایا وہ ہمارے محترم ترین باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو خداوند ذوالجلال کے خلیفہ ہیں اور علم اور معرفت میں فرشتوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور سب سے پہلے خدا کے نبی اور رسول مکرم ہیں۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر آل عمران اور پھر سب سے اخیر میں ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جن کی بے چون و چرا متابعت اور اطاعت محبت خداوندی کا معیار ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا کہ اپنی خلافت کا تاج اُن کے سر پر رکھا اور مسجود ملائک بنایا اور جس نے اُن کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور ان کی ہمسری کا مدعی بنا اس کو ملعون اور مغضوب بنا کر اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا اور اُن کے ایک عرصہ دراز کے بعد خاص طور پر نوح کو برگزیدہ بنایا کہ اُن کی اتباع کرنے والوں کو نجات دی اور ان کی اطاعت اور اتباع سے اعراض کرنے والوں کو کیلیخت غرق کیا اور ابراہیم کی اولاد میں سے بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو دونوں کے لیے برکت کا وعدہ فرمایا اور علی ہذا خاندان عمران میں سے بھی بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ وَالْإِمْرَانُ عَلَى الْعَالَمِينَ میں عمران سے کون سے عمران مراد ہیں آیا عمران بن ماثان مراد ہیں جو حضرت مریم کے والد ہیں اور حضرت مسیح کے جد ہیں یا عمران بن یصھر بن قاہث بن لادی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد ہیں اور آیت کے سیاق اور سابق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں عمران بن ماثان۔ حضرت مریم کے والد مراد ہیں اس لیے کہ ان آیات کا نزول نصاریٰ نجران کے بارہ میں ہوا جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے الوہیت کے قائل تھے بہر حال اس عمران سے اگر حضرت موسیٰ کے والد مراد ہیں تو اولاد عمران سے حضرت موسیٰ اور ہارون مراد ہوں گے اور اگر عمران سے حضرت مریم کے والد مراد ہیں تو آل عمران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوں گے غرض یہ کہ ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا اور تمام جہانوں میں سے ان کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ در آنحالیکہ یہ جماعت ایک نسل ہیں جو ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک طینت اور ایک خمیر ہیں جو

اصطفاء اور اجتباء کے یکے بعد دیگرے وارث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب اقوال کے خوب سننے والے اور سب ظاہری اور باطنی احوال کے خوب جاننے والے ہیں کہ کون شخص اصطفاء اور برگزیدگی کے لائق ہے اللہ کا اصطفاء علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

فائدہ

اس آیت میں صراحۃً اسمعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں وجہ یہ ہے کہ ان آیتوں کا نزول ان لوگوں کے مقابلہ میں ہوا ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کی نبوت اور برگزیدگی کو مانتے تھے ان پر حجت پورا کرنے کے لیے ان حضرات کا ذکر کیا گیا جن کی محبت کے وہ دعوے دار تھے اس لیے اس الزام اور توبیخ میں اُن افراد کا ذکر نہیں کیا گیا جن کی نبوت و بعثت کے وہ قائل نہ تھے نیز آیت میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں کہ اصطفاء انہی حضرات میں منحصر ہے لہذا اگر حضرت اسمعیلؑ کے اصطفاء کا اس آیت میں ذکر نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں دوسری آیتوں میں ان کا اور دوسرے حضرات انبیاء کا ذکر مفصل آیا ہے جن کا اس آیت میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکتہ اِنَّ اٰتِیَہٗٓ اصْطَفٰی کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آل ابراہیم اور آل عمران مثلاً عیسیٰ علیہ السلام سے جو خوارق اور معجزات ظہور میں آئے وہ اُن کی برگزیدگی اور نبوت کی دلیل ہیں۔ نادانی سے ان کو الوہیت کی دلیل نہ سمجھ جانا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ

جب بولی عورت عمران کی، کہ اے رب! میں نے نذر کیا

لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

تیری، جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد سو تو مجھ سے قبول

مِنْیْۤ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا

کر۔ تو ہے اصل سُنّا جانتا پھر جب اُس کو جنی،

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

بولی اے رب میں نے یہ لڑکی جنی اور اللہ کو بہتر معلوم

وَضَعْتُ وَلَيْسَ الذَّكْرُ كَالْأُنثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا

ہے جو کچھ جینی اور بیٹا نہ ہو جیسے وہ بیٹی اور میں نے اس کا نام

مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُس کو، اور اُسکی اولاد کو شیطان مردود

الرَّجِيمِ ۝۳۶ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا

سے ۔۔۔ پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول کرنا اور بڑھایا

نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

اس کو اچھی طرح بڑھانا، اور سپرد کی زکریا کو ۔ جس وقت آتا اُس پاس

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَرِيمُ

زکریا حجرے میں پاتا اُس پاس کچھ کھانا، بولا اے مریم!

أَنِّي لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ

کہاں سے آیا تجھ کو یہ؟ کہنے لگی، یہ اللہ کے پاس سے ۔ اللہ

يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷

رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس ۔۔۔

قصہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام

قال تعالى اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّي نَذَرْتُ لَكَ اَلْاَلْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ه
(رابط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کے چند محب اور محبوب بندوں کا اجمالاً ذکر تھا اب
اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے آل عمران کا قصہ ذکر فرمایا جس سے مقصود
یہ ہے کہ اہل کتاب کے دو بڑے گروہ یہود اور نصاریٰ دونوں کے خیالات اور منزعواتِ فاسدہ کا

اور ان کی افترا پر دازیوں کا فیصلہ کر دیا جائے۔ یہود بے بہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں غایت درجہ تفریط کی اُن کو اُن کی شان عالی سے گھٹایا، اور اُن کو کاہن اور جادوگر بتلایا اور نصاریٰ نے افراط کی یعنی ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ کیا کہ ان کی ابنیت اور الوہیت کے قائل ہوئے اس لیے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور طفولیت اور ان کی کہولیت اور ان کے بشری احوال کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنس بشر سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔ معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہیں اس لیے کہ احوال بشریت اور اطوار انسانیت سے گزرنا الوہیت اور ابنیت کے قطعاً منافی ہے حق تعالیٰ احوال اور تغیرات سے پاک اور منزہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا ہونے تو ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوتے اور نہ ماں کی گود میں پرورش پاتے۔ الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور طفولیت اور کہولیت کو نصارا نے نجران کے عقیدہ الوہیت اور ابنیت کے ابطال کے لیے ذکر فرمایا۔

بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت در سالت اور اُن کے فضائل اور معجزات اور رفع الی السما کو یہود کے رد کے لیے بیان فرمایا تاکہ یہود بے بہود یہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور اُن کے دشمنوں کو ذلیل اور خوار کرتا ہے اور مال اور اولاد کی کثرت اُن کے کچھ کام نہیں آتی۔ حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ اپنے کسی دوست کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر آسمان پر لے جائے اور دشمنوں ہی میں سے کسی کو اپنے دوست کے ہمنسل بنا کر پھانسی پر لٹکا دے اور تاکہ ان باتوں سے یہود یہ سمجھ جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے کاہن اور ساحر نہ تھے غرض یہ کہ اس طریق سے یہود اور نصاریٰ دونوں کا خوب رد ہو گیا اور دونوں گروہ کے عقیدہ کا فاسد اور باطل ہونا خوب واضح ہو گیا۔

یایوں کہو کہ ان حضرات انبیاء و مرسلین کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ان حضرات کا اتباع اور اطاعت ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ نبی کی اطاعت ہے۔ فَلَا تَمْتَرْنَ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ اور صحیح دین بھی وہی ہے جو ان حضرات کا تھا اور وہی دین اسلام ہے اور جو دین تم نے اختیار کیا ہوا ہے وہ انبیاء و مرسلین کا دین نہیں۔ انبیاء و مرسلین کا دین بھی دین اسلام ہے جس کی طرف تم کو نبی آخر الزمان بلا رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ عمران کی بی بی نے جن کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق حالت حمل میں یہ منت مانی کہ لے میرے پروردگار میں نے آپ کے لیے نذر کیا وہ بچہ جو میرے شکم میں ہے تیری عبادت کے لیے اور تیرے گھر کی خدمت کے لیے آزاد ہوگا۔ ماں باپ اُس سے اپنی کوئی خدمت نہ لیں گے۔ باقی تمام دنیوی مشاغل سے آزاد ہو کر فقط تیری عبادت اور تیرے گھر کی خدمت میں لگا رہے گا پس تو اپنی رحمت سے میری اس نذر کو قبول فرما لے۔

تحقیق تو میری عرض و معروض کو سن رہا ہے اور میری نیت اور اخلاص کو جاننے والا ہے اس لطیف اور پاکیزہ عنوان سے دعا مانگنے میں اشارہ اس طرف تھا کہ مجھ کو فرزند عطا فرما کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کیلئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ پس جب خلاف توقع لڑکی جنی تو نہایت حسرت سے کہا اے میرے پروردگار میں نے تو اس حمل کو لڑکی کی بنا میری نذر تو اب کیا پوری ہوگی اس لیے کہ لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔ امراۃ عمران تو حسرت کر رہی تھیں اور اللہ کو بہتر معلوم ہے جو کچھ اُس نے جنا۔ اور وہ فرزند جس کی وہ خواہش کرتی تھیں اس دختر کے برابر نہیں جو منجانب اللہ ان کو دی گئی۔

ف یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ۔ قول خداوندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمران کی بیوی کی حسرت اس بنا پر ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ لڑکی کس شان اور مرتبہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لڑکی کیسی مبارک اور مسعود ہے اور اس کے وجود میں ایک ایسے عظیم الشان فرزند ارجمند کا وجود مخفی اور مضمحل ہے جو خیر و برکت میں اس کے دہم دگمان سے کہیں بالا اور برتر ہے یہاں تک بطور جملہ معترضہ کلام خداوندی تھا اب آگے پھر عمران کی بی بی کا قول ہے اور تحقیق میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا۔ مریم کے معنی اُن کی زبان میں عابدہ یعنی عبادت کرنے والی کے تھے حضرت حنہ کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مریم کو اسم بامسمیٰ بنادے اور یہ عرض کیا کہ بار اہا میں مریم کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی ہی کو لڑکے کے عوض قبول فرمایا نہایت عمدہ قبول کے ساتھ یعنی لڑکوں سے بڑھ کر اس لڑکی کو قبول فرمایا اور مجاورین بیت المقدس نے بھی باوجود خلاف دستور ہونے کے اس لڑکی کو قبول کر لیا اور مریم علیہا السلام کا لڑکی ہونا قبولیت کے لیے مانع نہ ہوا اور بڑھایا اللہ تعالیٰ نے اُس لڑکی کو اچھی طرح بڑھانا یعنی اُن کی ظاہر اور باطنی تربیت فرمائی اور اُن کی بالیدگی کو ایسا مکمل کیا کہ کوئی چیز اُن کو بگاڑ نہ سکے اور اُن کی قبولیت اور انبات حسن یعنی اُن کی تربیت کی ایک صورت یہ پیدا فرمائی کہ اپنے ایک مقبول اور برگزیدہ بندہ یعنی حضرت زکریا کو ان کا کفیل اور خبر گیر بنا دیا اور جب حضرت مریم کچھ سیانی ہو گئیں تو حضرت زکریا نے اُن کے لیے مسجد کے قریب ایک حجرہ مخصوص کر دیا جو محراب کے قریب تھا جس میں رہ کر دن بھر اللہ کی عبادت کرتیں جب کبھی حضرت زکریا مریم کے پاس محراب یعنی حجرہ میں آتے تو ان کے نزدیک کچھ کھانا رکھا ہوا پاتے جس کا ظاہر میں کوئی سبب نہ تھا کیونکہ وہ کھانا نہ تو ان کے گھر کا تھا اور نہ باہر کا اس لیے کہ حضرت زکریا جب چلے جاتے تھے تو حجرہ کا دروازہ بند کر دیتے تھے اور پھر تعجب یہ تھا کہ ان کے سامنے غیر موسم کا پھل رکھا ہوا دیکھتے سردیوں کا میوہ گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردی میں اس لیے حضرت زکریا نے تعجب سے کہا اے مریم یہ تیرے لیے کہاں سے آیا مریم بولی یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے اللہ جس کو چاہے بغیر قیاس اور بغیر اندازہ اور بغیر دہم دگمان کے روزی دے اس کے رزق دینے کے لیے کسی ظاہری سبب کی ضرورت نہیں۔

فوائد

۱۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدا ہوتے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چھوتا ہے جس سے وہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم اور ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو یہ دونوں اس سے مستثنیٰ رہے اور چونکہ امراۃ عمران کی یہ دعا استعاذہ عین ولادت کے ساتھ تھی اس لیے اس وقت تک شیطان کا مس واقع نہ ہوا تھا اگرچہ قرآن کریم میں امراۃ عمران کی اس دعا استعاذہ کا ذکر بعد ولادت کے واقع ہوا لیکن داو ترتیب و قوعی پر دلالت نہیں کرتا۔ لہذا اب یہ اشکال نہیں رہا کہ امراۃ عمران کی یہ دعا تو ولادت کے بعد ہوئی اور مس شیطان اس سے پہلے عین وضع حمل اور ولادت کے وقت ہوتا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ دعا تو عین ولادت کے وقت تھی مگر قرآن کریم میں ذکر اس دعا کا بعد میں ہے یہ دعا ذکر میں مؤخر ہے اور وقوع میں مقدم ہے۔

۲۔ ولادت کے وقت شیطان ہر بچہ کو مس کرتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔ لیکن عباد مخلصین کو یہ مس شیطانی کوئی ضرر نہیں پہنچاتا اور نہ اس مس سے ان کی عصمت اور نزاہت میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ اس ایک خاص خصوصیت کی بنا پر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی اور انبیاء کرام پر افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ حضرت مریم۔ شان اور رتبہ میں ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ سے اعلیٰ اور افضل نہیں اس لیے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے بارہ میں یہ نہیں آیا کہ شیطان نے ان کو مس نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خلعت اور تکلیم سے سرفراز فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو مس شیطانی سے مستثنیٰ فرمایا اور دوسرے حضرات انبیاء جو خدا کے مقدس اور معصوم بندے ہیں اگرچہ وہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اس لیے کہ ان عباد مخلصین پر شیطان کی کوئی حرکت کارگر نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جس راستہ پر عمر چلتا ہے شیطان وہ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے کیا کوئی خوش فہم اس سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے اور معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ مجھ سے بھی افضل ہیں۔ بلکہ اس سے مقصود حضرت عمرؓ کی ایک خاص فضیلت اور خاص خصوصیت بیان کرنی تھی الغرض اس قسم کے خصوصی امتیازات سے فضیلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن افضلیت ثابت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو کوئی خاص خصوصیت دی ہے۔

هٰذَا لَكَ دَعَا ذِكْرًا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ

وہاں دُعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر

لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ

مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ ، بے شک تو

سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

سننے والا ہے دعا ۳۸ پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے ، جب وہ کھڑا تھا

يُصَلِّيٰ فِي الْمِحْرَابِ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا

نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھے کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ

دے گا اللہ کے حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت پاس نہ جاوے گا اور نبی ہوگا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنِّىْ يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَقَدْ

نیکوں میں ۳۹ بولا ، اے رب کہاں سے ہوگا مجھے کو لڑکا؟ اور مجھ پر

بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَاُمْرَاتِىْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ

آیا بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح

اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰيَةً

اللہ کرتا ہے جو چاہے ۴۰ بولا اے رب مجھ کو دے کوئی نشانی ۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْرًا

کہا نشانی تیری یہ کہ نہ بات کرے تو لوگوں سے تین دن گمراہت سے۔



وَ اذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ اِلا بُكَارًا ۝۳۱

اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح

قصہ دعا زکریا علیہ السلام برائے فرزند ارجمند

قال الله تعالى هَذَا لَكَ دُعَاؤُكَ رَبَّكَ اے وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ اِلا بُكَارًا
حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور اولاد سے ناامید ہو چکے تھے جب حضرت مریمؑ
کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو یکایک دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں اللہ کی
رحمت سے کیا بعید ہے کہ مجھ کو بھی بے موسم میوہ مل جائے (یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو
جائے) کیونکہ مرد پیر اور زن عاقر سے اولاد کا پیدا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ گرمی میں جاڑوں کے
پھلوں کا مہیا ہو جانا اس لیے کہ خدا کی قدرت اور ارادہ کے لیے کسی سبب کا پایا جانا شرط نہیں پس اس
وقت اور موقع کو دیکھ کر حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ اے پروردگار جس طرح مریمؑ
پر تیری رحمت کی بارش ہوئی ہے اور قدرت کے کرشمے نمودار ہو رہے ہیں مجھ کو اپنے پاس سے بلا
کسی سبب ظاہری کے پاکیزہ اولاد عطا فرما جو نفسانی اور شہوانی خیالات سے پاک اور منزہ ہو اور جسمانی
اور روحانی دونوں حیثیتوں سے میرا فرزند ہو جو میرے بعد ظاہراً اور باطناً میرا قائم مقام اور جانشین ہو
تحقیق آپ بڑے دعا کے سننے والے ہیں۔ یعنی قبول کرنے والے ہیں پس آواز دی ان کو فرشتوں نے
در انھا ایکہ حضرت زکریا محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں
کہ آپ کے ایک لڑکا ہو گا جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ جن میں خاص طور پر یہ پانچ صفتیں ہوں گی۔

۱۔ پہلی صفت یہ ہوگی کہ وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔
حضرت عیسیٰؑ کو کلمۃ اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کلمہ کن یعنی حکیم خداوندی سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔
اس وجہ سے اُن کو کلمۃ اللہ کہنے لگے۔ حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ سے تین سال یا چھ ماہ بڑے تھے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام
کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت یحییٰؑ تھے حضرت یحییٰؑ لوگوں کو پہلے سے خبر دیتے
تھے کہ حضرت مسیحؑ پیدا ہونے والے ہیں۔

۲۔ دوسری صفت اس مولود میں یہ ہوگی کہ وہ اپنی قوم کا سردار ہو گا یعنی اپنی قوم میں علم اور علم
اور کرم اور تقویٰ اور زہد اور عبادت اور تمام عمدہ خصلتوں میں سب سے بڑھے ہوئے ہوں گے۔
۳۔ تیسری صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ عورتوں سے بے رغبت ہوں گے یعنی لذتوں سے اتنے

دور ہوں گے کہ جو لذتیں شرعاً و عقلاً جائز اور مباح ہیں مثلاً نکاح ان سے بھی علیحدہ اور یکسو ہوں گے۔
۴۔ چوتھی صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ نبی ہوں گے۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہوگی کہ وہ نیکو کاروں میں سے ہوں گے یعنی اس گروہ سے ہوں گے جو سرتاپا صلاح اور نیکی تھے اور صغیرہ اور کبیرہ سے معصوم تھے۔ جانتا چاہیے کہ یہاں صلاح سے وہ معمولی درجہ کی صلاح مراد نہیں جو عام مؤمنین صالحین کو حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاح مراد ہے جو منصب نبوت کے شایانِ شان ہو اور زجاج سے منقول ہے کہ صلاح وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرتا ہو۔ (تفسیر قرطبی ص ۶۹)
اور بعض نے من الصالحین کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ صالحین سے انبیاء مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اولادِ انبیاء سے ہوں گے۔

الغرض جب فرشتوں نے حضرت زکریا کو یہ مشرکہ سنایا تو حضرت زکریا نے فرط مسرت سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا اور تحقیق میری حالت تو یہ ہے کہ مجھ پر تو بڑھاپا آچکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ میری عمر اکیس سو بیس سال کی ہے اور بیوی کی عمر اٹھانوے سال کی ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا نے دریافت کرنے کے طور پر یہ عرض کیا اور مقصود یہ تھا کہ فرزند کے پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی کیا مجھ کو اور میری بیوی کو جوان کر دیا جائے گا یا دوسری بیوی سے یہ بچہ عنایت ہوگا یا ہم دونوں کو اسی پیرائے سالی کی حالت میں رکھ کر بچہ عنایت ہوگا حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اس کی قدرت و مشیت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں وہ بغیر اسباب کے بھی جو چاہتا ہے کرتا ہے زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ حمل قرار پا گیا تاکہ آثار ولادت دیکھ کر تیری نعمت کے شکر میں مشغول ہو جاؤں اور شکر کی بدولت اور مزید نعمت کا مستحق ہو سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر اشارہ سے اور اس وقت اگرچہ لوگوں سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی سو اس وقت تم اللہ کو کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام اُس کی تسبیح میں لگے رہنا سبحان اللہ کیا نشانی ہے نشانی کی نشانی بھی ہے اور نشانی سے جو عرض تھی (یعنی شکر نعمت) وہ بھی پوری حاصل ہے اور چہرہ اس پر لطف یہ کہ ذکر اور تسبیح کو تو اختیار ہی رکھا اور لوگوں سے بات کرنے کی

عَلَى الصَّلَاحِ صِفَةً تَنْتَظِمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَالْمُرَادُ بِهِ هُنَا مَا فُتِحَ الصَّلَاحُ الَّذِي لَا يَدْمُنُهُ فِي مَنْصِبِ النُّبُوَّةِ الْبَلَّتَةِ
مِنْ أَقَامِي مَرَاتِبِهِ كَذَا فِي رُوحِ الْبَيَانِ ص ۳۲۲ وَتَفْسِيرُ كَبِيرِ ص ۶۶۳ -
عَلَى قَالَ الزَّجَّاجُ الصَّالِحُ الَّذِي يُؤَدِّي مَلَكُهُ مَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ وَاللَّيْسَ حَقُّهُمْ
(تفسیر قرطبی ص ۶۹)

قدرت ہی نہ رہی۔ تاکہ سوائے خدا کے ذکر و شکر کے کچھ کر ہی نہ سکیں پس ایک ہی چیز دونوں غرضوں کی علامت بن گئی حصول ولد اور شکر نعمت۔

ف (۱) حضرت زکریا کو حق جل شانہ کی قدرت میں کوئی شک اور تردد نہ تھا اُن کو یقین کامل تھا کہ حق تعالیٰ بڑھاپے میں بھی اولاد عطا فرما سکتے ہیں لیکن بڑھاپے میں بانجھ عورت سے اولاد کا ہونا خارق عادت ہے اس لیے بارگاہِ خداوندی میں خارق عادت امر کی درخواست کو خلاف ادب سمجھ کر سکوت کیا مگر جب حضرت مریم کی خارق عادت احوال کا مشاہدہ کیا تو اس نوع کی درخواست کی دل میں ہمت پیدا ہوئی اور عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ کو ایک ولد صالح عطا فرمائیں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی تو فرط مسرت سے عرض کیا اِنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ۔ معاذ اللہ حضرت زکریا کو قدرت خداوندی میں کوئی شک نہ تھا بلکہ چونکہ ناامیدی کے بعد ایک خارق عادت اس کی بشارت ملی اس لیے اس مسرت میں اُس کی کیفیت دریافت کرنے لگے تاکہ اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے اور نیز اس سوال کے جواب میں جب اس کیفیت کو بتلایا جائیگا تو حصول ولد کی بشارت اس مکرر بیان سے اور پختہ ہو جائیگی۔ بادشاہ اگر کسی شخص کو کوئی بشارت دے اور وہ شخص جوش مسرت میں بادشاہ سے یہ سوال کرے کہ حضور کے اس انعام سراپا اکرام کی کیا صورت ہوگی تو اس کا یہ سوال بادشاہ کی قدرت میں شک کی بنا پر نہیں بلکہ بطور لذت و فرحت ہے نیز جو چیز انسان کو تمنا اور آرزو کے بعد بحالت ناامیدی ملتی ہے اسکو شکر خوشی میں مدہوش ہو جاتا ہے اور مختلف عنوان سے اسکو دریافت کرتا ہے تاکہ قلب کو خوب اطمینان ہو جائے اسی طرح حضرت زکریا کے سوال کو سمجھیے۔

ف (۲) بعض کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام عقیق تھے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عقیق نہ تھے اول اس لیے کہ حضور مبالغہ کا صیغہ ہے حصر سے مشتق ہے جو فعل متعدی ہے جس کے معنی اپنے اختیار سے روکنے کے ہیں اور حضرت یحییٰ کو حضور اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو شہوات اور لذات کے اتباع سے روکنے والے تھے دوم یہ کہ حق تعالیٰ نے حضور کی صفت کو مقام مدح و ثناء میں ذکر کیا ہے اور قابل تعریف فعل اختیاری ہوتا ہے نہ کہ فعل اضطراری اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس سے بھی یہی منقول ہے کہ حضور وہ شخص ہے کہ جو باوجود قدرت کے عورت کے قریب نہ جاتا ہو (تفسیر قرطبی ص ۸۶)

ف (۳) نکاح نہ کرنا غالباً یہ حضرت یحییٰ کی خصوصیت تھی ورنہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں نکاح کرنا افضل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَ ذُرِّیَّةً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اگرچہ رفع الی السما سے پہلے نکاح نہیں فرمایا لیکن نزول من السماء کے بعد نکاح فرمائیں گے جیسا کہ احادیث میں مقرر ہے۔

نکتہ بعض ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ مریم اُس عورت کو کہتے ہیں جس کو مردوں کی حاجت نہ ہو لہذا

عَلَمَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ ابْنُ جَبْرِ وَ قَتَادَةُ وَ عَطَاءُ وَ ابُو الشَّعْثَارِ وَ الْحَسَنُ وَ السَّدِّیُّ وَ ابْنُ زَبْرِ الْحَصَوْرِ
هُوَ الَّذِیْ یُکْفِ عَنْ النِّسَاءِ وَ لَا یُقَرِّبُهُنَّ مِنَ الْقَدَرَةِ وَ هَذَا اَصَحُّ وَ یُحِبُّ اَحَدُهُمَا اَنَّهُ مَدَحٌ وَ ثَنَاءٌ عَلَیْهِ وَ الثَّنَاءُ اَنَّمَا یُکُوْنُ عَنِ الْفِعْلِ الْمَلْکَبِ وَ دُونَ الْجَمْلَةِ فِی الْغَالِبِ وَ الثَّانِیُّ اَنْ نَعْمَلَا فِی الْفِعْلِ مِنْ صِیغَةِ الْفَاعِلِیْنَ فَالْمَعْنٰی اَنَّهُ یُحْصِرُ نَفْسَهُ عَنِ الشَّهَوَاتِ (تفسیر قرطبی ص ۸۶ ج ۴)

گمان یہ ہے کہ چونکہ حضرت زکریاؑ نے فرزند کی یہ دعا حضرت مریمؑ کے زمانہ تربیت میں مانگی اس لیے انہیں جیسا ایک فرزند حضور عطا کیا گیا کہ جس کو عورتوں کی ضرورت نہ ہو واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ

اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا،

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں سے ۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ

اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ

الرُّكْعِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

رکوع کرنے والوں کے ۔ یہ خبریں غیب کی ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم ، کہ کون پا

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اے مریم کو ؟ اور تو نہ تھا اُن کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے ۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم ! اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک

مِّنْهُ ۚ اِسْمُ الْمَسِيْحِ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهَا فِي

اپنے حکم کی ، جس کا نام مسیح عیسیٰ ، مریم کا بیٹا مرتبہ والا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّرِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ

دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں ۔ اور باتیں کرے گا لوگوں

فِي السَّهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾ قَالَتْ رَبِّ

سے جب ماں کی گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں ہے۔ بولی اے رب!

أَنِّي يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ

کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے کہا

كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب حکم کرتا ہے ایک کام کو

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ

تو یہی کہتا ہے اُس کو ہو وہ ہوتا ہے اور سکھا دے گا اس کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۳۸﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ

اور کام کی باتیں اور توریت اور انجیل اور رسول ہوگا

بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تم پاس، نشان لے کر تمہارے رب کا

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

کہ میں بنادیتا ہوں تم کو مٹی کی صورت جانور کی پھر اس میں

فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ

پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جائے اُڑتا جانور اللہ کے حکم سے، اور چنگا کرتا

الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُجِّي السَّوْثَ بِإِذْنِ اللَّهِ

ہوں جو اندھا پیدا ہو اور کوڑھی، اور جلاتا ہوں مُردے اللہ کے حکم سے،

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي

اور بتا دیتا ہوں تم کو، جو کھا کر آؤ اور رکھیاؤ اپنے گھر

بُيُوتِكُمْ إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ

میں - اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین

مُؤْمِنِينَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ

رکھتے ہو ۴۹- اور سچ بتاتا ہوں تورات کو، جو مجھ سے پہلے

التَّوْرَةِ وَلِأَجْلِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ

کی ہے اور اسی واسطے کہ حلال کردوں تم کو بعض چیز جو حرام

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

تھی تم پر، اور آیا ہوں تم پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سوڈرد اللہ سے

وَاطِيعُونَ ﴿۵۰﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ

اور میرا کہا مانو ۵۰- بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو۔

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۵۱﴾

یہ سیدھی راہ ہے ۵۱-

تتمہ قصہ حضرت مریم علیہا السلام

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَأُكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ لِي... لِي... هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

یہاں تک حق جل شانہ نے آل عمران اور آل ابراہیم کے اصطفا اور ان پر اپنی توجہات و عنایات کے واقعات ذکر فرمائے اب آگے ایک اور قصہ اسی سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں جو درحقیقت حضرت مریم کے قصہ کا بقیہ تتمہ ہے اس لیے کہ سلسلہ کلام کا آغاز حضرت مریم کے

قصہ سے ہوا تھا۔ درمیان میں مناسبت کی وجہ سے ضمناً حضرت زکریا کا قصہ ذکر فرمایا اب آگے پھر حضرت مریم کے قصہ کا بقیہ ذکر فرماتے ہیں اور وہ دوسرا قصہ یہ ہے کہ جب فرشتوں کے ایک گروہ نے بالمشافہ حضرت مریم سے کہا کہ اے مریم! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تجھ کو برگزیدہ کیا کہ اپنی کرامات و عنایات کا مورد بنایا۔ اور ابتدا میں باوجود لڑکی ہونے کے تجھ کو اپنی نیاز میں قبول فرمایا اور اب اخیر میں تجھ کو فرشتوں کے کلام اور خطاب سے عزت بخشی اور تجھ کو ظاہری اور باطنی عیوب سے پاک اور منزہ کیا اور اپنے پاک گھر یعنی مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لائق بنایا۔ ظاہری پاکی یہ عطا کی کہ حیض و نفاس سے پاک کیا اور باطنی طہارت و نراہت یہ عطا کی کہ مس شیطانی سے تجھ کو محفوظ رکھا اور تمام جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تجھ کو بعض خصوصی فضائل اور امتیازات عطا کیے بلا مس بشر کے حضرت مسیح جیسا مبارک اور اولوالعزم پیغمبر فرزند تم کو عطا کیا جو تمہارے سوا اور کسی عورت کو نہیں عطا ہوا لہذا اے مریم ان نعمتوں کے شکریہ میں اپنے پروردگار کی بندگی میں لگی رہو اور اپنی نماز میں قیام کو طویل کرو اور سجدہ کرتی رہو تاکہ تم کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔ **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** اور رکوع کیا کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو اس لیے کہ رکوع اگرچہ رتبہ میں سجدہ سے کم ہے لیکن راکعین کی معیت کی وجہ سے جب راکعین کے انوار و برکات بھی اس کے ساتھ مل جائیں گے تو یہ رکوع قریب قریب سجدہ ہی کے قرب خداوندی میں معین اور مددگار ہوگا اور حضرت مریم کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم یا تو اس بناء پر تھا کہ اس زمانہ کی شریعت میں عورتوں کو نماز جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی یا حضرت مریم کی خصوصیت تھی۔

نکتہ | جماعت میں شریک ہونے کے لیے غالباً رکوع کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پایا اُس نے رکعت کو پایا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اسی پر فقہاء امت کا اجماع ہے اور بعض علماء نے **وَازْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ** کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اے مریم جس طرح رکوع کرتے والے رکوع کرتے ہیں اسی طرح تم بھی رکوع کیا کرو یعنی رکوع میں مسلمانوں کی موافقت کرو اور جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح تم بھی پڑھا کرو۔

اب حق جل شانہ ان مضامین کے ضمن میں آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل ذکر فرماتے ہیں جو ان واقعات کے بیان سے مترشح ہوتی ہے یہ باتیں اور یہ قصے جو حضرت حنہ اور مریم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کے ہم نے ذکر کیے بتجملہ غیبی خبروں کے ہیں جن کی دجی ہم آپ تک بھیج رہے ہیں یہ دلیل ہے آپ کے نبی برحق ہونے کی اس لیے کہ کسی شے کے جاننے کی صرف تین صورتیں ہیں۔ عقل یا خبر کا مستننا یا مشاہدہ کرنا قصص اور واقعات میں عقل کو دخل نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ گزشتہ واقعات کو عقل سے معلوم کر لینا باجماع عقلا محال ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کو کسی سے سنا بھی نہیں اور اگر کسی کو یہ گمان ہے کہ تو ریت اور انجیل کے فلاں عالم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے تو اس کو چاہیے کہ اُس عالم کو سامنے لائے یا خود اُس سے پوچھ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ

اُمّی تھے اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ نے کسی کتاب میں دیکھ کر یہ واقعات بیان فرمائے وہ کون سی کتاب اور کون سا دفتر ہے جس میں یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے ہوں اور وہ کتاب اور دفتر کہاں ہے اور کس کتب خانہ میں ہے جسے حضور پُر توّر دیکھ کر یہ واقعات بیان کرتے ہیں۔ معترضین خود جا کر اس کتاب اور دفتر کو دیکھ لیں اور دیکھ کر وہ بھی اسی طرح ان واقعات کو بیان کر دیں اب صرف تیسری صورت مشاہدہ کی رہ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کو بچشم خود دیکھا ہو تو کسی ذی عقل اور ذی ہوش کو اس کا دوسرہ بھی نہیں آسکتا کہ حضور صد ہا سال قبل کے واقعات کے وقت موجود تھے۔ پس جب کہ آپ نے ان واقعات کا نہ بچشم خود مشاہدہ کیا اور نہ کسی خارجی طریقہ و ذریعہ سے آپ کو ان کا علم حاصل ہوا پس متعین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا علم بذریعہ وحی کے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور بذریعہ وحی کے آپ کو انباء الغیب سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور آپ اُن کے نزدیک نہ تھے جب وہ قرعہ کے لیے اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون شخص مریم کی پردریش کا کفیل اور خیر گیر ہو جائے اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ مریم کی پردریش کے بارہ میں جھگڑ رہے تھے۔ حق جل شانہ نے جب حضرت مریم کو نذر میں قبول فرمایا تو مسجد کے مجاہدین میں جھگڑا ہوا کہ مریم کو کس کی پردریش میں رکھا جائے حضرت مریم چونکہ سردار کی لڑکی تھیں اس لیے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پردریش میں رہے حضرت زکریا نے فرمایا میں زیادہ مستحق ہوں میری بی بی اس لڑکی کی خالہ ہے وہ نہایت محبت سے اس کی پردریش کرے گی فیصلہ اس پر ہوا کہ ہر ایک اپنا قلم جس سے توریت لکھتے تھے بہتے ہوئے پانی میں ڈالے جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف اٹھا ہے وہ حضرت مریم کا حق دار سمجھا جائے۔ اس میں قرعہ حضرت زکریا کے نام کا نکلا اور حق، حق دار کو پہنچ گیا۔ پس جب آپ ان واقعات اور حالات کے وقت موجود نہ تھے تو معلوم ہوا کہ ان امور کا علم آپ کو بذریعہ وحی کے ہوا ہے۔ اور جس پر اللہ کی وحی کا نزول ہو وہ خدا کا نبی ہے۔

آغاز قصہ عیسیٰ علیہ السلام

اس وقت کو یاد کرو جب کہ فرشتوں نے حضرت مریم سے یہ بھی کہا اے مریم تحقیق اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جو من جانب اللہ ہوگا یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے جو بلا باپ کے تم سے پیدا ہوگا اور بلا باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ کلمۃ اللہ کہلائے گا اور اللہ کی طرف اس نسبت اور اضافت سے اُس کو ایک خاص شرف اور عزت حاصل ہوگی جس کا نام اور لقب مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ مسیح اصل میں مشیحا تھا عبرانی زبان میں اس کے معنی مبارک کے ہیں۔ معرب ہو کر مسیح ہو گیا جیسے موسیٰ

موشا کا مُعَرَّب ہے باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ بالاجماع عربی لفظ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مسیح کے معنی پونچھ دینے اور زائل کر دینے کے ہیں چونکہ دجال سے تمام عمدہ خصلتیں پونچھ دی گئی ہیں اس لیے اس کو مسیح دجال کہتے ہیں اور عیسیٰ اصل میں ایشوع تھا یہ بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے عبرانی میں ایشوع کے معنی سردار کے ہیں عیسیٰ۔ ایشوع کا معرب ہے۔

نکتہ حضرت عیسیٰ کو ابن مریم (یعنی مریم کا بیٹا) اس لیے فرمایا حالانکہ خطاب خود حضرت مریم کو ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو جائے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوں گے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے ماں کی طرف منسوب نہیں ہوتی اب آگے اُس مولود مسعود کے کچھ اوصاف بیان کرتے ہیں کہ وہ مولود مسعود دنیا اور آخرت میں باعزت اور آبرو والا ہوگا اہل دنیا اور اہل آخرت دونوں ہی کی نظروں میں معظم اور محترم اور مرتبہ والے ہوں گے اس صفت کے ذکر سے حضرت مریم کی تسلی مقصود ہے اس لیے کہ جب حضرت مریم کو بغیر باپ کے فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو ممکن ہے کہ حضرت مریم بمقتضائے بشریت، تشویش میں پڑ جائیں کہ دنیا میں کون اس کو باور کرے گا کہ لڑکا بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ ناچار لوگ مجھ پر تو تہمت رکھیں گے اور بچہ کو ہمیشہ بُرے نام سے مشہور کریں گے میں کس طرح اپنی برأت ظاہر کروں گی حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ تم گھبراؤ نہیں ہم نے برأت اور نزاہت کا انتظام کر دیا ہے حق تعالیٰ خصوصی طور پر تم کو تمام بُرے الزام اور تہمتوں سے بری کرے گا چنانچہ پہلی مرتبہ وجاہت کا ظہور اس طرح سے ہوا کہ پیدا ہونے کے بعد شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا اور یہ کہا اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتٰنِی الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا وَجَعَلَنِی مُبَارَکًا اِلٰی اٰخِرہ اس کلام کو سنتے ہی دونوں سے تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں اور سمجھ گئے کہ یہ مولود مسعود نہایت مبارک ہے محض خدا کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت مریم کو بتلادیا کہ جب کوئی اس بارہ میں تم سے کچھ سوال کرے تو تم اس بچہ کی طرف اشارہ کر دینا وہ خود اپنی طہارت و نزاہت کو بیان کر دے گا جس کی تفصیل سورہ مریم میں آئے گی دوسری بار وجاہت اس وقت ظاہر ہوئی جب دشمنوں نے پکڑنے اور قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے زندہ اور صحیح و سالم آسمان پر اٹھالیا اور دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ باقی دنیاوی وجاہت کی پوری پوری تکمیل۔ نزدل من السماء کے بعد ہوگی جیسا کہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اور وہ مولود مسعود فقط باعزت اور با آبرو ہی نہ ہوگا بلکہ حق جل شانہ کے خاص الخاص مقربین میں سے ہوگا۔ یعنی بارگاہ ایزدی کے ان مقربین میں سے ہوگا جو قرب ذاتی اور صفاتی سے متصف ہوں گے اور تجلیات ربانیہ کے مورد اور مظہر ہوں گے اور ان کے مقرب ہونے پر وہ ارحامات اور خوارق عادات دلالت کریں گے جو ان سے قبل از نبوت ظہور میں آئیں گے۔ مثلاً وہ بچہ لوگوں سے ایسا حکیمانہ کلام کرے گا جیسا کہ انبیاء کا کلام ہوتا ہے حالانکہ وہ بچہ اس وقت ماں کی گود میں ہوگا اور اُس کی یہ حالت مستمر اور دائم رہے گی یہاں تک کہ وہ عمر اور بڑی عمر کا ہوگا اور اس حالت میں بھی ایسا ہی کلام کرے گا۔ عہد طفولیت اور عہد کہولت کے کلاموں

میں کوئی تفاوت نہ ہوگا ان احوال کے مشاہدہ کے بعد کسی کو وہم بھی نہ ہوگا کہ گہوارہ اور ماں کی گود میں جو کلام سرزد ہوا تھا وہ کسی شیطان یا جن کا اثر تھا اور وہاں شیطان کا اثر یا گذر کہاں ہو سکتا ہے وہ تو نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک سختوں میں سے ہوں گے اور شیطان کا اثر ناسق اور فاجر اور بدکار لوگوں پر ہوتا ہے اور کسی نقصان اور دینی خلل اور فساد کا گذر عباد صالحین پر نہیں ہو سکتا۔

حضرت مریمؑ کا تعجب اور اس کا جواب

یہ بشارت سن کر حضرت مریمؑ سمجھ گئیں کہ وہ لڑکا بے باپ کے پیدا ہوگا اور اسی وجہ سے وہ کلمۃ اللہ اور ابن مریمؑ کہلائے گا یعنی میری طرف منسوب ہوگا اس لیے حضرت مریمؑ نے اس بشارت کو سن کر بطور تعجب یہ کہائے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور بچہ عادیٰ بغیر مرد کے تعلق کے پیدا نہیں ہوتا پس معلوم نہیں میرے جو بچہ ہوگا وہ کس طرح ہوگا آیا محض قدرت خداوندی سے بغیر باپ کے بچہ پیدا ہوگا یا مجھ کو نکاح کرنے کا حکم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطے سے جواب میں فرمایا کہ ویسے ہی بلا باپ کے پیدا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یعنی وہ کسی چیز کے پیدا کرنے میں کسی سبب کا محتاج نہیں حق جل شانہ اس پر قادر ہے کہ وہ اشیاء کو بتدریج قانون عادت کے موافق مادہ اور سبب سے پیدا کرے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ دفعۃً بغیر مادہ اور بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کر دے آخر اسی نے تو اپنی قدرت کاملہ سے اسباب کو بلا سبب کے اور مادہ کو بغیر مادہ کے پیدا کیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ تو ہو جا پس وہ چیز فوراً ہوجاتی ہے لہذا تم اس بچہ کے بدون مص بشر کے پیدا ہونے پر تعجب نہ کرو وہ لڑکا اسی طرح ہوگا خدا کی غیر محدود قدرت کسی سبب اور مادہ کی محتاج اور پابند نہیں۔

خوارقِ عادات کے متعلق فلاسفہ اور ملاحدہ کے

شبہات کے جوابات

جو لوگ پابند اسباب ہیں اور اپنی محدود معلومات اور مخصوص مزعومات کے موافق دنیا کی ہر چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس قسم کی آیات قدرت کا اکثر و بیشتر انکار کر بیٹھتے ہیں انہی آیات قدرت میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی ہے یہ لوگ اس کے بھی منکر ہیں حالانکہ ان کے پاس

کوئی ایسی عقلی دلیل نہیں کہ جس سے وہ اس کو محال ثابت کر سکیں سوائے اس کے کہ یہ کہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا عادت کے خلاف ہے سو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ خلاف عادت ہونے سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

روزمرہ کائنات میں ایسے عجائب و غرائب کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے جو پہلے سے ہرگز عادی اور معروف نہ تھے بلکہ وہم و گمان میں بھی نہ تھے جن عجائب و غرائب کے اسباب و علل معلوم ہو جاتے ہیں ان کو آج کل کی اصطلاح میں اکتشاف اور اختراع کہتے ہیں اور جن کے اسباب و علل تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکی ان کو فلتات طبعیہ سے تعبیر کر کے خاموش ہو جاتے ہیں یعنی جو چیزیں طبعی اور فطری طور پر ناگہانی اور اچانک طریقہ سے بلا کسی سبب اور علت کے ظہور میں آگئی ہیں ان کو فلتات طبعیہ کہتے ہیں جس کا لفظی ترجمہ ہے (عالم کائنات کے اتفاقی کرشمے) جب اس قسم کی چیزیں ظہور میں آجاتی ہیں تو ان کے غیر عادی اور خارق عادت وجود سے تو انکار ہو نہیں سکتا تو ان کو فلتات طبعیہ کے نام سے موسوم کر کے خاموش بیٹھ جاتے ہیں کہ عقل اور تجربہ نے ان کے اسباب و علل بتلانے سے جواب دے دیا ہے اب ہم ان منکرین معجزات سے انہیں فلتات طبعیہ کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ جب ان فلتات طبعیہ کے ظاہری اور معلوم اسباب تو ہوتے نہیں تو وہ حال سے خالی نہیں یا تو یوں کہو کہ ظاہری اسباب اگرچہ نہیں مگر ان کا ظہور اسباب خفیہ کے بنا پر ہوا ہے جو ہمیں معلوم نہیں ہو سکے یا یوں کہو کہ ان فلتات طبعیہ کے لیے اسباب ظاہرہ اور اسباب معلومہ کی طرح اسباب خفیہ بھی نہیں مطلقاً بلا کسی ظاہر اور خفی سبب کے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اگر منکرین معجزات شق اول کو اختیار کرتے ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح فلتات طبعیہ بلا کسی ظاہری اور معلوم سبب کے ظہور میں آسکتے ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اگرچہ ظاہر کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا لیکن ممکن ہے کہ ان کا کوئی خفی سبب ہو جو اب تک ہماری تحقیق میں نہ آیا ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہو جائیں اور اس طرح کی ولادت کا کوئی خفی سبب ہو جو ہماری تحقیق میں نہ آیا ہو پس کیا وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو تو آپ محال اور ناممکن بتائیں اور فلتات طبعیہ کو ممکن بلکہ ان کے واقع ہونے کے قائل ہوں۔

اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ فلتات طبعیہ مطلقاً بلا کسی سبب کے ظہور میں آئے ہیں جس طرح ظاہر میں ان کے وجود کا کوئی سبب نہیں اسی طرح باطن میں بھی کوئی خفی سبب ان کے وجود کا نہیں تو اس صورت میں تو ان گرفتار ان عادت کو اور بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ اسباب عادیہ لازم اور مقرر نہیں ان اسباب عادیہ کے بغیر بھی کائنات ظہور پذیر ہو سکتی ہیں لہذا اس اقرار و اعتراف کے بعد آیات قدرت اور خوارق عادت کا محض اس بنا پر انکار کرنا کہ یہ اسباب عادیہ کے خلاف ہیں انتہائی نادانی اور کمال ابلہی سمجھا جائے گا۔

اگلے لوگوں نے اگر اس قسم کی چیزوں کا انکار کیا تو ان کو کچھ معذور سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ چیزیں اس

وقت غیر مالوف اور غیر مانوس تھیں مگر اس زمانہ والوں کے لیے کیا غدر ہے جبکہ وہ سائنس کے حیرت انگیز تجربوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

آج کل تمام مغربی حکماء نے بالاتفاق تولد ذاتی کے امکان کو تسلیم کر لیا ہے کہ حیوان کا بدون حیوان کے محض جمادات سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور دن رات اس کے تجربے ہو رہے ہیں۔ پس جب کہ حیوان کا بدون حیوان کے پیدا ہونا ممکن ہے تو پھر کسی حیوان کا ایک حیوان سے پیدا ہونا کیوں محال ہے یہ تو بدرجہ اولے جائز ہونا چاہیئے اس لیے کہ یہ اقرب الی المحصول ہے۔

آئے دن کوئی نہ کوئی نئی بات دریافت ہوتی رہتی ہے جو اب تک سر بستہ راز تھی اسی طرح ممکن ہے کہ خوارقِ عادات بھی ایک سر بستہ راز ہوں جو آئندہ چل کر کچھ منکشف ہو جائیں محض اپنے عدم علم کی بنا پر کسی چیز کا انکار کر دینا یا اس کو محال بتانا سراسر بے عقلی ہے انسانوں کا علم اور تجربہ خواہ کتنا ہی وسیع ہو جائے بہر حال محدود اور متناہی ہے اس محدود اور متناہی علم اور تجربہ کی بنا پر خدائے قدوس کی غیر محدود کائنات پر حکم لگانا کھلی ہوئی سفاہت اور غبات ہے اور جب انسان کا علم ہی حجت نہ ہو تو اس کی لاعلمی اور بے خبری کہاں سے حجت ہو جائے گی۔

ملاحظہ اور زنادقہ یہ چاہتے ہیں کہ جو چیز کتاب و سنت کے نصوص اور انبیاء کرام کے اجماع سے ثابت ہے اور جس کو تمام امتیں بطریق تو اتّر نقل کرتی آئی ہیں۔ اس کو محض اپنی لاعلمی کی بنا پر رد کر دیں۔ آئے دن ہم ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جو ہمارے معلوم شدہ قوانین کے خلاف ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کے اعضا عادات اور ہماری مقررہ تعداد سے زیادہ ہوتے ہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات اپنی جنس کے علاوہ غیر جنس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے مشاہدہ سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے حکماء اور فلاسفہ اس قسم کے امور کو فلتاتِ طبیعیہ (عالم کائنات کے اتفاقی کرشمے) کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کے وقوع کا قانون ہماری عقل اور ادراک سے بالا اور برتر ہے ہمیں صرف چند روزمرہ پیش آنے والے امور کے متعلق کچھ تھوڑا بہت کوئی قاعدہ اور قانون معلوم ہے باقی اس قسم کے شاذ و نادر واقعات کے وقوع کے متعلق خداوند ذوالجلال کا کیا قانون ہے وہ کسی کو معلوم نہیں پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بھی اسی پر قیاس کر دے کہ یہ بھی منجملہ انہی شاذ و نادر واقعات میں سے ہے جس کا قانون سوائے خدا کے کسی حکیم اور فلسفی کو معلوم نہیں جدید اکتشافات کے ذریعہ ہم صرف چند ظاہری باتوں کو جان لیتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں مگر اس کی رلم اور حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اور یہی حق ہے۔

ہم انسان میں حق اور نطق کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر اس کے تعلق اور رابطہ کو نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ دانہ سے گیہوں پیدا ہوتا ہے لیکن کس طرح اگتا ہے اور اس کی ڈنڈی سیدھی ہونے

اور بتوں کے جھکنے میں کیا تناسب اور ربط ہے اور اس کی کیا حقیقت اور کیا علت ہے اس کے کچھ خبر نہیں غرض یہ کہ نادانی کا تو یہ عالم کہ کائنات کے ایک ذرہ کے حقیقت اور علت سمجھنے سے قاصر اور خالق کائنات کی خبروں پر نکتہ چینی کے لیے تیار نہ ہو۔ بریں عقل و دانش بیاہد گر لیست۔

فضائل و کمالات عیسیٰ علیہ السلام

اور اے مریم تم اس بچہ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے یہ خیال مت کرو کہ ولادت کے بعد لوگ طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے بلکہ وہ مولود تمہاری عزت و وجاہت کا سبب بنے گا اس لیے کہ وہ مولود مسعود عجیب و غریب فضائل و کمالات کا معدن اور مخزن ہوگا جس کو دیکھتے ہی اہل فہم سمجھ جائیں گے کہ یہ بیکہ فضائل و شمائل معاذ اللہ ولد الزنا نہیں ہو سکتا بلکہ نمونہ روح القدس ہے کہ جس کے پھونک مارنے سے مردے زندہ ہو رہے ہیں اور اس کے مبارک ہاتھ پھیرنے سے کوڑھی اور نابینا چنگے اور سمکھے بن رہے ہیں اس مولود مسعود کی صفات یہ ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بلا کسی معلم اور بغیر استاذ کے آسمانی کتابوں کے علوم اور دانائی اور حکمت کی باتیں سکھائے گا۔ اور بالخصوص اُن کو توریت اور انجیل کا علم عطا کرے گا اور بنی اسرائیل کی طرف ایک عظیم الشان رسول بنا کر بھیجے گا جو صاحب معجزات ہوگا اور تحدی کے ساتھ ان سے یہ کہے گا کہ میں تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کی ایک روشن نشانی لے کر آیا ہوں یعنی ایسے معجزات قاہرہ لے کر آیا ہوں جو میری رسالت کی روشن دلیلیں ہیں جن کو دیکھ کر تم بدھتے ہو یہ جان لو گے کہ یہ معجزات بلاشبہ من ربکم یعنی تمہارے رب کی جانب سے ہیں اس لیے کہ اس زمانہ کے تمام حکماء اور اطباء اُن کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہوں گے اور وہ معجزات یہ ہیں کہ میں تمہارے لیے اور تمہارے اطمینان کے لیے گارے سے پرندہ جیسی ایک صورت اور شکل بناؤں گا اور پھر اس مصنوعی صورت اور شکل میں پھونک ماروں گا پس وہ ظاہری صورت و شکل اللہ تعالیٰ کے حکم سے حقیقتاً زندہ پرندہ بن جائے گی اور اس کے علاوہ دوسرا معجزہ میرا یہ ہوگا کہ میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو ہاتھ پھیر کر اچھا اور چنگا کر دوں گا اور مردوں کو زندہ کر دوں گا۔ اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہوگا۔ ظاہراً اگرچہ میرا ہاتھ ہوگا مگر در پردہ اللہ کا حکم ہوگا اور مادر زاد اندھا ہونا اور کوڑھی ہونا یہ وہ بیماریاں ہیں جن سے تمام اطباء اور حکماء عاجز ہیں۔ بالخصوص مردہ کو زندہ کرنا یہ سب ہی سے بڑھ کر اعجاز ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ طب کا چرچا تھا اس لیے حضرت عیسیٰ کو اس قسم کے معجزات دیئے گئے تاکہ اطباء اور حکماء کا عجز ظاہر ہو۔

لفظ باذن اللہ کا تکرار الوہیت کا شبہ رفع کرنے کے ہے کہ مردہ کو زندہ کرنا بندہ کا کام نہیں بلکہ خدا کا کام اور اس کا حکم ہے۔ اب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزات

نکتہ

کا ذکر ہوا۔ اَوَّلُ خَلْقِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ۔ دَوِّمُ اِبْرَارِ اَكْمَر۔ سَوِّمُ اِبْرَارِ اَبْرَص۔ چہارم اجبار موقی۔ یہ چاروں معجزات فعلی تھے اب آگے پانچویں معجزہ کو ذکر کرتے ہیں جو علمی اور قولی معجزہ تھا وہ یہ کہ میں تم کو خبر دوں گا اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو یعنی بذریعہ وحی کے بعض منیبات پر تم کو مطلع کروں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار علمی معجزات کے بعد یہ ایک علمی معجزہ ذکر فرمایا۔ تحقیق ان تمام علمی اور علمی معجزات میں میری صداقت کی پوری پوری نشانی اور علامت ہے تمہارے لیے یعنی تمہاری ہدایت کے لیے اگر تم ایمان لانا چاہو تو ایمان لے آؤ میرے دعوئے نبوت کی صداقت۔ دلائل قاہرہ اور معجزات باہرہ سے تم پر واضح اور روشن ہو چکی ہے اور یہ پانچ معجزے میری نبوت و رسالت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور مجھ سے پہلے جو توریت نازل ہو چکی ہے میں اس کی تصدیق کے لیے آیا ہوں کہ بیشک وہ خدا کی کتاب تھی اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے کہ آسمانی کتابوں کو سچا بتاتے ہیں اور ایک نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ حلال کردوں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو جو تم پر حرام تھیں یعنی وہ بعض چیزیں جو تم پر توریت میں حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی اس کی حرمت کو منسوخ کر دے گا اور مثلاً ہفتہ کے دن جو پھل کھانے کا رکھنا منع تھی اسکو بھی منسوخ کر دے گا اور حاصل کلام یہ ہے کہ میرا نبی اور رسول ہونا تم پر خوب واضح ہو چکا ہے۔ کیوں کہ میں اپنی نبوت کی نشانی خدا کی طرف سے تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں پس اللہ سے ڈرو یعنی میری مخالفت اور تکذیب میں اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بے چون و چرا میری فرمانبرداری کرو یعنی جو کہتا ہوں اس کو مانو تحقیق اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی تمہارا پروردگار ہے یعنی ان معجزات کی وجہ سے مجھ کو اپنا رب اور خدا نہ سمجھنا رب میرا اور تمہارا وہی ایک خدا ہے جس کی ہم سب عبادت کرتے ہیں اور میں اس خدا کے پروردگار کا برگزیدہ بندہ اور رسول ہوں معاذ اللہ اس کا بیٹا نہیں۔ یہ تین باتیں جو میں نے تم کو بتلائیں خدا تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے یعنی توحید اور تقویٰ اور اطاعت رسول اور توحید اور تقویٰ وہی معتبر ہے جو نبی اور رسول کی ہدایت اور تلقین کے مطابق ہو خود ساختہ توحید اور تقویٰ ہیچ ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ

پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر ، بولا ،

مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْخَوَارِيُّونَ

کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں ؟ کہا خواریوں نے ،

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ

ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کے ، ہم یقین لائے اللہ پر، اور تو گواہ رہ

يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا أَمَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

اے مسلمانو! ہم نے حکم قبول کیا ۔۔۔ اے رب! ہم نے یقین کیا جو تو نے اتارا، اور ہم تابع

الرَّسُولَ فَالْكَتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَكْرُؤًا وَمَا

ہوئے رسول کے، سو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں ۔۔۔ اور فریب کیا ان کافروں

مَكَرَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِيرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ

نے، اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ۔۔۔ جس وقت کہا اللہ نے

يَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ

اے عیسیٰ! میں تجھ کو بھروں گا اور اٹھا دوں گا اپنی طرف، اور پاک کردوں گا

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ

کافروں سے، اور رکھوں گا تیرے تابعوں کو

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ج شَمَّ إِلَىٰ

اوپر منکروں سے، قیامت کے دن تک ۔۔۔ پھر میری طرف

فَرَجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

ہے تم کو پھر آنا، پھر فیصلہ کروں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑاتے تھے ۔۔۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَابُ اللَّهِمْ عَذَابًا شَدِيدًا

سو وہ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب،

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٥٦﴾ وَ

دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار ۔۔۔ اور

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

وہ جو یقین لائے، اور عمل نیک کیے سو ان کو پورا دے گا

أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ ذَلِكِ نَتْلُوهُ

ان کا حق - اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف :- یہ پڑھ سناتے ہیں

عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَى

ہم تجھ کو آیتیں، اور مذکور تحقیق :- عیسیٰ کی مثال

عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے مثال آدم، بنایا اُس کو مٹی سے پھر کہا اس کو

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنْ

ہو جا وہ ہو گیا :- حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے، پھر تو مت رہ

الْمُتَرَدِّينَ ﴿٦٠﴾

شک میں :-

ذَكَرَ عَدَاوَتِ يَهُودَ بَعِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَفَاطَتِ خُدُونَدَانَا

وَبَشَارَتِ رَفْعِ إِلَى السَّمَاءِ وَمُحْفُوظِيَّتِ أَرْمَكِرَ أَعْدَامِ

قَالَ تَعَالَى فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ إِلَى فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُتَرَدِّينَ

حسب بشارت جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر نبی ہوئے اور لوگوں کو توحید اور تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور سیدھی راہ کی طرف بلایا اور معجزات اور نشانات اُن کو دکھلائے تو یہود بے بہود نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کے ایذا اور قتل کے درپے ہوئے۔
حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود کی عداوت کا ذکر کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے قتل کی کیا کیا

تدبیریں کر رہے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے اُن کی حفاظت کی کیا تدبیر کی وہ یہ کہ ہم نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور دشمنوں کی ساری تدبیریں اور امیدیں خاک میں ملا دیں اصل مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دینا ہے کہ آپ دشمنوں کے بالکل مامون اور محفوظ رہیں گے اور زندہ آسمان پر اٹھائے جائیں گے چنانچہ فرماتے ہیں پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی جانب سے کفر اور انکار کو محسوس کر لیا اور دیکھ لیا کہ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں تو اپنے مخصوص اصحاب سے جو حواریین کہلاتے تھے یہ کہا کہ کون ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کرے اللہ کی طرف ہو کر حواریتین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے ہم آپ ہی کی دعوت اور تبلیغ سے اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں گے کہ ہم اللہ کے اور آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے بعد حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے ایمان کی پختگی اور استقامت کے لیے یہ دعا کی اے پروردگار ہم ایمان لائے ان تمام چیزوں پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور دل و جان سے رسول کے تابع ہوئے پس ہم کو اپنے دین کے شاہدوں کے زمرہ میں لکھ دیجئے یعنی کالمین کے زمرہ میں ہمارا نام لکھ دیجئے۔ مقصود یہ تھا کہ جب ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا تو گویا کہ ہمارا ایمان رجسٹری ہو جائے گا کہ پھر لوٹنے کا احتمال نہ رہے گا اور یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے اور قتل کرنے کی خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت اور بچاؤ کی ایسی پوشیدہ تدبیر فرمائی جو وہم و گمان سے بھی بالا اور برتر تھی وہ یہ کہ انہی میں سے ایک شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہمشکل بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا یہودی اسی ہمشکل کو عیسیٰ سمجھ کر پکڑ کر لے گئے اور عیسیٰ سمجھ کر اس کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا۔ اور خوش ہو گئے اور ادھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل گھر کے روشن دان سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالے گئے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی اُس وقت جبکہ دشمن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زرخہ میں لیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پریشانی دور کرنے کے لیے پانچ بشارتیں دیں۔

بشارت اول فرمایا اے عیسیٰ تم گھبراؤ نہیں تحقیق میں تم کو ان دشمنوں کے زرخہ سے بلکہ اس جہان ہی سے تم کو پورا پورے لوں گا اور تمہارا کوئی جزاں میں باقی نہ چھوڑوں گا کہ جس کو یہ ہاتھ بھی لگا سکیں پکڑنا اور صلیب پر چڑھانا تو کجا تیرا سایہ بھی ان کو نہ ملے گا۔

بشارت دوم اور ان کافروں سے پورا پورا ایسے لینے کے بعد تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا یعنی آسمان پر بلالوں گا جو ملائکہ کی قرار گاہ ہے۔ حق تعالیٰ نے اول توفی کی بشارت دی کہ دشمنوں کے زرخہ سے پورے پورے اور صحیح و سالم نکال لیے جاؤ گے۔ اور پھر دشمنوں سے نجات پانے کے بعد رفع الی السماء کی بشارت دی کہ فقط دشمنوں سے نجات اور رہائی نہ ہوگی بلکہ رفع آسمانی اور معراج جسمانی سے سرفراز کیے جاؤ گے۔

بشارت سوم | اور میں تجھ کو ان ناپاک اور گندوں یعنی کافروں کے متعفن اور بدبودار پڑوس سے پاک کروں گا اور ایسی پاک وصاف اور مطہر اور معطر جگہ میں پہنچا دوں گا جہاں کفر اور عداوت کی نجاست کا رائحہ کریمہ بھی محسوس نہ ہو سکے بلکہ ہر دم فرشتوں کی تسبیح و تقدیس کی خوشبوئیں سونگھتے رہو گے۔

بشارت چہارم | اور ناہنجار یہ چاہتے ہیں کہ تجھ کو بے عزت کر کے تیرے دین کے اتباع سے لوگوں کو روک دیں سو میں اس کے بالمقابل تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غالب اور فائق رکھوں گا کہ ہمیشہ ہمیشہ تیرے خادم اور غلام۔ تیرے مخالفوں اور منکروں پر حکمران ہوں گے اور یہ نالائق و ناہنجار تیرے پیروؤں کے محکوم اور باج گزار ہوں گے۔ قیامت تک یوں ہی سلسلہ چلتا رہے گا کہ نصاریٰ ہر جگہ یہود پر غالب اور حکمران رہیں گے چنانچہ اس وقت تک سنا بھی نہیں گیا کہ یہود کو نصاریٰ پر کبھی غلبہ نصیب ہوا ہو اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت قریب آجائے گی اور دجال کو جو ایک جزیرہ میں مجوس ہے جیل خانہ سے چھوڑ دیا جائے گا تو یہود بے بہبود اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور یہ کوشش کریں گے کہ اس کی سرکردگی میں اپنی حکومت قائم کریں اس لیے کہ دجال قوم یہود سے ہوگا اس وجہ سے تمام یہودی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ اس وقت یکا یک عیسیٰ علیہ السلام بصد جاہ و جلال آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو جو یہود کا بادشاہ بنا ہوا ہوگا اس کو خود اپنے دست مسیحائی سے قتل فرمائیں گے اور باقی یہود کے لشکر کا قتل و قتال اور اس گروہ کا بالکل استیصال امام مہدی کے سپرد ہوگا امام مہدی مسلمانوں کے لشکر کو ساتھ لے کر دجال کے متبعین کو چن چن کر قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ کے نزول سے پہلے اگرچہ یہود حضرت مسیح کے پیروؤں کے غلام اور محکوم تھے مگر زندہ رہنے کی تو اجازت تھی مگر حضرت مسیح کے نزول کے بعد زندہ رہنے کی بھی اجازت نہ رہے گی ایمان لے آؤ یا اپنے وجود سے دست بردار ہو جاؤ۔ اور نصاریٰ کو یہ حکم ہوگا کہ میری الوہیت اور ابنیت کے عقیدہ سے توبہ کرو۔ اور مسلمانوں کی طرح مجھ کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھو اور صلیب کو توڑیں گے جو نصاریٰ کا نشان ہے اور خنزیر کو قتل کریں گے جو یہودیوں کا خاص شعار ہے اسی طرح نصرانیت اور یہودیت کو ختم کریں گے اور سوائے دین اسلام کے کوئی دین قبول نہ کریں گے حتیٰ کہ کسی کافر سے جزیہ بھی قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ جزیہ کا حکم اس وقت تھا جب تک کافر کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت تھی اب وہ اجازت اور مہلت ختم ہو چکی ہے اب سوائے اسلام کے کسی اور مذہب پر رہنے کی اجازت نہیں کیونکہ اب فیصلہ کا وقت یعنی قیامت قریب آگئی ہے اس لیے اب سوائے دین اسلام کے کسی دین کا وجود برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

بشارت پنجم | الغرض حضرت عیسیٰ۔ نزول من السماء کے بعد اس طرح تمام اختلافات کا فیصلہ فرمائیں گے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں **ثُمَّ إِلَیْکَ مَرْجِعُکُمْ فَأَحْکُمُ بَیْنَهُمْ فِیْمَا کُنتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُونَ**۔ پھر تم سب کا میری طرف لوٹنا ہے پس

اس وقت میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ کر دوں گا۔ وہ فیصلہ یہ ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے
سے یہود کا یہ زعم باطل ہو جائے گا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کر دیا۔ کما قال تعالیٰ وَقَوْلِهِمْ
إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ۔ اور نصاریٰ کا یہ زعم باطل ہو جائے گا کہ وہ خدا اور خدا کے
بیٹے ہیں اور حیات مسیح کے مسئلہ کا بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اترتا ہوا اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل کیے گئے اور
نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب عرصہ دراز کے بعد اسی جسم کے ساتھ آسمان سے
نزول ہو رہا ہے۔

اب آئندہ آیت میں اس حکم کی قدر سے تفصیل فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے پس جو لوگ کافر
ہوئے ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں دنیا میں قتل ہوں گے اور اسیر ہوں گے اور ان پر
جز یہ مقرر ہو گا اور طرح طرح سے ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں دوزخ کا دائمی عذاب ہو گا اور کوئی
نہیں ان کا مددگار جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا سکے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے سو
اللہ تعالیٰ ان کو پورا حق دے گا اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا بے انصافی کرنے والوں کو یعنی جو اللہ اور
اس کے رسول کا حق ادا نہ کریں۔ اور اللہ اور اس کے رسولوں کا حق ایمان لانا ہے۔

اِسْتِدْلَالُ بَرْنُبُوتِ مُحَمَّدٍ بِقَصَّةِ مَذْكُورِهِ

چونکہ یہ قصہ بھی منجملہ انباء الغیب کے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتلایا اس
لیے اس سے آپ کی نبوت کی دلیل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یہ قصہ ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں۔
جو منجملہ آپ کی دلائل نبوت سے ہے اور نصیحت اور حکمت کی باتوں میں سے ہے جو ہر طرح سے موجب
بصیرت ہے۔

نصاری کے ایک استدلال یا شبہ کا جواب

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ مَخْلُوقٍ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔

اس آیت میں حق جل شانہ نے نصارائے نجران کے ایک شبہ کا جواب دیا ہے جس کو وہ حضرت عیسیٰ
کے انبیت کے لیے بطور استدلال ذکر کرتے تھے وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ
وہ خدا اور خدا کے بیٹے تھے حق تعالیٰ نے ان کے جواب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا
کچھ تعجب انگیز نہیں ہم نے آدم کو اپنی قدرت سے بغیر ماں اور باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ اگر چہ

بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن اپنی جنس کے ایک فرد سے تو پیدا ہوئے مگر آدم علیہ السلام تو بالکل ہی غیر جنس سے پیدا ہوئے پس اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الوہیت ہے تو آدم علیہ السلام اس کے زیادہ سزاوار ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی مثال ہے آدم کی تصویر کو مٹی سے بنایا پھر اس میں روح پھونکی اور اس قالب کو حکم دیا کہ زندہ آدمی ہو جا تو فوراً اسی طرح ہو گیا۔ جس طرح حکم ہوا تھا یہی بات حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں بتلا دی گئی پس اے مخاطب تو ان لوگوں میں سے مت بن جو حضرت عیسیٰ کے بارہ میں شک اور تردید میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہود کی طرح نہ ان کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگا اور نہ نصاریٰ کی طرح اُن کو ابن اللہ سمجھ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے بتلادیا ہے۔ اس کے مطابق ایمان لاو یہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کے برگزیدہ بندہ تھے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور جب دشمنوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا۔

نکتہ | حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ روح الامین یعنی جبریل امین کے نفخے سے پیدا ہوئے اور روح الامین کی طرح ان کا لقب بھی روح اللہ ہوا تو معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ صورت انسان اور بشر تھے مگر حقیقتہً جنس ملائکہ سے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھایا تاکہ اپنے ہم جنس فرشتوں میں زندگی بسر کریں اور حضرت عیسیٰ کو جو معجزات دیئے گئے ان کو بھی رفع الی السماء سے خاص مناسبت تھی وہ یہ کہ مٹی کا پتلا پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اُڑنے لگتا تھا اشارہ اس طرف تھا کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح اُڑ کر آسمان پر چلے جائیں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں۔ اس لیے حضرت عیسیٰ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے جیسے آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر اترے تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ کا نزول۔ حضرت آدم کے صہبوط کے مشابہ ہوگا اور جس طرح آدم علیہ السلام کا صہبوط من السماء جہانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول من السماء بھی جہانی ہوگا۔

لطائف و معارف

۱۔ حواری۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ یار کا لقب تھا حواری اصل میں دھوبی کو کہتے ہیں۔ پہلے دو شخص جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہوئے وہ دھوبی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ کپڑے کیا دھوئے ہو میں تم کو دل دھونے سکھا دوں وہ ان کے ساتھ ہو گئے پھر اسی طرح سب ساتھیوں کا یہی لقب پڑ گیا (کذا فی موضح القرآن) غرض کہ حواریں سے حضرت مسیح کے انصار اور خاص اصحاب مراد ہیں۔ قاموس میں ہے کہ حواری کے معنی دھوبی یا خالص دوست یا نبی کے مددگار کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص اصحاب۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاون ہونے کی وجہ سے حواریین کے نام سے موسوم ہو گئے۔ صحیحین

میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں تین مرتبہ آواز دی۔ تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

۲۔ مکر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے مفسرین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ مکر اصل لغت میں اُس حیلہ کو کہتے ہیں جو دوسرے کے نقصان کا سبب ہو۔ اور یہ بظاہر قبیح اور مذموم ہے۔ اس لیے یہ لفظ مکر منکرین عیسائی کے حق میں تو بطور حقیقت استعمال ہوا ہے اور مکر اللہ میں جو مکر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ وہ بطریق مجاز ہے یعنی مقابلہ اور ازدواج کے طور پر استعمال ہوا ہے اس لیے کہ مکر ایک برافعل ہے جس سے ذات باری تعالیٰ کو منزہ ہونا چاہیے اس لیے زجاج کا قول ہے کہ مکر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اُن کے مکر کا بدلہ دیا جیسے جزاء و سبب سببہا میں برائی کے بدلہ اور سزا کو بطور مقابلہ برائی سے تعبیر کیا گیا ہے اور جیسے قرآن کریم میں جزاء خداع اور جزاء استہزاء کو خداع اور استہزاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ مکر اصل لغت میں کسی بُرے معنی پر دلالت نہیں کرتا تا کہ بغرض تنزیہ و مکر اللہ میں معنی مجازی مراد لیے جائیں کیونکہ اصل میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے ہیں جو ایسے نامعلوم طریقہ سے کی جائے کہ دوسرے کو اس کا خیال بھی نہ ہو پس اگر یہ تدبیر کسی محمود اور مستحسن غرض کے لیے کی جائے تو یہ تدبیر بھی محمود اور مستحسن ہوگی اور اگر کسی غرض فاسد کے لیے کی جائے تو قبیح اور مذموم ہوگی۔ عرف میں اگرچہ لفظ مکر بری تدبیروں ہی کے لیے بولا جاتا ہے مگر حقیقت اور اصل لغت میں۔ اچھی اور بُری دونوں ہی قسم کی تدبیریں مکر کے مفہوم میں داخل ہیں یعنی اگر کسی حکمت اور مصلحت سے کسی کے حق میں بھلائی کی تدبیر چپکے چپکے کی جائے تو وہ مکر محمود ہوگا اور اگر کسی غرض فاسد سے کسی کی برائی کے لیے خفیہ تدبیر کی جائے تو وہ مکر مذموم ہوگا اور لَا يَحِقُّ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ میں مکر کے ساتھ سیئی کی قید لگانا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی اب اس تحقیق کی بنا پر لفظ مکر و مکر اللہ میں اپنے حقیقی اور لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں اگرچہ آیت میں معنی مجازی بھی صحیح اور درست ہو سکتے ہیں تاہم بہتر یہی ہے کہ معنی حقیقی مراد لیے جائیں۔ اصل لغت کے اعتبار سے مکر کے معنی میں کوئی برائی نہیں تاکہ بغرض تنزیہ اس کو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور ذوق اور وجدان بھی یہی کہتا ہے کہ اللہ کا مکر محمود تھا اور بنی اسرائیل کا مکر مذموم تھا اس لیے کہ و مکر اللہ کو ماقبل پر بطور عطف ذکر فرمایا ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔

بعض اولیاء اللہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کیسے مکر کرتا ہے تو ایک چیخ ماری اور یہ کہا کہ اللہ کے فعل کے لیے کسی علت اور سبب کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے بعد

وَقَدْ سَأَلَ بَعْضُهُمْ
كَيْفَ يَمْكُرُ اللَّهُ فَصَاحَ
وَقَالَ لَا عِلَّةَ لِمَنْعِهِ وَانْشَاءُ
يَقُولُ۔

یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔

فَذَيْتُكَ قَدْ جُبِلْتُ عَلَى هَوَاكَ ۝ وَنَفْسِي لَا تَنَارُ عَنِّي سِوَاكَ
تربان ہو جاؤں تجھ پر اے محبوب میری جبلت اور فطرت میں تیری محبت داخل ہے اور میرا نفس تیرے
سوا کسی کی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتا۔

أَحْبَبْتُكَ لَا يَبْغُضُنِي ۝ وَإِنْ لَمْ يَبْقِ حُبُّكَ لِي حَرَاكَ
میں تجھ کو محبوب رکھتا ہوں مگر اپنے بعض اجزاء کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنے کل اجزاء کے
اعتبار سے تجھ کو محبوب رکھتا ہوں اگرچہ تیری محبت نے مجھ میں ہلنے کی بھی سکت باقی نہیں چھوڑی۔
وَيَقْبَحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِي ۝ وَتَفْعَلُهُ فَيَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَ
اور تیرے سوا سے جو فعل صادر ہوتا ہے وہ میرے نزدیک قبیح اور بُرا ہوتا ہے اور جب
اسی فعل کو تو کرتا ہے تو وہ نہایت مستحسن اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ (روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۳)

۳۳۔ یہود کا مکر یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلب کا ارادہ کیا اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو جبریل امین کے ذریعہ گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھوا لیا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ
سے مروی ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کیں بادشاہ کے کان بھر
دیئے کہ یہ شخص معاذ اللہ لحد ہے تو ریت کو بدلنا چاہتا ہے اور سب کو بے دین بنانا چاہتا ہے بادشاہ نے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیا جب وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے گرفتار کرنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچانے کی یہ تدبیر کی کہ انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے ہم شکل بنادیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا لوگوں نے اس شخص کو جو انہی میں کا تھا اور حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل بنادیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن عباسؓ
سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر عربی، ص ۳۶۵ ج ۱)

۴۷۔ لفظ توفی کے متعلق حافظ ابن تیمیہ الجواب الصحیح ص ۲۸۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں لفظ التوفی فی
لغة العرب معناه الاستيفاء والقبض وذلك ثلاثة انواع احدها توفی النوم۔ والثانی توفی
الموت والثالث توفی الروح والبدن جميعاً۔

یعنی لغت عرب میں توفی کے معنی استيفاء، پورا پورا لے لینے اور اپنے قبضہ میں کر لینے کے ہیں۔
اور توفی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک توفی نوم۔ یعنی خواب اور نیند کی توفی جس میں انسان کے شعور اور ادراک کو
پورا پورا قبض کر لیا جاتا ہے اور دوسری توفی موت۔ یعنی موت کے وقت روح کو پورا پورا قبض کر لینا۔ تیسری
توفی الروح والجسد۔ یعنی جسم اور روح کو پورا پورا لے لینا۔ انتہی یعنی روح اور جسم دونوں کو پورا پورا آسمان
پر لے جانا۔

لفظ توفی کے متعلق ابوالبقاؒ اپنی کلیات میں لکھتے ہیں۔ التوفی الاماتة وقبض الروح وعلیه

استعمال العامة ادا لا ستيفاء و اخذ الحق د عليه استعمال البلفاء اھ۔ یعنی توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور روح قبض کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے لیکن بلفاء کے نزدیک استيفاء یعنی کسی چیز کے پورا پورے لینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ توفی کے اصل معنی تو استيفاء کے ہیں اور موت پر جو لفظ توفی کا اطلاق آتا ہے وہ بھی اسی وجہ سے آتا ہے کہ اس میں جان پوری پوری لے لی جاتی ہے۔ یا یہ کہ عمر پوری کر دی جاتی ہے پس اگر فقط جان پوری پوری لے لی جائے تو بھی توفی ہے اور اگر جان اور جسم دونوں کو پورا پورے لیا جائے تو بدرجہ اولیٰ توفی ہوگی بلکہ اعلیٰ درجہ کی توفی ہوگی کیونکہ جن ائمہ لغت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ فقط قبض روح کو توفی کہتے ہیں اور اگر قبض روح مع البدن ہو تو اس کو توفی نہیں کہتے بلکہ ظاہر ہے کہ اگر قبض روح کے ساتھ قبض بدن بھی ہو تو بدرجہ اولیٰ توفی ہوگی۔ غرض یہ کہ اصل لغت کے اعتبار سے توفی کے معنی استيفاء اور قبض کے ہیں جو اپنی معنی اصلی اور جنسی کے لحاظ سے نوم (نیلند) اور موت اور رفع جسمانی سب پر صادق آتا ہے۔

دیکھیے حق جل شانہ نے اپنے اس ارشاد اَدَلُّهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا میں توفی نفس کی دو صورتیں بتلائی ہیں ایک موت اور دوسری نوم یعنی نیلند۔ اور حین موتہا کی قید لگا کر یہ بتلادیا کہ کبھی توفی موت کے وقت ہوتی ہے عین موت نہیں ورنہ شئی کا خود اپنے لیے ظرف ہونا لازم آئے گا۔ اور وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ میں بھی توفی کا استعمال نیلند کے موقع پر کیا گیا ہے۔

نکتہ توفی کے اصلی معنی تو پورا پورا وصول کر لینے کے ہیں محاورہ عرب میں لفظ توفی نوم اور موت کے لیے مستعمل نہیں ہوتا تھا لیکن قرآن کریم نے لفظ توفی کو نوم اور موت کے معنی میں اس لیے استعمال کرنا شروع کیا تا کہ اہل عرب پر موت اور نوم کی حقیقت واضح ہو جائے کہ انسان کے بدن میں کوئی چیز پوشیدہ ہے جس کو حق تعالیٰ نوم اور موت کی حالت میں بندہ سے لے لیتے ہیں عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان مگر نیست دنا بود ہو جاتا ہے۔ موت کو فنا اور عدم کے مرادف سمجھتے تھے اسی لیے وہ بعث یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اور یہ کہتے تھے۔ اَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ حق تعالیٰ نے اُن کے رد کے لیے یہ ارشاد فرمایا قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ یعنی آپ ان منکرین بعث سے کہہ دیجیے کہ تم مگر فنا نہیں ہو جاتے بلکہ موت کا فرشتہ تم سے اللہ کا پورا پورا حق وصول کر لیتا ہے یعنی وہ ارواح جو اللہ کی امانت ہیں وہ تمہارے جسموں سے لے لی جاتی ہیں اور اللہ کے یہاں محفوظ رہتی ہیں قیامت کے دن پھر انہی ارواح کو تمہارے اجسام کے ساتھ متعلق کر کے حساب و کتاب لیا جائے گا چنانچہ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں۔ ”تم اپنے آپ کو دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رُل گئے تم جان ہو وہ فرشتہ لے جاتا ہے فنا نہیں ہوتے“ اھ

۵۔ تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے

اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے سلف اور خلف میں سے نہ کوئی حضرت عیسیٰ کے رفع الے السماء کا منکر ہے اور نہ نزول من السماء کا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص جبر ص ۳۱۹ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے تفصیل کے لیے کلمۃ اللہ فی حیۃ روح اللہ کو دیکھیے۔

اختلاف صرف اس میں ہے کہ رفع الے السماء سے پہلے کچھ دیر کے لیے موت طاری ہوئی یا نہیں یا حالت نوم میں آسمان پر اٹھائے گئے۔

جمہور صحابہ و تابعین اور عامہ سلف صالحین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد نہیں بلکہ توفی کے اصلی اور حقیقی معنی مراد ہیں یعنی کسی شے کا پورا پورا لے لینا کیونکہ دشمنوں کے ہجوم اور نزعہ کے وقت توفی کی بشارت حضرت عیسیٰ کی تسلی اور تسکین کے لیے ہے کہ اے عیسیٰ تم دشمنوں کے ہجوم اور نزعہ سے گھبراتا نہیں۔ میں تم کو پورا پورا روح اور جسم سمیت ان نابکاروں سے چھین لوں گا تیرا وجود۔ ان کے لیے میری ایک عظیم نعمت تھا ان کے کردار سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ نابکار اور ناہنجار اس قابل نہیں کہ تیرے وجود کی نعمت کو ان کے لیے باقی رکھا جائے ان کی ناقدری اور ناسپاسی کی سزا یہ ہے کہ ان سے یہ نعمت پوری پوری واپس لے لی جائے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ قدس سرہ اس بارہ میں فرماتے ہیں۔

وَجُودُهُ لَمْ تَكُنْ أَهْلًا لِخَيْرٍ ... فَيَأْخُذُ مِنْهُمْ عِيسَى رَالِيَهُ
یہ چہرے کسی خیر کے قابل نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچ لیا۔
وَيَرْفَعُهُ وَلَا يُبْقِيَهُ فِيهِمْ ... كَأَخْذِ الشَّيْءِ لَوْ يُشْكِرُ عَلَيْهِ
اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا اور ان میں باقی نہ چھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو ان سے ایسا لے لیا جیسا کہ اُس شے کو لے لیا جاتا ہے جس کی ناقدری کی جائے۔
وَحِينَئِذٍ كَمَا يَخَازُ الشَّيْءُ حِفْظًا ... وَأَذَا لَئِذَا لَمْ يَأْخُذْ بِهِ
اور ان سے چھین کر اپنے پاس ان کو خاص طور سے محفوظ رکھا اور اپنے قریب میں ان کو ٹھکانہ دیا۔

غرض یہ کہ آیت میں توفی سے پورا پورا لے لینے کے معنی مراد ہیں۔ موت کے معنی مراد نہیں اور نہ اس مقام کے مناسب ہیں اس لیے کہ جب ہر طرف سے خون کے پیاسے اور جان کے لیواکھڑے ہوئے تو اس وقت تسلی اور تسکین خاطر کے لیے موت کی خبر دینا کہ میں تجھ کو موت دوں گا مناسب نہیں دشمنوں کا تو مقصود ہی جان لینا ہے اس وقت تو مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ تم گھبراؤ نہیں تم کو تمہارے دشمنوں کے نزعہ سے پورا پورا اور صحیح و سالم نکال لے جائیں گے کہ دشمنوں کو تمہارا سایہ بھی نہ مل سکے گا پس اگر آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی تو نہ ہوگی البتہ یہود کی تسلی ہو جائے گی اور مطلب یہ ہوگا کہ اے یہود تم بالکل نہ گھبراؤ اور نہ مسیح کے قتل کی فکر کرو میں خود ہی اُن کو موت دوں گا۔

اور میں خود ہی تمہاری تمنا اور آرزو پوری کر دوں گا تمہیں کوئی مشقت نہ ہوگی یہ تو حضرت عیسیٰ کی تسلی نہ ہوئی بلکہ یہود کی تسلی ہوئی۔

۲۔ نیز یہ کہ توفی بمعنی الموت تو ایک عام شئی ہے جس میں تمام موئن و کافر انسان اور حیوان سب ہی شریک ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے جو خاص طور پر اُن سے توفی کا وعدہ کیا گیا۔

۳۔ نَزَّوْا مَكْرُؤًا وَّمَكْرًا لِلّٰہِ سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ کا مکر اور اس کی تدبیر یہود کی تدبیر اور مکر کے خلاف اور ضد تھی جیسا کہ۔ يَكِيدُ ذُنَّ كَيْدًا وَّاَكِيدُ كَيْدًا۔ وَّمَكْرُؤًا مَكْرًا وَّمَكْرًا مَكْرًا۔ اور يَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰہُ اِنْ تَمَامِ واقعات میں اللہ کی تدبیر کافروں کی تدبیر کے برعکس تھی۔

قوم صالح نے صالح علیہ السلام کے قتل کی تدبیریں کیں اور مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تدبیریں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی حفاظت کی تدبیر کی اسی طرح آیت زیر بحث میں مراد یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کے قتل کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کی تدبیر کی کہ دشمنوں کے ہاتھ سے صحیح و سالم نکال کر آسمان کی طرف ہجرت کرا دی اب اس ہجرت کے بعد زمین پر جو نزول ہوگا۔ وہ اس زمین کے فتح کرنے کیلئے ہوگا جیسا کہ آنحضرتؐ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد مکہ فتح کرنے کے لیے تشریف لائے اور تمام اہل مکہ شرف باسلام ہوئے اسی طرح جب عیسیٰؑ زمین کے فتح کرنے کے لیے نازل ہونگے تو تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے جیسے تمام اہل مکہ ایمان لے آئے تھے۔ امام رازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ توفی کے معنی کسی چیز کو پورا پورا لینے کے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ شاید کسی کے دل میں یہ خطرہ گذرے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی فقط روح اٹھائی گئی۔ روح اور جسم دونوں نہیں اٹھائے گئے (جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے لاہوت کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور ناسوت زمین پر ہی رہا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مَتَوَفَّيْكَ وَاَفْعَلَ فَرَاكَ آگاہ کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح اور جسم دونوں پورے پورے اٹھائے گئے اور یہ آیت حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے ایسی ہوگی۔ جیسے وَمَا يُضَرُّوْكَ مِنْ شَيْءٍ (تفسیر کبیر ص ۲۸ ج ۲)

۴۔ ربیع بن انسؓ سے یہ منقول ہے کہ اس آیت میں توفی سے نوم (نیند) مراد ہے جیسا کہ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ میں توفی سے نوم (نیند) کے معنی مراد ہیں جو کہ توفی اور وفات کی ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سلا یا اور پھر بحالت خواب اُن کو آسمان پر اٹھایا۔ پس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اے عیسیٰ تم گھبراؤ نہیں میں تم کو سلاؤں گا اور پھر اسی حالت میں تم کو اٹھا لوں گا۔

۵۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ توفی سے موت مراد ہے مگر ساتھ ہی ساتھ ابن عباسؓ نے بھی فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے کہ آیت میں جو چیز پہلے مذکور ہے اس کا وقوع بعد میں ہوگا اور جو بعد میں مذکور ہے اس کا وقوع مقدم ہے یعنی رفع آسمانی پہلے ہوا اور یہ توفی بمعنی الموت قیامت کے قریب نزول من السماء کے بعد ہوگی اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے عیسیٰ میں اس وقت تم کو آسمان پر اٹھاؤں

گا اور پھر آخری زمانہ میں تمہارے نازل ہونے کے بعد تم کو موت دوں گا۔

اس تفسیر کی رو سے رفع۔ توفی پر مقدم ٹھہرتا ہے اور آیت میں تقدیم و تاخیر کا قائل ہونا لازم آتا ہے لیکن یہ اعتراض قابل التفات نہیں اس لیے کہ داؤد ترتیب کے لیے وضع نہیں ہوا اور تقدیم و تاخیر قواعد عربیت کے خلاف ہے اور نہ فصاحت و بلاغت میں مغل ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

و مثله من التقديم والتأخير
کثیر فی القرآن (تفسیر کبیر ص ۴۸۸)
ابن عباس کی تفسیر میں جو تقدیم و تاخیر پائی
جاتی ہے سو اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن کریم
میں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

اور قرآن کریم میں تقدیم و تاخیر کے نظائر اور شواہد ہم نے اپنے رسالہ۔ کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ میں لکھ دیئے ہیں وہاں دیکھ لیے جائیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باسانید صحیحہ منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اور آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں توفی سے توفی موت مراد ہے لیکن یہ اخیر زمانہ میں ہوگی۔

اخرج اسحاق بن بشر و ابن عساکر
من طریق جوہر عن الضحاک عن
ابن عباس فی قوله تعالیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ
ورافعک الی یعنی رافعک ثم متوفیک
فی آخر الزمان (تفسیر درمنثور ص ۳۶ ج ۲)

پس اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متوفیک کی تفسیر میتک کے ساتھ منقول ہے تو انہی ابن عباس سے باسانید صحیحہ و جیدہ یہ بھی منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے تو پھر ان کے نصف قول کو ماننا اور نصف کا انکار کر دینا کونسی عقل اور کونسی دیانت ہے قادیان کے دہقان ابن عباسؓ کے اس نصف قول کو قبول کرتے ہیں جو ان کی ہوائے نفسانی اور غرض کے موافق ہے۔ اور دوسرا نصف جو ان کی غرض کے خلاف ہے اس سے گریز کرتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تارک صلوٰۃ۔ لَا تَقْرَءُوا الصَّلَاةَ سے جنت پکڑتے ہیں اور اَنْتُمْ سَکَّارٌ سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

نکتہ | رہا یہ امر کہ اس تقدیم و تاخیر میں نکتہ کیا ہے سو نکتہ یہ ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ
الٰہی الخ سے مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی ہے کہ یہ دشمن جو آپ کے قتل اور صلب
کے درپے ہیں اور آپ کی جان لینا چاہتے ہیں یہ ہرگز آپ کے قتل کرنے اور سولی دینے پر قادر نہ ہوں
گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وقت مقدّر پر طبعی موت سے وفات دیں گے اور فی الحال آپ کو اپنی طرف

اٹھالیں گے آپ بالکل مطمئن رہیں کہ دشمن آپ کی جان نہیں لے سکیں گے۔ غرض یہ کہ دشمن جان لینا چاہتے تھے اس لیے توفی کا ذکر مقدم فرمایا جس سے مقصود دشمنوں سے محفوظ رہنے کی بشارت دینا ہے کہ موت ان کے قبضہ میں نہیں وہ ہمارے ہاتھ میں ہے جو ہمارے حکم سے اپنے وقت پر ہوگی۔

نیز توفی کی تقدیم میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بیک وقت اور بیک لفظ یہود اور نصاریٰ دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہود کی تردید اس طرح ہوئی کہ یہود اُن کے ماننے میں کامیاب نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ خود ان کو وقت مقرر پر وفات دے گا۔

اور نصاریٰ کی تردید اس طرح ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں کیونکہ ان پر ایک وقت آنے والا ہے کہ اس وقت ان پر موت اور فناء آئے گی۔ اور فانی خدا نہیں ہو سکتا۔

۴۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدوں کا ذکر فرمایا ہے۔

ایک وعدہ توفی کا جس کی تفصیل گذر گئی۔

دوسرا وعدہ رفع الی السماء کما قال تعالیٰ وَرَافِعُكَ اُکَّے۔ یعنی اے عیسیٰ میں تم کو اپنی طرف اٹھاؤں گا جہاں میرے فرشتے رہتے ہیں وہاں تم کو رکھوں گا اس آیت میں رفع سے جسمانی رفع مراد ہے اس لیے کہ (۱) وَرَافِعُكَ اُکَّے میں خطاب عیسیٰ علیہ السلام کو ہے جو مجبوراً ہے جسم اور روح کا (۲) اور یہاں رفع درجات اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے حاصل تھا اور رفع جسمانی میں تو اور بھی رفع درجات حاصل ہو جاتا ہے رفع جسمانی۔ رفع درجات کے معنی نہیں اور فقط رفع روحانی اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ رفع روحانی ہر مرد صالح کو بوقت موت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو خاص طور پر بطور وعدہ ذکر کرنا بے معنی ہے۔

نیز باتفاق محدثین و مفسرین و مؤرخین یہ آیتیں نصارائے نجران کے حق میں اُن سے مناظرہ اور ان کے عقائد کی اصلاح کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام۔ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول اور مصلوب ہوئے اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر اٹھائے گئے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عقیدہ اہلبیت اور عقیدہ قتل و صلب کی صریح لفظوں میں تردید اور نفی فرمائی کہ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ خدا کے بندہ اور رسول تھے اور یہود کا یہ زعم کہ اَنَا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ اور نصاریٰ کے تیسرے عقیدہ یعنی رفع الی السماء کی تصویب اور تصدیق فرمائی اور وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ (یعنی دشمنوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ سولی دی) میں قتل اور صلب کی نفی کرنے کے بعد متصلاً یہ فرمایا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ بَلْكَ اللَّهُ تَعَالَىٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اگر عقیدہ قتل و صلب کی طرح عقیدہ رفع الی السماء بھی غلط تھا تو جس طرح وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کہہ کر عقیدہ قتل و صلب کی صراحت تردید فرمائی اسی طرح بجائے بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کے مَا رَفَعَهُ اللَّهُ

فرما کر عقیدہ رفع الی السماء کی تردید فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں اٹھایا۔
تیسرا وعدہ۔ وَ مُطَهِّرًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا کا ہے تطہیر سے مراد یہ ہے کہ اہل کفر کے نجس
اور ناپاک قرب و جوار سے الگ کر کے تم کو آسمان پر بلاوں گا۔

چوتھا وعدہ۔ یہ ہے کہ تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر غالب رکھوں گا۔ اور تیرے دشمنوں کو
کبھی حاکمانہ اقتدار نصیب نہ ہوگا۔ کما قال تعالیٰ وَ جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ
كَفَرُوا آيَةُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے
تابع اور پیرو نصاریٰ تھے جو حضرت عیسیٰؑ کے دین پر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد
حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے صحیح پیرو مسلمان ہیں جو حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں
اور حضرت عیسیٰؑ کی وصیت مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنَ الْبَعْدِ اسْمُهُ أَحْمَدُ پر عمل کرنے والے ہیں۔
پس حاصل یہ نکلا کہ امت محمدیہ اور نصاریٰ۔ ہمیشہ یہود پر غالب اور حاکم رہیں گے چنانچہ یہ وعدہ جلد
ہی پورا ہوا کہ یہود ذلیل اور خوار ہوئے اور سلطنت ان کی ختم ہوئی اور پھر آج تک یہود جہاں کہیں بھی ہیں
یا تو نصاریٰ کی رعایا ہیں یا اہل اسلام کی اور اس وقت فلسطین میں جو یہودیوں کی برائے نام حکومت قائم ہوئی
ہے وہ درحقیقت نصاریٰ (امریکہ و برطانیہ) کی ہے نام یہود کا ہے اس برائے نام سلطنت کا وجود تمام تر
نصاریٰ کے رحم و کرم اور اعانت اور امداد کا مرہون منت ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا صرف
چالیس دن کے لیے دجال کا شور و غوغا ہوگا اور یہودی اس کے ساتھ ہوں گے سو اس چند روزہ شور و غوغا
کو سلطنت نہیں کہا جاسکتا اور عجب نہیں کہ فلسطین میں یہ برائے نام حکومت اس لیے قائم ہوئی ہو کہ
یہودی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور عیسیٰؑ علیہ السلام اور امام مہدیؑ کو نزول اور ظہور کے بعد قتل میں
سہولت ہو کہ سب ایک جگہ جمع ہیں قتل کے لیے تلاش نہ کرنا پڑے۔

پانچواں وعدہ۔ فیصلہ اختلاف ہے ثَمَّ اِلٰی مَرْجِعِكُمْ فَاَحْكُم بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔
یہ پانچواں وعدہ ہے کہ جو اختلافات کے فیصلہ سے متعلق ہے تمام اختلافات کا آخری فیصلہ تو آخرت اور
قیامت کے دن ہوگا لیکن یہود اور نصاریٰ اور اہل اسلام کے اختلافات کا ایک فیصلہ قیامت قائم
ہونے سے کچھ روز پہلے ہی ہو جائے گا اور وہ مبارک وقت ہوگا کہ جب عیسیٰؑ علیہ السلام آسمان سے
نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور یہود کو چین چین کر ماریں گے کوئی یہودی اس وقت اپنی جان
نہ بچا سکے گا۔ حدیث میں ہے کہ اس وقت اگر کوئی یہودی جان بچانے کے لیے کسی شجر یا حجر کے پیچھے چھپ
جائے گا تو شجر اور حجر میں سے آواز آئے گی ہذا یہودی و دانی فاقتله یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا
ہے اس کو قتل کیجئے عرض یہ کہ اس طرح کی تیغ بے دریغ سے تو یہودیت کا فیصلہ اور خاتمہ ہو جائے گا۔ اور
حضرت عیسیٰؑ نزول کے بعد صلیب کو جو کہ (نصرانیت کا نشان ہے) توڑیں گے جس سے نصرانیت کا فیصلہ اور
خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہود اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے اور یہود

عقیدہ قتل و صلب سے تائب ہو جائیں گے اور نصاریٰ عقیدہ ابلیت سے تائب ہو جائیں گے۔ اور مسلمان تو پہلے ہی سے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں صحیح عقیدہ رکھتے تھے اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے تھے مسلمان نزول کے بعد جب ان تمام چیزوں کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے تو مسلمانوں کا ایمان بالغیب۔ ایمان شہودی بن جائے گا جس کے بعد ارتداد کا اندیشہ نہیں رہتا اور چونکہ مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں بالکل صحیح ہو گا اس لیے حضرت عیسیٰؑ کا نزول مسلمانوں ہی کی ایک مسجد کے منارہ پر ہو گا اور مسلمان ہی آپ کے گرد و پیش اور آپ کے معین و مددگار ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دین اسلام ہی کی تجدید کے لیے ہو گا۔

غرض یہ کہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ کا یہ آخری وعدہ دنیا کے اخیر میں پورا ہو گا۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور اسی سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال زمین پر زندہ رہیں گے اور اس کے بعد وفات پائیں گے اور حجرہ نبوی میں مدفون ہوں گے اس طرح وفات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوگی۔ (کذا فی عقیدۃ الاسلام ص ۲۹)

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ

پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد اس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ

علم، تو تو کہہ آؤ! بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے

وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ

اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان۔ پھر دُعا

نَبْتِهَلُ فَتَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۖ إِنَّ

کریں، اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔ یہ جو

هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ

ہے سو یہی ہے بیانِ تحقیق، اور کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۲﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ

اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا ۔ پھر اگر قبول نہ کریں تو

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾

اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے ۔

دعوت مباہلہ برائے اتمام حجت براہل مجادلہ

قال تعالى فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اے فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۔
(ربط) یہاں تک حق کو دلائل اور براہین سے ایسا واضح کر دیا گیا کہ جس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی لیکن جو شخص یا جو گروہ معاند اور ضدی ہو اور باطل پر مہر ہو اس سے کیا معاملہ کیا جائے آئندہ آیات میں اُس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساکت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن کو مباہلہ کی دعوت دی جائے اور معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے ایسے لوگوں پر اتمام حجت کا یہ طریقہ ہے اور یہاں ہم شروع سورت ہی میں لکھ آئے ہیں کہ سورہ آل عمران کی شروع کی تراسی آیتیں نجران کے نصرانیوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں اس آیت میں بھی انہی کو خطاب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بارہ میں حق واضح ہو چکا ہے ان واضح اور روشن دلائل کے بعد بھی اگر یہ جھگڑا کریں تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ تم اپنی عورتوں اور لڑکوں سمیت حاضر ہو جاؤ اور ہم بھی اسی طرح اپنی عورتوں اور لڑکوں کو لے آئیں اور سب مل کر خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو جب جھوٹے پر حق تعالیٰ کا قہر آئے گا تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا چنانچہ فرماتے ہیں پس جب کہ یہ بتلادیا گیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور وہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے اور نہ ولد الزنا تھے بلکہ وہ اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اس پر بھی اگر آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کوئی جھگڑا کرے اور کسی طرح حق کو نہ مانے بعد اس کے کہ پہنچ چکا ہے آپ کے پاس اس بارہ میں علم قطعی اور یقینی تو آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اب مناظرہ اور مباحثہ تو ختم ہوا تمہاری ضد اور عناد کے ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آؤ مباہلہ کریں اس طرح سے کہ بلائیں ہم سب مل کر اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی ذاتوں کو اور تمہاری ذاتوں کو پھر ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر عجز و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا کریں پس یہ دعا کریں کہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو جھوٹوں پر پس جو جھوٹا ہو گا اس پر اللہ کا قہر آئے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا ہے اور

کون جھوٹا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں افراط اور تفریط کرتے ہیں اور کسی طرح امر حق کو ملتے ہی نہیں اور کسی دلیل و برہان پر کان دھرتے ہی نہیں تو ایسے معاندین سے احقاق حق کی تدبیر اور فیصلہ کی آخری صورت یہ ہے کہ آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ تم اپنے آدمیوں کی ایک جماعت لے آؤ اور ہم مؤمنین کی ایک جماعت اپنے ساتھ لاتے ہیں اور پھر دونوں فریق مل کر دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدائے تعالیٰ کی لعنت اور عذاب ہو۔ اللہ تعالیٰ خود غیب سے جھوٹے پر کوئی قہر نازل فرمائے گا جس سے راست باز کی راستی اور صداقت ظاہر ہو جائے گی اور جب اس بددعا کا اثر ظاہر ہوگا تو عام لوگ خود ہی صادق اور کاذب کی تعیین کر لیں گے۔

چنانچہ جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے وفد کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر ان کو سنائی اور مباہلہ کی ان کو دعوت دی انہوں نے یہ کہا کہ ذرا صبر کیجئے، ہم ذرا غور کر لیں اور باہم مشورہ کر لیں۔ کل آپ کے پاس آئیں گے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ کہا کہ آپ ہم کو تین دن کی مہلت دیجئے اور یہ کہہ کر چلے گئے اور باہم مشورہ کیا۔

مشورہ میں ان کے سردار نے عاقب سے کہا کہ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ مرد نبی مرسل ہے اور اگر تم نے اس سے مباہلہ کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور واللہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا اور پھر ان کے بڑے زندہ رہے ہوں اور چھوٹے جوان ہوئے ہوں یعنی سب ہلاک ہوئے پس اگر تم ان کے اتباع اور پیروی کو نہ مانو اور اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہو تو اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے صلح کرو اور اپنے شہر وں کو واپس چلے جاؤ۔

قال السيد للعاقب قد
والله علمتم ان الرجل
نبی مرسل ولئن لا عنتموه
انه ليست اصلكم وما لا عن
قوم نبيا قط فبقی کبیرهم
ولا تبت صغیرهم فان ابیتهم
ان تتبعوه وایتمم الالف دینکم
فوادعوه وارجعوا الی بلادکم
(در منشور ص ۳۹ ج ۲)

.. ..
.. ..
.. ..

یہ تجویز لے کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے اور امام حسنؑ کی انگلی پکڑے ہوئے اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کو ساتھ لیے ہوئے تشریف لارہے تھے اور ان سے یہ فرما رہے تھے کہ میں دعا کروں تو تم آئین کہنا وفد نجران کے بڑے پادری نے ان نورانی صورتوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ خدا کی قسم آج مجھ کو ایسے چہرے نظر آتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی درخواست کریں کہ یہ پہاڑ اس جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی درخواست قبول کرے گا لہذا تم ان سے مباہلہ کر کے اپنے کو ہلاک اور برباد نہ کرو۔ در نہ

روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مباہلہ اور مقابلہ سے گریز کیا اور آپ سے صلح کر کے واپس ہو گئے۔ صلح اس پر ہوئی کہ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ہزار خلتے (لنگی اور چادر) ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں دیا کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پُر نورؐ نے جب وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے آپ سے تین دن کی مہلت مانگی۔ مہلت ملنے کے بعد مشورہ کے لیے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے مشورہ لیا۔

فاشاروا علیہم ان یصلحوہ
ولا یلا عنوہ وهو النبی الذی
نجدہ فی التوراة فصالحوا النبی
صلی اللہ علیہ وسلم
علی الف حلة فی صفر
والف فی رجب ودرہم۔
(درمنثور ص ۳۹ ج ۲)

یہود نے بالا اتفاق یہ مشورہ دیا کہ آپ سے صلح کریں اور آپ سے مباہلہ اور مقابلہ نہ کریں آپ وہی نبی ہیں جن کو ہم توریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں پس نصاریٰ نجران نے آپ سے صلح کر لی کہ ایک ہزار حلتہ آپ کو صفر میں دیا کریں گے اور ایک ہزار رجب میں اور کچھ درہم بھی۔

غرض یہ کہ نصاریٰ میں جو لوگ دانا اور سمجھدار تھے اُن کے مشورہ سے وفد نے مقابلہ اور مباہلہ سے گریز کیا اور جزیہ دینا قبول کیا تحقیق یہ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بیان کیا گیا یہی بیان تحقیق اور سچا بیان ہے اور سوائے اللہ کے کوئی بھی معبود نہیں تثلیث اور ابنیت کا عقیدہ بالکل غلط ہے اور تحقیق اللہ ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ سچوں کو عزت دیتا ہے اور اپنے دست قدرت اور اپنی حکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کرتا ہے پس اگر اس کے بعد اہل کتاب کلمہ عدل سے روگردانی کریں نہ دلائل کو مانیں اور نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ تحقیق حق مقصود نہیں اور نہ دل میں اپنی صداقت پر وثوق اور اطمینان ہے مباہلہ سے انکار اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ اپنے عقائد میں متزلزل ہیں اپنے عقائد کی صحت پر ان کے پاس دلائل نہیں جس سے اُن کو اپنے دعوئے حقانیت کا یقین ہو سکے محض شبہات کی بنا پر اپنے عقائد پر اڑے ہوئے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مقصود محض فتنہ اور فساد ہی ہے تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتے والا ہے اگر ان کو اپنے عقائد کی حقانیت پر یقین ہے تو پھر ایک جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس دعا اور التجا کر کہ میں کہ اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے کیوں تردد ہے۔

روافض۔ اس آیت سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت میں ابناءً تا سے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں اور نساءً تا سے حضرت فاطمہؑ اور انفساً سے حضرت علیؑ مراد ہیں تو ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ رسول اور رسول اللہ کی طرح

مسلمانوں کے جان و مال میں تصرف کے حقدار ہیں۔ کما قال تعالیٰ اَلْبَنِيُّ اَوْ لَیْ بِاَمْلُوْا مِنْ اَنْفُسِهِمْ اور جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ تصرف کا حقدار ہو وہی ان کا امام اور خلیفہ ہے۔

یہ ہے کہ اَنْفُسَنَا سے خاص حضرت امیر مراد نہیں بلکہ جماعت مؤمنین مراد ہے جو دین اور ملت میں آپ کے رفیق ہیں۔ جیسا کہ وَ اَنْفُسُكُمْ سے کافروں کی جماعت

جواب

مراد ہے اور یہ مطلب نہیں کہ یہ سب نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے عین ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک دین اور ایک ملت میں سب شریک ہیں اور قریب اور شریک دین اور رفیق ملت کے لیے لفظ نفس کا استعمال قرآن میں شائع اور ذائع ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تَخْرُجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثَمَرَاتُكُمْ هُوَ لَا تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ۔ لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔ وقال تعالیٰ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ وقال تعالیٰ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ چونکہ حضرت امیر کو نسب اور قرابت اور مصاہرت اور اتحاد فی الدین والملت کی وجہ سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص اتصال تھا۔ اس لیے لفظ نفس سے تعبیر کر دیا گیا اس تعبیر سے اتحاد اور عینیت اور مساوات کا گمان کرنا خیال باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت علی تمام صفات میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہو جائیں اور یہ امر فریقین کے نزدیک باطل ہے اس لیے کہ اگر اَنْفُسَنَا کا یہ مطلب ہو کہ حضرت علی سر اسر عین رسول ہیں اور تمام صفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت علی نبی اور رسول بھی ہوں اور خاتم النبیین اور تمام جن و انس کی طرف مبعوث بھی ہوں اور تمام انبیاء و مرسلین کے مزار بھی ہوں۔ نیز لازم آئے گا کہ معاذ اللہ جناب سیدہ کا حضرت علی سے نکاح بھی درست نہ ہو عرض یہ کہ اَنْفُسَنَا کے لفظ سے تمام صفات میں مساوی ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ بعض صفات میں شرکت اور موافقت مفہوم ہوتی ہے اور بعض صفات میں شرکت مفید مدعا نہیں اس لیے محققین شیعہ بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت حضرت امیر کی محض ایک گونہ فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ افضلیت اور امامت اور خلافت بلا فصل سے آیت کا ذرہ برابر تعلق نہیں اور یہی اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔

اور نساء کے معنی عورتوں کے ہیں اس کا اطلاق عام طور پر زوجہ (بیوی) پر ہوتا ہے جیسا کہ یا نساء البَنی میں بالاتفاق زوجہ کے معنی مراد ہیں۔ لہذا نساء کے لفظ سے بیٹی کے معنی مراد لینا اور یہ کہنا کہ نساء عرنا سے حضرت فاطمہ مراد ہیں لغت اور عرف کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں اور علی ہذا اَبْنَا عرنا سے نواسوں کا مراد ہونا معنی حقیقی نہیں بلکہ معنی مجازی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ۔ اور معنی مجازی کے لحاظ سے لفظ اَبْنَا عرنا حسنین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بھتیجوں اور بھانجوں کو بھی شامل ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا

تو کہہ لے کتاب والو! ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے

وَبَيْنَكُمْ إِلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ

درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز اور

لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوا اللہ کے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں تو کہہ، شاہد ہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

دعوتِ اہل کتاب بلطفِ عنایات

قال تعالى قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا
(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک نصاریٰ نجران سے محاجہ اور مناظرہ کا اور پھر مباحلہ کا بیان
تھا محاجہ اور مناظرہ سے نصاریٰ پر دلیل اور برہان کے اعتبار سے حجت قائم کی اور مباحلہ کی دعوت
سے ضمیر اور وجدان کے اعتبار سے ان پر حجت قائم کی اور ظاہر ہے کہ مباحلہ انتہائی اور آخری حجت ہے
اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ اس آخری حجت کے بعد اُن سے خطاب ہی چھوڑ دیا جاتا اس لیے کہ خطاب
اس سے کیا جاتا ہے جو حق کا طالب ہو اور جو معاند اور مفسد ہے اُس سے روگردانی ہی مناسب ہے لیکن
باقتضای رحمت و رأفت پھر اُن کو مخاطب بناتے ہیں کہ گو تمہاری ہٹ دھرمی انتہا کو پہنچ چکی ہے مگر
ہم اپنی بے پایاں رحمت سے پھر تم کو حق دیتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کو نرمی اور ملاطفت
کے ساتھ حق اور توحید کی دعوت دی جاتی ہے۔

نیز گزشتہ آیات میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اب آئندہ آیات میں خطاب عام
ہے جو یہود اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہے۔ نیز زبان سے یہود اور نصاریٰ دونوں توحید کے مدعی تھے
کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم
ہے اور تمام انبیاء کرام اس کی دعوت دیتے چلے آئے تو اس متفقہ اصول کا اقتضایہ یہ ہے کہ سوائے خدا

اور رؤسا دین جو احکام چاہیں اپنی طرف سے مقرر کریں اور پھر ان کے احکام کی احکام منترکہ من اللہ کی طرح بجا آوری لازم اور ضروری سمجھی جائے یہ ہے اجبار اور رہبان کو رب بنانا اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول اللہ کی اطاعت اس کا مصداق نہیں بلکہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے کما قال تعالیٰ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ اس لیے کہ رسول کا ہر امر وہی ہے۔ وحی خداوندی ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ اور اسی طرح علماء اور اولیاء اور سلاطین اور حکام کی اطاعت بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو وہ بھی درپردہ اللہ ہی کی اطاعت ہے چنانچہ حکم خداوندی ہے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ آیت میں اولے الامر سے علماء اور ائمہ مراد ہیں۔ ہاں اگر کسی عالم اور حاکم کی اطاعت خلاف شرع ہو تو وہ بے شک بَعْضُنَا بَعْضًا رِبَايَا مِّنْ دُونِ اللَّهِ میں داخل ہوگی۔

تنبیہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہے معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے ائمہ مجتہدین کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کر دیں اور نہ معاذ اللہ کسی امام نے خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا اور نہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال بنایا۔ بلکہ ائمہ مجتہدین تو قانون شریعت کے بہترین شارح اور مفسر ہیں اور چونکہ امت میں ائمہ مجتہدین کا علم اور فہم اور درجہ اور تقویٰ مسلم ہے اس لیے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور اپنے ناقص اور ناتمام علم اور کم عقلی اور کم فہمی اور صلاح اور تقویٰ سے دوری کی وجہ سے اپنے سمجھے ہوئے پر اعتماد کو روا نہیں سمجھتے رَأَى الْعَلِيلُ عَلِيلًا۔ نبی کریم اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کرنا یہی صراط مستقیم ہے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں اسی طرح فقہاء کرام کے اقوال احادیث نبویہ کی شرح ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس اللہ سرہ تفسیر منظر ہی میں لکھتے ہیں۔ ان اهل السنة والجماعة اختلفت بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب ولم يبق في فروع المسائل سوى هذا المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجتمع امتي على الضلالة وقال الله تعالى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ یعنی قرون ثلاثہ یا اربعہ کے بعد اہل سنت والجماعت ان چار مذہبوں (حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی) پر منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں ان چار کے سوا کوئی پانچواں مذہب باقی نہیں رہا پس جو قول ان چاروں مذہب کے خلاف ہو اس کے باطل ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور ارشاد خداوندی ہے کہ سبیل مومنین یعنی مسلمانوں کے اجماعی مسلک سے انحراف برے انجام کا ذریعہ ہے۔

و قال ابن الہمام فی التقریر انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاهب المخالفة للایمة الاربعة۔

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عقد الجید میں۔ ائمہ اربعہ کی تقلید کو سواد اعظم کا اتباع قرار دیا ہے اور ہندوستان میں خاص امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید کو واجب قرار دیا ہے جن کا جی چاہے اصل کتاب کو دیکھ لے۔ پس اگر اصول مسلم کے بعد بھی اہل کتاب رد گردانی کریں اور اس صاف اور سچی بات کو قبول نہ کریں جس پر تمام آسمانی کتابوں اور تمام پیغمبروں کا اتفاق ہے تو لے مسلمانو تم یہ کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ یعنی اللہ کے فرما بردار اور اس کے حکم کے تابع رہیں حدیث میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفد نجران سے کہا اسلموا مسلمان ہو جاؤ تو کہنے لگے کہ اسلمنا ہم تو مسلمان ہیں اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نصاریٰ نجران جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں وہ غلط ہے اس لیے کہ جب توحید ہی کے قائل نہیں جو تمام شریعتوں کا مسلم اصول ہے تو پھر دعوائے اسلام بالکل غلط ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحَاجُّونَ فِي الْبُرْهَانِ

اے کتاب والو کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم پر ؟

وَمَا أُنزِلَتْ التَّوْرَةُ وَ الْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ

اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے

بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۵﴾ هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ

بعد ، کیا تم کو عقل نہیں ؟ سنئے ہو تم لوگ

حَاجَّتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ

جھگڑ چکے ، جس بات میں تم کو خبر تھی ، اب کیوں جھگڑتے ہو

فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

جس بات میں تم کو خبر نہیں ؟ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

تَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا

جانتے - نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی ،

وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ

اور لیکن تھا ایک طرف کا حکم بردار - اور نہ تھا شرک

الْمُشْرِكِينَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ

وال - لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی ،

اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ

جو ساتھ اس کے تھے ، اور اس نبی کو اور ایمان والوں کو - اور اللہ والی

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾

ہے مسلمانوں کا ۔

ابطال دعوائے اہل کتاب رباۃ ملت ابراہیم علیہ السلام

قال تعالى يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ه
(ربط) جس طرح دعوائے توحید میں سب مشترک تھے اسی طرح حضرت ابراہیم کی تعظیم و تکریم میں سب شریک تھے اور یہود اور نصاریٰ ہر ایک فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ حضرت ابراہیم ہمارے دین پر تھے عیسائی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ملت ابراہیمی پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں اور یہودی یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور ہم ان کی ملت پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے اس دعوے کے رد اور ابطال کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ تم سب غلط کہتے ہو تم کو ابراہیم سے کیا واسطہ تم سب مشرک ہو اور ابراہیم علیہ السلام موجد اور مسلم یعنی خدا کے فرمانبردار بندہ تھے ابراہیم سے محبت کرنے والے اور ان کے طریقہ پر چلنے والے یہ نبی اور مسلمان ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو اور ان کو یہودی یا نصرانی بتلاتے ہو اور حالانکہ توریت اور انجیل حضرت ابراہیم کی ایک مدت دراز کے بعد نازل ہوئیں اور یہودیت اور نصرانیت توریت اور

انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی اس لیے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ سے ایک ہزار سال
مقدم تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور شریعت سے مقدم تھی تو پھر حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی طرف یہودیت اور نصرانیت کی نسبت کیسے ممکن ہو سکتی ہے پس کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ
ایسی باطل بات زبان سے نکالتے ہو کہ جو جو طریقہ (یہودیت اور نصرانیت) حضرت ابراہیمؑ کے ایک ہزار یا
دو ہزار برس بعد ظاہر ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس کے وجود سے پہلے کیسے اُس کے متبع تھے آگاہ ہو
جاؤ تم ہی وہ لوگ ہو جو اس چیز میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا اور اس کے متعلق
تمہیں کچھ شدُّ بُد تھی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور نبی آخر الزمانؑ
کی بشارت وغیرہ کی تمہیں کچھ خبر تھی حالانکہ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ جب تک آدمی کو پورا علم نہ ہو اس بارہ میں
بحث اور مناظرہ نہ کرے پس اُسے احمق اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ
کا کیا مذہب اور مسلک تھا اور آج دنیا میں کون سی جماعت ان کے مسلک کے قریب ہے اور اللہ ہی جانتا
ہے اور تم نہیں جانتے اور جس چیز کو آدمی نہ جانتا ہو اس کو چاہیے کہ اس کے علم کو خدا کے سپرد کرے اللہ ہی
کو معلوم ہے کہ ابراہیمؑ کا کیا طریقہ تھا سنو ان کا طریق یہ تھا کہ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف تھے
یعنی سب طرف سے بیزار ہو کر صرف ایک خدا کے فرمانبردار اور تابعدار تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے
بلکہ موحد اور حنیف اور مُسْلِم تھے حنیف کے معنی ہیں کہ سب باطل راہوں کو چھوڑ کر راہ حق پکڑے اور سب طرف
سے ہٹ کر ایک طرف (یعنی خدا کا) ہو جائے اور مسلم کے معنی فرمانبردار اور تابعدار کے ہیں اور اے اہل کتاب
تم نہ موحد ہو اور نہ حنیف ہو اور نہ مسلم ہو شرک میں مبتلا ہو نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو احکام
خداوندی کو پس پشت ڈالے ہوئے ہو اور ثالث ثالثہ کا عقیدہ رکھتے ہو اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح
کو ابن اللہ کہتے ہو تو پھر تم کیسے دم بھرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں تحقیق تمام لوگوں میں سے ملت اور مذہب
کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اور خصوصیت رکھنے والے البتہ اول تو وہ لوگ
تھے جنہوں نے اُن کے وقت میں حضرت ابراہیمؑ کا اتباع اور پیروی کی وہ آپ کی امت کے آدمی تھے اور
بلاشبہ آپ کے دین پر تھے اور پھر اس اخیر زمانہ میں یہ نبی اور سلمان حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ نزدیک ہیں
کہ جن کی شریعت کے اکثر احکام ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اللہ کو ایک مانتے ہیں اور قربانی اور فتنہ کرتے
ہیں اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور حج اور عمرہ سجا لاتے ہیں اور غسل جنابت کرتے
ہیں اور جن باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش ہوئی تھی اور حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام ان میں پورے
اترے مسلمان اُن کو پوری طرح ادا کرتے ہیں اور اللہ مسلمانوں کا والی اور کارساز ہے اور جس کا خدا والی ہو
اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا اور نہ اس کو کوئی راہ حق سے ہٹا سکتا ہے خلاصہ جواب خداوندی یہ ہے کہ
تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے یعنی معاذ اللہ یہودی یا نصرانی تھے اگر اس معنی کرہتے ہو کہ

وہ توریت یا انجیل پر عمل کرتے تھے تو یہ صریح بے عقلی ہے تو ریت حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت ابراہیم سے ایک ہزار برس بعد ہوئے اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس بعد ہوئے تو حضرت ابراہیم کو دین یہودی اور دین مسیحی کا پیرو تلامذہ صریح بے عقلی ہے اور اگر حضرت ابراہیم کو یہودی یا نصرانی بتلانے کا یہ مطلب کہ اُس زمانہ میں اہل ہدایت اور اچھے دینداروں کا نام یہودی یا نصرانی تھا تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو حنیف اور مسلم کہا ہے اور حنیف کے معنی یہ ہیں کہ جس نے تمام باطل راہوں کو چھوڑ کر ایک حق کی راہ پکڑ لی ہو اور مسلم کے معنی حکم بردار اور تابع دار کے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہو اب تم خود غور کرو کہ یہ صفت تم میں ہے یا مسلمانوں میں اور اگر حضرت ابراہیم کے یہودی یا نصرانی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب دینوں میں یہودی یا نصرانی کے دین کو حضرت ابراہیم کے دین سے زیادہ مناسبت ہے تو یہ بات بھی غلط ہے حضرت ابراہیم سے سب سے زیادہ مناسبت اُس وقت کی امت کو تھی اور پچھلی امتوں میں سب سے زیادہ مناسبت امت محمدیہ کو ہے کہ جس کا پیغمبر خَلَقًا وَخَلْقًا وَصُورَةً و سیرۃ حضرت ابراہیم کے مشابہ ہے اور اُن کی خاص دُعا ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ الْخ اور آپ کی امت کا بھی وہی نام ہے جو حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں فرمایا تھا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور آپ کی شریعت کے قواعد کلیہ وہی ہیں جو ملت ابراہیمی کے تھے اور غالباً اسی مناسبت کی وجہ سے درود شریف میں کما صلیت علی ابراہیم فرمایا۔ تشبیہ میں کسی اور نبی کا ذکر نہیں فرمایا۔

ضروری تنبیہ

یاد رہے کہ وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا میں ابراہیم علیہ السلام کے مسلم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ آپ شریعت اسلامیہ کو مانتے تھے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی کیونکہ اس صورت میں بھی وہی اعتراض وارد ہوگا کہ یہ شریعت بھی تو توریت اور انجیل کی طرح ابراہیم علیہ السلام کے بعد میں نازل ہوئی پھر ابراہیم علیہ السلام اس شریعت کے کیونکر متبع ہو سکتے ہیں بلکہ اس آیت میں اسلام سے معنی لغوی یعنی تفویض اور تسلیم توحید اور اخلاص فی العمل اور فرمانبرداری کے معنی مراد ہیں جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے اس نام اور صفت کو روشن کیا۔ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهِ لِلْجَبِينِ۔ اور یہی تفویض اور تسلیم اور توحید اور اخلاص فی العمل۔ اصل حقیقت ہے شریعت محمدیہ یعنی اسلام کی اور اس سے اہل کتاب بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین بایں معنی اسلام تھا کیونکہ خود اُن کی کتابوں میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو کچھ آیا ہے وہ بالکل اسی معنی پر منطبق ہے اور تمام انبیاء اپنے اپنے وقت میں اسی معنی کو اسلام کی دعوت دیتے چلے آئے یعنی توحید اور اخلاص فی العمل اور یہی لفظ اسلام اسی معنی اور حقیقت کے اعتبار سے مسلمانوں کے دین اور مذہب کا نام ہو گیا ہے پس اگر اس نام اور صفت اور اس معنی اور حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلمان ہی ابراہیم علیہ السلام

سے اقرب اور شبہ ہوں گے یہود اور نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ سے کیا نسبت۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نَوَّ

آرزو ہے بعض کتاب والوں کو، کس طرح تم کو

يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾

راہ بھلا دیں، اور راہ بھلاتے نہیں مگر آپ کو اور نہیں سمجھتے :-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ

اے کتاب والو! کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور تم

تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ

قائل ہو :- اے کتاب والو! کیوں ملا تے ہو صحیح میں

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ

غلط؟ اور چھپاتے ہو سچی بات کو جان کر :- اور کہا

طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَىٰ

ایک لوگوں نے اہل کتاب میں، کہ مان لو جو کچھ اترا

الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا وَآخِرَهُ لَعَنَهُمُ

مسلمانوں پر دن چڑھے، اور منکر ہو جاؤ آخر دن، شاید وہ

يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا بِمَا تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ

پھر جاویں :- اور یقین نہ کریو مگر اسی کا جو پہلے تمہارے دین پر، تو کہہ

إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا

ہدایت دہی جو ہدایت کرے اللہ، اس واسطے کہ کسی کو ملا جیسا کچھ تم

أَوْتَيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ

کو ملا تھا، یا مقابلہ کیا تم سے تمہارے رب کے آگے۔ تو کہہ بڑائی اللہ

بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۳﴾

کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ گنجائش والا ہے خبردار :-

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے۔ اور اللہ کا فضل

الْعَظِيمِ ﴿۴۴﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ

بڑا ہے :- اور بعض اہل کتاب میں وہ ہے کہ اگر تو اس پاس امانت

يَقْنَطَارِ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِيَدِ بِنَارٍ

رکھے ڈھیرال کا، ادا کرے تجھ کو، اور بعض ان میں وہ ہے، اگر تو اس پاس امانت رکھے ایک

لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ

اشرافی، ادا نہ کرے تجھ کو مگر جب تک تو رہے اس کے سر پر کھڑا۔ یہ اس واسطے کہ انہوں

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّمِينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ

نے کہہ رکھا ہے نہیں ہم پر جاہلوں کے حق کا گناہ۔ اور جھوٹ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ بَلَى مَنْ

بولتے ہیں اللہ پر جانتے (جان بوجھ کر) :- کیوں نہیں!

أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقِ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾

جو کوئی پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگار ہے، تو اللہ چاہتا ہے پرہیزگاروں کو :-

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ

جو لوگ خرید کرتے ہیں اللہ کے اقرار پر، اور اپنی قسموں پر

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

تھوڑا مول، اُن کو کچھ حصہ نہیں آخرت میں،

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا اُن کی طرف قیامت کے دن

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ مِنْهُمْ

اور نہ سنوارے گا ان کو، اور ان کو دُکھ کی مار ہے اور ان میں

فَرِيقًا يَلْكُونُ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ

ایک لوگ ہیں، کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب، کہ تم جانو

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ

وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں - اور کہتے ہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَ

وہ اللہ کا کہا ہے، اور وہ نہیں اللہ کا کہا اور

يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۸

اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

کسی بشر کا کام نہیں، کہ اللہ اسکو دیوے کتاب اور حکم

وَالنَّبُوءَةُ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ

اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو

مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ

اللہ کو چھوڑ کر، لیکن تم ربی ہو جاؤ جیسے تھے تم

تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَ

کتاب سکھاتے، اور جیسے تھے تم پڑھتے :- اور

لَا يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ اَرْبَابًا

نہ یہ کہے تم کو، کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔

اَيَا مَرْكُومًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

کیا تم کو کفر سکھاوے گا؛ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکو :-

یہودی شرارتوں اور خیانتوں اور فریادوں کا بیان

قال تعالى وَذٰتَ ظُلُمٍ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوِ يُضِلُّوكُمْ... الے.... اَيَا مَرْكُومًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ
(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب سے مناظرہ اور مباہلہ کا بیان تھا کہ یہ لوگ نہ تو کسی دلیل کو مانتے
ہیں اور نہ مباہلہ پر آمادہ ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ حق کی تحقیق مقصود نہیں بلکہ مقصود شرارت اور فتنہ پردازی
ہے اس لیے آئندہ آیات میں یہودی کچھ شرارتوں اور عداوتوں اور دغا بازیوں اور فریب کاریوں
کو بیان کرتے ہیں کہ کس کس طرح سے یہ لوگ حق اور باطل کو غلط ملط کرنے میں مکر اور فریب سے کام
لیتے ہیں یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ تم حق پر اور سید راستہ پر ہو مگر یہ لوگ تم کو دھوکہ دے کر گمراہ
کرنا چاہتے ہیں۔ دور تک یہی سلسلہ کلام چلا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت دل
سے آرزو رکھتی ہے کہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں یعنی صحیح راستہ سے تم کو ہٹا دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں
کر رہے ہیں مگر اپنے آپ کو اور وہ سمجھتے بھی نہیں کہ اس کا وبال ان ہی کے سر ہے۔ یعنی ان پر دگنا عذاب
ہوگا ورنہ خود تو پہلے ہی سے گمراہ ہیں گمراہ کو گمراہ کرنا مراد نہیں بلکہ گمراہ کر دینے کا وبال مراد ہے۔
یہودی دلیل و نہار مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور اپنی چالوں سے مسلمانوں

کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور توریت کی ان آیات بینات کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے جو حضور پُر نورؐ کے نبی برحق ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور علیٰ ہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے جو آپؐ کی نبوت کے دلائل اور شواہد ہیں پس یہود کی یہ کوشش دوسروں کی تفصیل نہیں بلکہ درحقیقت خود اپنی ہی تفصیل ہے مگر اُن کو اس کا شعور اور احساس بھی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اس کا کیا انجام ہے۔

اب آئندہ آیات میں ایمان داروں کو ہوشیار کرنے کے لیے اہل کتاب کے چند کمرے ذکر کرتے ہیں۔ (اَوَّل) یہ کہ اہل کتاب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو سحر بتاتے ہیں اور آپؐ کی جو بشارتیں کتب سابقہ میں مذکور ہیں باوجود شہادت دینے کے اُن کو چھپاتے ہیں اور طرح طرح سے اُن کی تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا دیدہ و دانستہ اور حالانکہ تم اپنی زبان سے اس کے قائل اور گواہ ہو کہ یہ آیتیں حق ہیں۔

ف آیات اللہ سے یا تو توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور نعت اور صفت کا ذکر ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن عظیم کے متعلق جو بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور ہیں تم خود اپنی خلوتوں میں اُن کا اقرار کرتے ہو پس ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے خوب سمجھ لو کہ آپؐ کی نبوت کا انکار کرنا توریت اور انجیل اور تمام کتب سماویہ کا انکار کرنا ہے یا آیات اللہ سے قرآن کی آیتیں مراد ہیں یعنی تم خود بھی جانتے ہو کہ یہ اللہ کی آیتیں ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے یا آیات اللہ سے نشانیاں یعنی معجزات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ معجزات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نبی برحق ہیں پھر کیوں آپؐ کی نبوت کا انکار کرتے ہو۔ یہ تو ملامت ہوئی خود اُن کی ضلالت یعنی خود اُن کی گمراہی پر اب آئندہ آیت میں اضلال یعنی دوسروں کے گمراہ کرنے پر ملامت فرماتے ہیں اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے ہو اور سچ کے ساتھ کیوں جھوٹ کو ملاتے ہو اور کیوں حق اور سچی بات کو چھپاتے ہو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہے اور یہ باطل اور یہ بھی جانتے ہو کہ حق کو چھپانا اور حق کو باطل کے ساتھ ملانا کتنا بڑا جرم ہے۔ قانون حکومت میں ایک حرف کا تغیر و تبدل بھی جرم عظیم ہے۔ اہل کتاب توریت کے بعض احکام کو تو دینیوی اغراض کی خاطر بالکل موقوف ہی کر ڈالتے تھے اور بعض آیات میں لفظی تحریف کرتے اور بعض آیات کے معنی پھیر ڈالتے یعنی تاویل فاسد کرتے اور بعض چیزوں کو چھپا کر رکھتے ہر کسی کو خبر نہ دیتے جیسے پیغمبر آخر الزمانؑ کی بشارتیں پس ”باطل“ سے یہ تمام تحریفات اور تاویلات فاسدہ مراد ہیں کہ ان کو حق کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے تاکہ حقیقت واضح نہ ہو غرض یہ کہ لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور تاویل فاسدہ کے ذریعہ سے معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور کبھی حق بات کو چھپا کر رکھتے یہ تحریف کا نہ لاطریق تھا کہ تحریف کا نام بھی نہ ہو اور تحریف کا مقصد حاصل ہو جائے جیسے لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ کو ذکر کر دینا اور ذَا نُسْرٰی کو چھپالینا یہ بھی تحریف ہی ہے۔

اب آئندہ آیت میں یہود کی مسلمانوں کو دین حق سے گمراہ کرنے کی ایک عجیب و غریب سازش اور مکر و فریب کو ظاہر کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن صییف اور عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے چند لوگ صبح کے وقت چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر ظاہراً ایمان لے آئیں اور پھر شام کو اس کا انکار کر دیں تاکہ لوگ شک اور تردد میں پڑ جائیں کہ یہ لوگ علماء اہل کتاب ہیں انہوں نے دین اسلام میں ضرور کوئی عجیب اور نقصان کی بات دیکھی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے شاید دوسرے لوگ بھی ہم کو اس طرح دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مکر سے مطلع کر دیا اور بتا دیا کہ وہ اس قسم کے مکر اور فریب سے مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے مشورہ کر کے یہ کہا کہ جو کتاب مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اس پر شروع دن میں ظاہراً ایمان لے آؤ اور پھر آخر دن میں اس سے منکر ہو جاؤ شاید مسلمان بھی شک میں پڑ جائیں اور اپنے دین سے پھر جائیں کہ یہ لوگ علم والے ہیں اور بے تعصب ہیں کہ اسلام میں داخل ہو گئے ان لوگوں نے دین اسلام میں ضرور کوئی خرابی دیکھی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صرف مسلمانوں کے دکھانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمانوں کی کتاب پر ایمان لاؤ اور صدق دل سے کسی کے قول کی تصدیق نہ کرو یعنی سچا ایمان جس میں دل اور زبان موافق ہوتے ہیں وہ کسی کے لیے بھی نہ لاؤ مگر جو شخص تمہارے دین کا پیرو ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو یہود مسلمانوں کے پاس جا کر شروع دن میں ظاہراً ان کی کتاب پر ایمان لائیں اور بطور نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کریں ان کو یہ بات برابر ملحوظ رہے کہ وہ اس ظاہری ایمان کی وجہ سے اپنے کو مسلمان نہ سمجھیں بلکہ صدق دل سے اپنے کو یہودی ہی سمجھیں اور سچے دل سے اسی شخص کی بات کو قبول کریں جو ان کے دین کا پیرو ہو سوائے اپنے مذہب والوں کے کسی کی بات کا یقین نہ کریں اس صورت میں مَنْ يَمُنْ بِمَعْنٰی میں لام نرائد ہوگا اور بعض نے وَلَا تَوْمِنُوْا اِلَّا مَنْ يَمُنْ بِمَعْنٰی دینکم کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تمہارا صبح کے وقت ظاہری طور پر ایمان لانا بھی محض اُن لوگوں کے دین کی حفاظت کے لیے ہو جو تمہارے ہم مذہب اور تمہارے دین کے پیرو ہیں اس صورت میں مَنْ يَمُنْ بِمَعْنٰی کلام انتفاع کے لیے ہوگا یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہیے کہ وہ آئندہ چل کر مسلمان نہ ہو جائیں یا جو ہمارے ہم مذہب مسلمان ہو چکے ہیں وہ اس تدبیر سے پھر واپس آجائیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود کے ان علماء اور رؤسا

علہ اشارہ اس طرف ہے کہ وَلَا تَوْمِنُوْا کا عطف بِالَّذِيْ اُنْزِلَ پر ہے اور یہ جزء آیت کلام یہود کا بقیہ ہے اور اُن کے کلام سابق پر معطوف ہے وَكَذٰلِكَ قَالَ ابْنُ عَطِيَّةٍ لَا خِلَافَ بَيْنَ اَهْلِ التَّوْبِيلِ اِنْ هٰذَا الْقَوْلُ مِنْ كَلَامِ الطَّائِفَةِ، انتہی۔

سے کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ مکرو فریب سب بیکار ہے تحقیق ہدایت وہ ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت ہو جس کے دل میں اللہ ہدایت کا نور ڈال دے اُس کو کسی کا مکرو فریب گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور تمہارا یہ مکرو فریب ہدایت نہیں۔ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو عطا ہوئی اور اللہ جس کو چاہے تمہاری طرح کتاب اور دین دے کر ہدایت کر سکتا ہے کوئی وجہ انکار نہیں اور تم مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ چال بازی اور مکاریاں اس لیے کر رہے ہو کہ تمہیں اس بات پر حسد ہے کہ کسی اور کو بھی تم جیسا دین اور کتاب اور حکمت دیا جائے جیسا پہلے تمہیں دیا گیا یہود کا یہ گمان تھا کہ نبوت و شریعت اور علم و حکمت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔ عرب کے اُمیین کو اس فضیلت اور نعمت سے کیا واسطہ یا یہ مکرو اور تدبیر تم نے اس حسد اور جلن میں کی ہے کہ دین کی مددگاری میں رب کے سامنے تم پر کوئی غالب نہ آجائے کیونکہ وہ ہدایت پر ہیں نہ کہ تم یعنی اس حسد نے تم کو اس مکرو پر مجبور کیا تم کو حسد یہ ہے کہ دین کی مددگاری میں ہمارا مقابل کوئی اور کیوں ہو یا یہ معنی ہیں کہ یہ حسد اس بنا پر ہے کہ تم کو یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان تم کو خدا کے روبرو ملزم نہ ٹھہرائیں کہ توریت اور انجیل میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی بشارتیں مذکور تھیں اور یہ لوگ اس کا اقرار بھی کرتے تھے مگر باوجود اس اقرار اور اعتراف کے آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ آپ ان رؤسا یہود سے یہ کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ حسد اور یہ تدبیر اس صورت میں کارگر ہو سکتی ہے کہ جب فضل و انعام تمہارے ہاتھ میں ہو لیکن تحقیق فضل و نعمت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں وہ مالک الملک ہے جس کو چاہے عطا کرے اور تم اس کے انعام میں کسی قسم کی کمی اور تنگی بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والا ہے یعنی اس کا فضل نہایت وسیع ہے اور خوب جاننے والا ہے کہ کون اُس فضل و انعام کے لائق ہے وہ اپنی مہربانی اور بخشائش سے جس کو چاہتا ہے غاص کرتا ہے اور اس وقت اس نے اپنی رحمت سے مسلمانوں کو خاص فرمایا ہے اور خداوندِ ذوالجلال کی رحمت پر حسد کرنا فضول بلکہ حماقت ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

عہ اشارہ اس طرف ہے کہ اَوْ يُجَاوِزْكُمْ کا عطف یوئی پر ہے اور اُن کی وجہ سے منصوب ہے اور یجاءوکم کی ضمیر مرفوع احد کی طرف راجع ہے اور لفظ احد اگرچہ مفرد ہے مگر بمعاظ معنی جمع ہے اور ان یوئی اے آخرہ بتقدیر لام فعل محذوف کی علت ہے۔ اِی لاجل ان یوئی احد مثل ما او تیتم او یجاءوکم عند ربکم قلت ذلک القول ود برتتم تلک المکیدۃ اِی فعلتم ذلک حسدا و خوفا من ان تذهب ریاستکم و یشارکم احد فیما او تیتم من فضل العلم او یجاءوکم عند ربکم اِی یقیمون الحجۃ علیکم عند اللہ اذ کتابکم طاف بنبوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ملزم لکم ان تو منوابہ و تتبعوہ کذا فی البحر المحیط۔

اہل کتاب میں اہل امانت کی طرح اور اہل خیانت کی مذمت

گزشتہ آیت میں اہل کتاب کی تبلیغ اور کتمان حق کا بیان تھا اب اس آیت میں ان کی خیانت فی المال کا ذکر ہے کہ ان لوگوں میں امانت داری اور خدا ترسی نہیں چند پیسوں کے لیے خیانت سے دریغ نہیں کرتے۔ دین اور آخرت کے معاملہ میں ان پر کیسے بھروسہ کیا جائے البتہ ان میں بعض بعض اب بھی امین ہیں جن کو حق کے قبول کرنے میں دریغ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بعض اہل کتاب سے ایسے امین ہیں کہ اے مخاطب اگر تو اس کے پاس کوئی خزانہ اور مال کا ڈھیر بھی امانت رکھ دے تو وہ تیری امانت سمجھ کر واپس دے دیں گے اگرچہ تو ان سے اپنی امانت کا مطالبہ بھی نہ کرے پس جو شخص مخلوق کے معاملہ میں اس درجہ امین ہوگا تو وہ خالق کے معاملہ میں بدرجہ اولیٰ امین ہوگا ایسا شخص تو ریت کے احکام میں اور نبی آخر الزمان کی بشارتوں میں ذرہ برابر خیانت نہ کرے گا اس لیے کہ وہ اللہ کی امانت ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار اور دو سو ادقیہ سونا امانت رکھا آپ نے بعینہ اُس کی امانت ادا کر دی۔ یہ آیت ان کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اس کے پاس اگر ایک اشرفی امانت رکھ دو تو وہ بھی سمجھ کر واپس کرے گا مگر جب تک رہے تو اس کے سر پر کھڑا۔ یعنی جب مجبور ہو جائے تب امانت ادا کرے یہ آیت فحاص بن عازر دراد یہودی کے بارہ میں نازل ہوئی جس کے پاس کسی شخص نے ایک اشرفی امانت رکھی تھی۔ اور اس نے اس میں بھی خیانت کی اور ان کی یہ خیانت اس وجہ سے ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ناخواندوں اور ان پڑھوں یعنی عربوں کے مال میں ہم پر کوئی راہ نہیں یعنی ہم پر خدا کے یہاں عربوں کے مال میں کوئی مواخذہ اور مطالبہ نہیں عربوں کے مال ہمارے لیے حلال ہیں۔ اہل کتاب کا یہ عقیدہ تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں اور ساری دنیا جاہل ہے اور غیر اہل کتاب مثلاً قریش وغیرہ کے مال میں خیانت کرنے میں ہم پر مذہباً کوئی گناہ نہیں جیسے برہمنوں نے ہندوؤں کے بہکانے کے لیے بہت سی باتیں بنا رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس دعوے کی تکذیب میں فرماتے ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ پر دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی مخالف اور دشمن کے مال میں چوری اور خیانت کی کبھی اجازت نہیں دی ان لوگوں نے پرایا مال کھانے کے لیے یہ مسئلہ بنایا کہ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت جائز ہے جان بوجھ کر جھوٹ بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے امانت میں خیانت کی کبھی اجازت نہیں دی اور شریعت اسلامیہ کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ مسلمان ہو یا کافر۔ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں اور یہ خود بھی جانتے ہیں کہ توریت میں کوئی ایسا حکم نہیں اور آج کل یورپین اقوام کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً اور ایشیائی اقوام کے ساتھ عموماً عہد و پیمان کا پورا کرنا ضروری

نہیں وقت کا جو تقاضا ہو اس پر چلتے ہیں کیوں نہیں ضرور خیانت پر مواخذہ ہوگا کیونکہ اس کے متعلق ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنے عہد کی وفا کرے خواہ وہ عہد خالق سے ہو یا مخلوق سے ہو اور ہیزگاری کرے یعنی اللہ سے ڈرے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ ہو جائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو مجبور رکھتا ہے اور اللہ کا دوسرا قانون یہ ہے کہ تحقیق جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلہ میں دنیا کا تھوڑا سا مول یعنی حقیر معاوضہ خرید کرتے ہیں۔ یعنی معمولی نفع اور معمولی فائدہ کے لیے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا بیٹھتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے نہ کوئی بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک و صاف کرے گا یعنی ان کے گناہوں کو نہیں بخشے گا اس لیے کہ خیانت حقوق العباد میں سے ہے اور ان میں لامحالہ قصاص یعنی بدلہ ہے اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا آگ بھی ہوگی اور خطاب تہدید و توبیخ بھی ہوگا اور نظر غضب بھی ہوگی اور کفر و شرک کی نجاتوں اور گندگیوں سے پاک بھی نہ کیئے جائیں گے اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہو تحقیق ان اہل کتاب میں سے ایک ایسا گروہ ہے جو کتاب کو زبان سرور کر پڑھتے ہیں اور اس میں کچھ اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور کتاب ہی کے لہجہ میں اُس کو پڑھتے ہیں تاکہ تم اس ملائے ہوئے کو کتاب کا جز نہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا جز نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کی طرف سے ہوتا ہے یہ لوگ چالاکی سے آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے گھسٹا بڑھا کر ایسے انداز اور لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف آدمی سن کر دھوکہ میں آجاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ الفاظ اور یہ عبارت بھی آسمانی کتاب کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے زیادتی اور اضافہ کر دیتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر ص ۲۳ ج ۳)

صحیح بخاری میں طرق متعددہ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں۔

یا معشر المسلمین کیف تسألون	اے گروہ مسلمین تم اہل کتاب سے کیسے
اہل الکتاب عن شیء و کتاب اللہ	پوچھتے ہو حالانکہ اللہ کی وہ کتاب جو اس
الذی انزلہ علی نبیہ احدث	نے اپنے نبی پر اتاری ہے وہ سب سے
اخبار اللہ تقرؤنہ غضا لمیشب	نئی اور آخری کتاب ہے جس کو تم تروفا زہ
وقد حدثکم اللہ تعالیٰ ان اہل الکتاب	پڑھتے ہو اور اس میں کسی دوسری چیز کا ذرہ

علہ روى الضحاك عن ابن عباس ان الآية نزلت في اليهود والنصارى جميعا وذلك انهم حرفوا التوراة والانجيل والحقوا بكتاب الله ما ليس منه (كذا في روح المعاني ص ۱۸ ج ۳) وخرجه ابن جرير وابن ابی حاتم من طريق العوفي عن ابن عباس في قوله وان منهم لفریقا یلوون السنتهم بالکتاب قال هم اليهود كانوا یزیدون فی کتاب الله ما لم یزل الله (درمنثور ص ۴۶ ج ۲)

قد بدلوا کتاب اللہ و
غیر وہ و کتبوا بایديهم
الکتاب و قالوا هو من
عند اللہ لیشتروا به ثمنًا
قلیلًا افلا ینہاکم ما جاءکم
من العلم عن مسألتهم
ولا والله ما رأینا منهم احدا
قط سألکم عن الذی انزل
علیکم کذا فی تفسیر ابن کثیر
تحت تفسیر قوله تعالیٰ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِينَ یُکْتَبُونَ الْکِتَابَ
بِأَیْدِهِمْ ۱۶ (طبع بیروت ص ۱۱۷)

برابر شائبہ بھی نہیں یعنی بعینہ اللہ کی کتاب
پڑھتے ہو اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو
بتلا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب
میں یعنی توریت وغیرہ میں تغیر و تبدل کر لیا
ہے اور بہت سی چیزیں اپنے ہاتھ سے لکھ
کر اس میں شامل کر دی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ
یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ
دنیا کا فائدہ حاصل کریں کیا جو صحیح اور تازہ
علم تمہارے پاس آیا ہے وہ تم کو اہل کتاب سے
سوال اور استفادہ سے منع نہیں کرتا یعنی صحیح
علم کے ہوتے ہوئے محرف کتاب کی طرف
کیوں نظر کرتے ہو علاوہ ازیں تمہارا اہل کتاب

سے سوال کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ خدا کی قسم ہم نے تو اہل کتاب کو کبھی
نہیں دیکھا کہ وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن کے متعلق تم سے کچھ سوال کرتے ہوں پھر تم کیوں ان
سے سوال کرتے ہو۔ (رواہ البخاری)

اور تفسیر کبیر ص ۵۰۲ ج ۲ و تفسیر نيسابوری ص ۲۲۸ ج ۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ
آیت اُن یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو کعب بن اشرف یہودی کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے کر آئے
جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اُن صفات اور علامات کو بدل دیا تھا جو توریت میں آئی تھیں بنی
قریظہ نے اُن کی لکھی ہوئی کتاب کو لیا اور اپنی کتاب میں اس کو ملایا۔
اور قتال مروزی اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں لَيْتًا يَا كُسَيْتُ تَهْمُرُ سَیَرُہُ یہ مراد ہے کہ یہود
بعض الفاظ کی حرکات اعرابہ کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ جس سے لفظ کے معنی کچھ کے کچھ ہو جاتے
تھے جیسے راعنا کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری رعایت فرمائیے لیکن یہود جب اس لفظ کو زبان موڑ کر پڑھتے
تو یہ لفظ راعینا بن جانا جس کے معنی ہمارے چرواہے کے ہیں جو سراسر تحقیر ہے یا یہ کہ بعینہ ہی لفظ عبرانی اور
سربیانی زبان میں گالی کا تھا۔

عہ نقل عن ابن عباسؓ انه قال ان النصر الذین لا ینکحہم اللہ یوم القیامۃ ولا ینظر
الیہم کتبوا کتباً شوا فیہ نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و خلطوا بالکتاب الذی کان فیہ
نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم قالوا ہذا من عند اللہ (تفسیر کبیر ص ۵۰۲ ج ۲)

خلاصہ کلام

جمہور مفسرین کے نزدیک جن میں عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؓ اور قتادہؓ وغیرہم بھی ہیں کِتَابُ الْاِسْمِیْنَ سے کتاب خداوندی میں لفظی تحریف کرنا اور اپنی طرف سے کسی چیز کا کتاب الہی میں ملا لینا مراد ہے اور قتال مروزیؒ کے نزدیک کِتَابُ الْاِسْمِیْنَ سے حرکات اعرابیہ کو اس طرح توڑ موڑ کر پڑھنا مراد ہے کہ جس سے معنی بدل جائیں اور مطلب کچھ کا کچھ بن جائے جاننا چاہیے کہ ان دونوں معنوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں اس لیے کہ لُی کے معنی پھیرنے اور موڑنے کے ہیں یعنی زبان کلام الہی اور کتاب خداوندی کو اس طرح موڑے کہ وہ کلام راستی سے ہٹ کر کجی کی طرف آجائے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کتاب کی اصل عبارت ہی کو مسخ کر دیا جائے یعنی اُس کے حروف اور الفاظ میں تغیر و تبدل کر دیا جائے یا اس میں کوئی دوسری چیز ملا لی جائے جیسا کہ علما یہود و قریطہ کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا اور یہ صریح تحریف لفظی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ الفاظ کی حرکات اعرابیہ کو اس طرح موڑ توڑ کر پڑھا جائے کہ معنی بدل جائیں اور کلام اصل معنی اور اصل حقیقت سے دور جا پڑے یہ دوسرے درجہ کی تحریف ہے اور یہود میں دونوں طرح کی تحریف شائع تھی کبھی اصل لفظ ہی کو بدل ڈالتے اور کبھی تلفظ اور قرارت میں ایسا تغیر و تبدل کرتے کہ جس سے لفظ کے معنی بدل جائیں۔

اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد یَحْسُبُوْا مِنْ اَنْکِتَابٍ اور پھر وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ یہ تاکید در تاکید اس امر کی صریح دلیل ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہود تحریف میں اس قدر جرمی اور دلیر ہیں کہ بے خوف و خطر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور بے باکی کا یہ عالم ہے کہ تعریض اور کنایہ پر کفایت نہیں کرتے بلکہ صراحت کے ساتھ تحریفیں کرتے ہیں اور علانیہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور بہتان لگاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ تحریف کرنے والے ایہام اور تعریض پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ صراحت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بالکل اللہ کی طرف سے نہیں نہ مراحتہ نہ اشارۃ نہ کنایۃ نہ تاویلاً نہ استنباطاً نہ لفظاً نہ معنی اور یہ لوگ بڑے ہی ڈھیٹ ہیں کہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور اُن کو یقین ہے کہ یہ ہمارا ملایا ہوا ہے۔ اللہ کی طرف سے بالکل نہیں۔

مسئلہ تحریف

کتب سابقہ کی تحریف کے بارہ میں جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ان میں تحریف لفظی ہوئی اور بعض شاذ و نادر علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے کتب سماویہ کے اصل حروف و الفاظ بعینہ محفوظ ہیں۔ جیسا کہ حضرت

دہب بن منبہ سے منقول ہے کہ توریت و انجیل اسی طرح محفوظ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اتارا تھا لیکن یہود تا دیلات فاسدہ کے ذریعہ سے گمراہ کرتے ہیں (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳)

علماء محققین سب اس طرف ہیں کہ توریت و انجیل میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے اور تحریف معنوی بھی اور اہل کتاب نے فقط تراجم میں نہیں بلکہ اصل کتاب میں تغیر اور تبدل کیا ہے کمی بھی کی ہے اور زیادتی بھی علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ دہب بن منبہ کا یہ قول اگر اُن سے صحیح اور ثابت بھی ہو جائے تو یہ محض ان کی رائے اور گمان ہے جو ناقص استقراء اور ناقص تتبع سے ناشی ہوا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور یہ امر بڑی ہی ہے کہ کتب الہیہ میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہوا ہے اور آج وہ اس طرح موجود نہیں جیسا کہ نزول کے وقت تھیں اور پھر علامہ آلوسی نے اس کے دلائل اور شواہد بیان کئے ہیں (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) حافظ ابن کثیر و دہب بن منبہ کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ دہب بن منبہ کے اس قول سے کہ اللہ کی کتابیں محفوظ ہیں ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کیا مراد ہے اگر ان کتابوں سے وہ کتابیں مراد ہیں جو فی الحال اُن کے ہاتھ میں موجود ہیں تو ان میں تو بلاشبہ تحریف اور تبدل اور کمی اور زیادتی سب موجود ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور اگر ان کتابوں کے تراجم مراد ہیں تو ان میں جو غلطیاں اور زیادتی اور کمی اور ادھام فاحشہ موجود ہیں تو وہ اس قدر کثیر ہیں کہ بیان سے باہر ہیں بلکہ اکثر بلکہ سب کا فہم اُن تراجم کے بارہ میں فاسد اور کاسد ہے اور اگر اس سے اللہ کی وہ کتابیں مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں تو بے شک اُن کو محفوظ کہا جاسکتا ہے مگر اب ان کا کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ان میں کلام ہے انتہی کلام ابن کثیر محصلاً (ص ۳۶ ج ۱)

اخرج ابن جریر عن عثمان بن عفان	حضرت عثمان غنی سے مروی ہے کہ
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
في قوله نُوِّلَ لَهُمْ مِمَّا كُتِبَتْ اَيْدِيهِمْ	لَهُمْ مِمَّا كُتِبَتْ اَيْدِيهِمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ
قال الوليل جبل في النار وهو الذي	ویل جہنم میں ایک پہاڑ ہے اور یہ فرمایا کہ یہ
انزل في اليهود لا نههم حرفوا التوراة	آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی اس لیے
زادوا فيها ما احبوا ومحووا منها ما	کہ یہود نے توریت میں تحریف کی توریت
يكرهون ومحووا اسم محمد صلى الله	میں جس چیز کا اضافہ پسند کیا اس کو توریت

عنه قال وهب بن منبه ان التوراة والانجيل كما انزلهما الله تعالى لم يغير منها حرف ولكنهم يضلون بالتحريف والتاويل وكتب كانوا يكتبونها من عند انفسهم ويقولون هو من عند الله وما هو من عند الله فاما كتب الله فانها محفوظة ولا تحول رواه ابن ابي حاتم - (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) و تفسیر ابن کثیر ص ۳۸ ج ۱

اصل عبارت یہ ہے واما كتب الله فانها محفوظة ولا تحول (ابن کثیر ص ۳۸ ج ۱)

عليه وسلم من التوراة

(تفسیر درمنثور ص ۸۲ ج ۱)

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ ج ۱)

اور ایک اور حدیث میں ہے۔

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا

تكذبوهم وقولوا امنا بالله

وما انزل الایة (بخاری)

میں زیادہ کر دیا اور جو چیز توریت میں ناپسند

ہوئی اُس کو توریت سے مٹا دیا اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کا نام بھی توریت سے مٹا دیا۔

اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب

اور یہ کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز

پر جو اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر اتاری گئی۔

اس لیے کہ اُن کی کتاب محرف ہے اور حق اور باطل مخلوط ہے یہ متعین نہیں کہ کونسا حصہ اللہ کا اتارا ہوا ہے اور کون سا حصہ ان محرفین کی طرف سے ملایا ہوا ہے لہذا اہل کتاب کی مطلقاً تصدیق مت کرو مبادا کہ اس سے ان کی تحریف اور ملاوٹ کی تصدیق ہو جائے اور نہ مطلقاً اس کی تکذیب کرو ممکن ہے کہ وہ بات اللہ کی طرف سے ہو تو اس تکذیب سے اللہ کی بات کی تکذیب لازم آئے گی اجمالی طور پر یہ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ نے جو اپنے پیغمبروں پر اتارا اس پر ایمان رکھتے ہیں اگر وہ حق ہو گا تو مَا أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ میں داخل ہو گا ورنہ نہیں باقی جو کتابیں اہل کتاب کے ہاتھ میں موجود ہیں ان میں چونکہ کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل سب کچھ ہو چکا ہے اور حق و باطل کا کوئی تمیز نہیں اس لیے ہم نہ اُن کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب اس لیے تمام علماء محققین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ موجودہ توریت اور انجیل محرف ہے جس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے کمی بھی ہوئی ہے اور زیادتی بھی ہوئی اور خود علماء توریت و انجیل کو بھی اس کا اعتراف اور اقرار ہے۔ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اس امر کا ذکر ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت اور لغت توریت اور انجیل میں مذکور ہے اور اسی طرح صحابہ کرام کے متعلق قرآن کریم میں منصوص ہے کہ ان کی صفات توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ کما قال تعالیٰ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ تَضَاعًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي دُجُوهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ حَقِّ تَعَالَىٰ كَإِشْرَافِهِمْ كَرَاهٍ كَرَامٍ کی یہ صفات توریت اور انجیل میں مذکور ہیں مگر موجودہ توریت و انجیل میں اس کا کہیں ذکر نہیں پس اگر توریت و انجیل کو تحریف لفظی سے محفوظ مانا جائے تو ان آیات قرآنیہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اور قرآن کریم میں جابجا کتب سابقہ میں تحریف کی خبر دی گئی وہاں سب جگہ تحریف لفظی ہی مراد ہے کیونکہ تحریف معنوی تو قرآن کریم میں بھی ہوئی ہے بلکہ ملاحظہ اور زنادقہ قرآن کی تاویلات باطلہ میں یہود اور نصاریٰ سے بھی سبقت لے گئے۔ سرسید علی گڑھی اور غلام احمد قادیانی کی تحریفات اور تاویلات کو دیکھ لیجئے یہود اور نصاریٰ کے بھی کان کتر لیے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

وَأَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ الحمد للہ قرآن کریم جس طرح تحریف لفظی سے محفوظ ہے اسی طرح تحریف معنوی سے بھی محفوظ ہے اس لیے کہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین کے بعد قرآن کریم کی مراد اس درجہ واضح ہو گئی ہے کہ اب اس میں کسی محد زندقہ کی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی فللہ الحمد والمنہ

جس شخص کو کتب سابقہ کی تحریف لفظی و معنوی کی پوری تفصیل درکار ہو تو وہ

اطلاع

ازالۃ الشکوک اور ازالۃ الادلہ اور اظہار الحق ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ

کیرانویؒ کی مراجعت کرے۔

ایک ضروری تنبیہ عبداللہ بن عباسؓ اور امام بخاریؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ تحریف معنوی کے قائل ہیں اس لیے کہ صحیح بخاری میں ہے۔

قال ابن عباس یحرفون ویزیدون
ولیس احد یزید لفظ کتاب
من کتب اللہ و لکنہم یحرفونہ
و یتاؤلونہ علی غیر تاویلہم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما یحرفون الکلم عن مواضعہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ وہ تحریف کرتے ہیں اور کتاب الہی کے الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور کسی مخلوق کی یہ مجال نہیں کہ اللہ کی کسی

کتاب کے کسی لفظ کو زائل اور فنا کر دے لیکن کتاب الہی میں تحریف اور اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔

اس عبارت سے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ عبداللہ بن عباسؓ تحریف لفظی کے منکر ہیں اور اسی کو امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔

یہ صحیح نہیں اس لیے کہ عبداللہ بن عباسؓ سے بطریق کثیرہ یہ منقول ہے کہ اہل کتاب نے توریت میں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات مذکور تھیں ان میں بڑا تغیر اور تبدل اور رد و بدل کر دیا تھا یہ روایتیں تفسیر درمنثور ص ۸۲ ج ۱ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہاں دیکھ لی جائیں۔

لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کتب سماویہ میں تحریف لفظی کے منکر ہیں خصوصاً جب کہ صحیح بخاری میں متعدد جگہ ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اے گروہ مسلمین تم اہل کتاب سے کیوں دریافت کرتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن) ابھی خدا کی طرف سے تازہ بتاؤ نازل ہوئی ہے اور خالص ہے اور اس میں ذرہ برابر کوئی آمیزش نہیں ہوئی اور تحقیق اللہ نے تم کو خبر دے دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کتب سابقہ میں بہت سی چیزیں ملاوٹ کی ہیں اور قرآن کریم خالص و مودھ ہے جس میں ذرہ برابر کسی قسم کی ملاوٹ نہیں۔

امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ کے قول کو ایک دوسری غرض سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے کسی مخلوق سے اس کا زائل کرنا اور فنا کرنا ممکن نہیں البتہ بندہ اس میں تاویل اور

تحریف کر سکتا ہے اور بندہ کا یہ فعل تاویل اور عمل تحریف حادث اور مخلوق ہے اس لیے کہ بندہ کے تمام افعال مخلوق اور حادث ہیں۔

امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں اسی غرض کے لیے متعدد تراجم اور ابواب رکھے ہیں سب سے مقصد یہی ہے کہ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کا جو فعل کلام خداوندی سے متعلق ہو یعنی بندہ کا تلفظ اور اس کی قرأت اور اس کی تلاوت اور اس کی کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں۔ یعنی کلام ملفوظ اور مقرر اور کلام متلو قدیم اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کا تلفظ اور قرأت اور کتابت سب حادث ہے اسی طرح بندہ کا یہ عمل یعنی تحریف اور تاویل فاسد بھی مخلوق اور حادث ہوگا۔

اہل کتاب کا حضرت انبیاء پر افتراء اور اس کی تردید

گزشتہ آیت میں یہ ذکر تھا کہ اہل کتاب اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اب اس آیت میں حضرات انبیاء پر اُن کی افترار پردازی کا بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب یہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ حضرات انبیاء نے ابنیت اور الوہیت کے عقیدہ کی تعلیم دی ہے چنانچہ عیسیٰ الوہیت مسیح اور تثلیث کے مسئلہ میں جب دلیل اور برہان کے پیش کرنے سے عاجز ہوتے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم کو ایسا ہی حکم دے گئے ہیں خود حضرت مسیحؑ نے اپنے کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے اور اس قسم کے اور کلمات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن سے اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ اور روح القدس کا شریک الوہیت ہونا ثابت کرتے ہیں اُنڈہ آیت یعنی مَا كُنَّا بِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ الْاِنْ اَنْ تَرَدِّدْ اور جواب میں نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کتاب اور حکمت دے کر بھیجتے ہیں وہ خدا پرستی ہی کی دعوت دیتا ہے یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی لوگوں کو اپنی بندگی کی طرف بلائے اور توریت اور انجیل میں صد ہا مقامات پر خدا پرستی کی صریح تعلیم موجود ہے لہذا تمہارا یہ کہنا کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے صریح کذب اور افترائے اور اُن کی تصریحات کے صریح خلاف ہے بلکہ حضرت مسیحؑ نے توحید کے بعد تم سے اس بات کا بھی عہد اور اقرار لیا تھا کہ جب تم نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور اُن کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت اور اعانت کرنا اور اُن کا وہی دین ہوگا جو تمام انبیاء و مرسلین کا دین ہے یعنی دین اسلام چنانچہ فرماتے ہیں کسی بشر کے لیے بشر ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور شریعت اور نبوت عطا فرمائیں باوجود اس کے پھر وہ لوگوں سے کہے اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اس لیے کہ بشر کے سامنے اپنی بشریت کی عاجزی اور در ماندگی ظاہر ہوگی اور عاجزی

اور در ماندگی کے ہوتے ہوئے ادنیٰ عقل والا بھی اپنی الوہیت کا گمان تک نہیں کر سکتا۔ اور پھر جس کو کتاب و حکمت اور نبوت عطا ہوگی وہ وہی شخص ہوگا جو لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دے بعثت کا مقصد ہی توحید و تفرید ہے جس کا امر بالشک کے ساتھ جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور لیکن وہ نبی تو یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ یعنی ایک خدا کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاؤ اس لیے کہ تم دوسروں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس وجہ سے بھی کہ تم خود بھی اس کتاب الہی کو پڑھتے رہتے ہو جو توحید و تفرید کی تعلیم سے بھری پڑی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ نبی تم کو ربانیت کے حکم کے بعد یہ حکم دے کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو پروردگار ٹھہراؤ۔ فرشتے اور پیغمبر معاذ اللہ خدا اور پروردگار نہیں بلکہ پروردگار تک پہنچنے کا واسطہ اور راستہ ہیں اور انبیاء کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں کیا وہ نبی تم کو کفر اور شرک کی طرف لوٹنے کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسی کی تعلیم و تلقین سے مسلمان اور موحد ہو چکے ہو۔ ابن اسحق اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب وفد نجران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی یہودی نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ایسی ہی پرستش کرنے لگیں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ اور اس پر مَا كَانَ لِبَشَرٍ مِّنْ مُّسْلِمُونَ تک آیت نازل ہوئی۔

شاہ صاحب موضح القرآن میں فرماتے ہیں یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارا نبی ہم کو کہتا ہے کہ بندگی کرو اللہ کی ہم تو آگے سے اسی کی بندگی کرتے ہیں مگر وہ (یعنی تمہارا نبی) چاہتا ہے کہ میری بندگی کرو سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نبی کرے اور وہ لوگوں کو کفر سے (یعنی غیر اللہ کی عبادت سے) نکال کر مسلمانی میں لاوے پھر اُن کو کیونکر کفر سکھا دے مگر تم کو (اے اہل کتاب) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ (اب تم میں باقی) نہیں رہی اب میری صحبت میں وہی کمال حاصل کرو۔ انتہی یعنی اب میری صحبت میں قرآن پڑھو اور پڑھاؤ اور سیکھو اور سکھاؤ اور عالم ربانی اور عارف یزدانی بنو۔

ف عبادت اور بندگی تو اللہ ہی کی ہے مگر اطاعت اور پیروی نبی کی بھی ضروری اور لازم ہے شاید اُس معترض نے عبادت اور اطاعت میں فرق نہ کیا اور اعتراض کر دیا کہ معاذ اللہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اپنی بندگی چاہتے ہیں یہ اعتراض بالکل لغو اور مہمل تھا عبادت اور اطاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے عبادت خالص اللہ کا حق ہے اور بے چون و چرا اطاعت اور پیروی نبی کا حق ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ

اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا

مِّنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ

کتاب اور علم پھر آدے تم پاس کوئی رسول کریم بتا دے

لِّمَا مَعَكُمْ لَتَتَّوِمُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ط قَالَ

تمہارے پاس والی کوتوالی پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا

ء أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ اٰصِرِي ط قَالُوْٓا

کہ تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر لیا میرا ذمہ ؟ بولے ہم

اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاَشْهَدُوْٓا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

نے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب شاہد رہو، اور میں بھی تمہارے ساتھ

الشَّٰهِدِيْنَ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ

شاہد ہوں ۸۱۔ پھر جو کوئی پھر جادے اس کے بعد، تو وہی لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲

ہیں بے حکم ۸۲۔

تذکیر ميثاق انبياء و توبیخ براکھرف ازاں

قَالَ تَعَالٰی وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ اے فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۱

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ عبادت اور بندگی خاص اللہ کا حق ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی

نبی اپنی بندگی کی تعلیم دے اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر

ایمان لائیں اور بے چون و چرا اُن کی اطاعت کریں اور ہر قسم کی ان کی مدد کریں ہر نبی کے زمانہ میں

ہر امت سے یہی عہد لیا گیا ہے جس سے اہل کتاب اعراض اور روگردانی کر رہے ہیں اور پختہ عہد کے بعد روگردانی کرنا صریح فسق ہے اور اس آیت کے اخیر میں فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ میں فسق سے یہی بد عہدی مراد ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے عہد و پیمان لیا پیغمبروں سے کہ البتہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت یعنی شریعت کا علم دوں اور پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جس کے ساتھ دلائل نبوت اور شواہد رسالت ہوں اور وہ رسول تصدیق کرنے والا ہو تمہاری اس کتاب اور شریعت کی جو تمہارے ساتھ ہے تو البتہ تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا اور فقط ایمان اور تصدیق پر اکتفا نہ کرنا بلکہ جان و مال سے اس کی پوری پوری مدد بھی کرنا اور اس کے دین اور شریعت کی تبلیغ اور ترویج میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھنا پھر اس عہد کے بعد مزید تاکید اور توثیق کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس کام پر میرے پختہ عہد و پیمان کو قبول کر لیا سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب شاہد اور گواہ رہو ایک دوسرے کے اقرار پر اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے گواہ ہوں۔ یہ تمام الفاظ عہد و میثاق کی تاکید و توثیق کے لیے فرمائے کہ جس عہد اور پیمان پر حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی گواہی ہو اور مدعا علیہ کا اقرار اور شہادت بھی اس کے ساتھ مقرر ہو تو اس دستاویز کے پختہ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے پس جو شخص پھر جائے ایسے پختہ عہد سے بھی جس پر خدا تعالیٰ کی اور اس کے تمام پیغمبروں کی گواہی ہو اور باوجود عہد اور اقرار کے نہ اس رسول پر ایمان لاوے اور نہ اس کی مدد کرے تو ایسے ہی لوگ پر لے درجہ کے بد عہد اور بدکار اور نافرمان ہیں جو ایسے پختہ عہد و پیمان کی بھی پرواہ نہیں کرتے جانتا چاہیے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرات صحابہ و تابعین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ میں رسول سے عام رسول اور عام نبی مراد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ میں رسول سے خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

تشریح قول اول اگر ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ میں رسول سے عام نبی اور پیغمبر کے معنی مراد ہوں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ہر نبی سے جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آئے یہ عہد لیا کہ جس کو ہم کتاب و حکمت دے کر بھیجیں اور اس کے بعد دوسرا نبی آئے جو پہلے انبیاء کی نبوت اور ان کی کتابوں اور حکمت کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کرنے والا ہو تو ضروری ہے کہ پہلا نبی بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے اور اس کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے یہ نہ ہو کہ پہلے نبی کا علم اور حکمت دوسرے نبی کی تصدیق اور نصرت سے مانع ہو اور اگر خود اس دوسرے نبی کا زمانہ نہ پائے تو اپنی امت کو اس کی پوری پوری ہدایت اور وصیت کر جائے کہ اگر بعد میں آنے والے پیغمبر کا زمانہ پاؤ تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ ایسی وصیت بھی آنے والے نبی کی نصرت اور اعانت میں داخل ہے۔

اور اس عموم میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی داخل ہوں گے کیونکہ جب عام طور پر اللہ تعالیٰ یہ

عہد لے چکا کہ جو نبی اپنے سے پہلی کتاب و حکمت کا مُصدق ہو اسکی تصدیق اور نصرت ضروری ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و نصرت بھی بطریق عموم اس عہد میں داخل ہوگی کیونکہ آپ بھی دلائل و شواہد کے ساتھ اللہ کے رسول ہیں اور سابقہ کتاب اور حکمت توریت و انجیل کے مُصدق ہیں۔ لہذا یہود و نصاریٰ کو اپنے انبیاء کے عہد و پیمان کی بنا پر آپ پر ایمان لا کر آپ کی مدد کرنی چاہیے مقصود یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو انبیاء سابقین کا عہد و پیمان یاد دلا کر ان کو معقول کیا جائے تاکہ معقول پسند طبعیتیں کفر اور انکار سے باز آکر آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔

تشریح قول دوم اور اگر شَرَّجَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّسُوْلِیْ مَحْدٍ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات مراد ہو تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور انبیاء نے اپنی قوموں اور امتوں سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں اور تم ان کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے آیت کے یہی معنی منقول ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آیات سابقہ سے لے کر آیت محولہ بالانکس برابر سلسلہ کلام آپ ہی کی نبوت کے اثبات میں چلا آ رہا ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کے نزدیک مختار اور راجح ہے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ شَرَّجَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّسُوْلِیْ حضرت علی اور ابن عباس کے قول کے مطابق خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں لفظ رسول اگرچہ نکرہ ہے مگر اشارہ معین اور مخصوص کی طرف ہے جیسے حق تعالیٰ کے قول صَرَّفَ اللّٰهُ مَثَلًا قُرْیَۃً کَانَتْ اِمَّةً۔ اَلْیَقُوْلُہ۔ وَلَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْہُمْ فَکَذَّبُوْهُ مِّنْ رَّسُوْلِیْ مَحْدٍ سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے (تفسیر قرطبی ص ۱۲۵ ج ۴)

دونوں قولوں میں فرق ان دونوں تفسیروں میں فرق یہ ہے کہ اگر رسول سے عام نبی کے معنی مراد ہوں تو اس سے مقصود یہ ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام باہم متحد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مُصدق اور معین و مددگار ہوتے ہیں جیسا کہ ایک بادشاہ ایک وقت میں دو عامل و مستقل و لایتوں میں بھیجے تو ہر عامل پر دوسرے عامل کے عمل اور ولایت کی تصدیق اور عند الضرورت اُس کی نصرت اور اعانت ضروری ہے اگرچہ دونوں ولایتوں کے قوانین اور احکام جزئیہ میں کچھ اختلاف ہو لیکن حکومت کے دستور اساسی میں دونوں متفق ہوتے ہیں البتہ صوبہ اور ولایت کے حالات مختلف ہونے کی وجہ سے مالیہ اور محاصل اور ٹیکس کے احکام ہر صوبہ کے الگ ہوتے ہیں۔

عَلِیْہِ السَّلَامُ قَالَ عَلِیُّ بْنُ ابِی طَالِبٍ وَابْنُ عَمْرِو بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ اِلَّا اَخَذَ عَلِیْہِ الْمِیثَاقَ لَنْ بَعَثَ اللّٰہُ مَحْمَدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَهُوَ حِیٌّ لِّیُؤْمِنَنَّ بِہٖ وَلِیَنْصُرَنَّہٗ وَامْرَاۃً اَنْ یَّاْخُذَ الْمِیثَاقَ عَلَیْہِ اَمَّتْہُ لَنْ بَعَثَ مَحْمَدًا وَہُمْ اَحْیَاءٌ لِّیُؤْمِنَنَّ بِہٖ وَلِیَنْصُرَنَّہٗ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۸ ج ۱)

ہاں اگر دو رسول بیک وقت ایک قوم میں بھیجے جائیں تو وہ دونوں شریعت کی ہر بات میں متفق ہوں گے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کی شریعت کے احکام بالکل ایک تھے اور اگر ایک نبی اور رسول دوسرے نبی اور رسول کے بعد آئے تو جائز ہے کہ بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے بہت سے احکام کو منسوخ کر دے مگر اصول دین میں تمام انبیاء و رسل ازل سے آخر تک متفق رہے ہیں اور دوسرے قول کی بنا پر اگر رسولؐ سے خاص حضور پر نورؐ کی ذات بابرکات مراد لی جائے تو مقصود آیت سے آپؐ کی سیادت اور خاتمیت کو بیان کرنا ہوگا کہ آپؐ تمام اولین اور آخرین کے سردار ہیں کہ آپؐ کے اتباع اور نصرت کا عہد تمام انبیاءؑ سے لیا گیا جیسا کہ شب معراج میں آپؐ نے انبیاءؑ کی امامت فرمائی اور قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کے مقام میں آپؐ ہی کھڑے ہوں گے اور تمام بنی آدم آپؐ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے یہ تو دلیل ہوئی آپؐ کی سیادت عامہ اور امامت کبریٰ کی۔ اور آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ کا تمام انبیاءؑ سے یہ فرمانا شروع ہوا کہ تم سب کے بعد ایک عظیم الشان رسول آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد سب کے بعد ہوگی۔ اور اس کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ یہی معنی خاتم النبیین کے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے پہلے نبی بن چکے ہیں۔ البتہ عمر اُن کی طویل ہے غیر زمانہ میں آپؐ کی امت کی مدد کے لیے آپؐ کی شریعت کے تابع ہو کر آسمان سے نازل ہوں گے۔

ف | یہ عہد یا تو عالم ارواح میں لیا گیا یا جس وقت حضرت آدمؑ کی پشت سے اُن کی ذریت کو نکالا گیا۔ اور پھر عالم شہادت میں ہر نبی کے زمانہ میں اس عہد کی تجدید ہوئی اور عہد الست کی طرح حضرات انبیاءؑ نے اس عہد کو یاد دلایا تاکہ یاد کے بعد اُس عہد کا ایفا کریں۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ

اب کچھ اور دین ڈھونڈتے ہیں سوائے دین اللہ کے، اور اسی حکم میں ہے جو

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا

کوئی آسمان اور زمین میں ہے، خوشی سے یا زور سے اور

إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ

اسی کی طرف پھر جا دیں گے۔ - تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور جو کچھ اُترا

عَلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ

ہم پر اور جو کچھ اُترا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور

إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ

اسحق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو

وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے

أَحَدٍ مِنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾ وَ

ان میں کسی کو اور اسی کے محکم پر ہیں :- اور جو

يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ

کوئی چاہے سوا حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا، اور

هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي

وہ آخرت میں خراب ہے :- کیونکہ راہ دے گا

اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا

اللہ ایسے لوگوں کو کہ منکر ہو گئے مان کر، اور بتا چکے کہ

أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ ۚ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَاللَّهُ

رسول سچا ہے، اور پہنچ چکے ان کو نشان - اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ

راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو :- ایسے لوگوں کی سزا یہ

أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ

ہے کہ ان پر لعنت اللہ کی، اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب

أَجْسَعِينَ ﴿۸۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

کی ۔۔ پڑے رہیں اس میں نہ ہلکا ہو اُن پر

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

عذاب، اور نہ ان کو فرصت ملے ۔۔ مگر جنہوں نے

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ

توبہ کی اس کے بعد، اور سنوار پکڑی تو البتہ اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ

بخشنے والا مہربان ہے ۔۔ جو لوگ منکر ہوئے ایمان کر پھر

ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ

بڑھتے رہے انکار میں، ہرگز قبول نہ ہوگی اُن کی توبہ اور

أُولَئِكَ هُمُ الصَّالُّونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

وہی لوگ ہیں راہ بھولے ۔۔ جو لوگ منکر ہوئے اور

مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

مر گئے منکر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا ایسے کسی سے

مِلٌّ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلِيُوَفِّيَهُ أُُولَئِكَ

زمین بھر کر سونا اگرچہ بدلہ دیوے یہ کچھ ۔ ان کو



لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۙ

دکھ کی مار ہے ، اور کوئی نہیں ان کا مددگار ۛ

خلاصہ حقیقت اسلام وعدم قبول غیر دین اسلام

قال تعالى أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ الے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۙ
توحید اور رسالت کے بعد دین اسلام کی حقیقت کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ اسلام اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین ہے اور اسلام ہی تمام کائنات کا دین ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے چلے آئے آخرت کی نجات کا دار و مدار یہی دین اسلام ہے اس کے سوا اللہ کے یہاں کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرماتے ہیں ۔

کیا یہ لوگ آئے والے رسول پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کا پختہ عہد اور پیمان کرنے کے بعد بھی اللہ کے دین کو چھوڑ کر کسی اور دین کو ڈھونڈتے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس نہیں کرتے کہ جس دین کی وہ رسول دعوت دے رہا ہے اس کو قبول کریں حالانکہ زمین و آسمان کے کل باشندے حق تعالیٰ ہی کے سامنے سر تسلیم دنیا زخم کیٹے ہوئے ہیں کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے یعنی زبردستی سے اور قیامت کے دن سب اسی کھٹرف لوٹائے جائیں گے ۔

ف احکام کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی جیسے نماز و روزہ جن میں بندے کے اختیار کو دخل ہے اور دوسرے تکوینی جیسے جلانا اور مارنا اور بیمار کرنا ۔ احکام تکوینیہ کے تو سب مسخر ہیں کوئی اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا ۔ کرمھٹا سے یہی تسخیری اطاعت مراد ہے اور طوعاً سے احکام تشریعیہ کی اختیاری اطاعت مراد ہے اور خوشی سے اطاعت کرنے والے فرشتے ہیں اور جن اور انس میں ایماندار لوگ ہیں کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں وہی تمام انبیاء کا دین ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم پر یعنی قرآن پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی

علیہ اشارہ اس طرف ہے کہ آیت میں ہمزة استفہام انکار اور توبیخ کے لیے ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ایتولون بعد میثاق الایمان والنصرۃ فغیر دین اللہ یبغون یا تقدیر اس طرح ہے ۔ ایفسقون فغیر دین اللہ یبغون ۔

اولاد پر جن کو خدا نے نبی بنایا اور جن پر خدا کی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے اور اس پر بھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دی گئی اور اس چیز پر بھی جو تمام پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی اور ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کا حال ہے کہ کسی کی تصدیق کریں اور کسی کی تکذیب سب خدا کے برگزیدہ اور فرستادہ تھے اور سب دین حق پر تھے۔ دین سب کا ایک تھا اور ان کی شریعتوں کے قوانین اور احکام میں جو اختلاف تھا وہ وقتی طور اسی زمانہ اور اس ملک اور اس کے باشندوں کے لحاظ سے تھا اور ہم سب اسی ایک خدا کے خالص فرمانبردار ہیں خالص خدا کی بندگی یہ دین اسلام کا خلاصہ ہے اور جو شخص اسلام کے سوا یعنی اللہ کی خالص بندگی کے سوا کوئی اور دین طلب کرے تو وہ دوسرا دین اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس لیے کہ یہ دین وہ دین نہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہو اور اس کو پسند کیا ہو اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہو گا یعنی اُس کی نجات نہ ہوگی اللہ کے حکم کے سامنے گردن ڈال دینے کا نام اسلام ہے اور یہی تمام انبیاء کرام کا دین اور مذہب ہے اس کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں۔

بیان حکم مرتدین اب تک ان لوگوں کا بیان تھا جنہوں نے اسلام میں داخل ہونے سے اعراض کیا اب آئندہ آیت میں اُن لوگوں کا بیان ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر گئے ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں پھر یہ مرتدین دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو اپنے کفر اور ارتداد پر قائم رہے اور ایک قسم وہ ہے جو تائب ہو کر پھر صدق دل سے اسلام میں واپس آگئے آئندہ آیات میں دونوں کا بیان آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت اور توفیق اور عنایت سے نوازے جو دل سے ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور زبان سے اس شہادت اور اس اقرار کے بعد کہ یہ رسول اللہ کے برحق پیغمبر ہیں اور بعد اس بات کے کہ ان کے پاس آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کی واضح دلیلیں اور روشن نشان پہنچ چکے ہیں اسلام سے پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا کہ اقرار کرنے کے بعد پھر جائیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ظالم سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہٹ دھرم اور ضدی ہیں ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ہوتی ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور تمام فرشتوں کی وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے اور ان پر تمام لوگوں کی لعنت ہے مومنین تو صراحتہ کفار پر لعنت بھیجتے ہیں اور کفار بھی حق بات نہ ماننے والے پر لعنت کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس لعنت کا مصداق وہ خود ہیں ہمیشہ رہیں گے اُس لعنت میں اور عذاب لعنت میں داخل ہونے کے بعد نہ تو عذاب میں ان سے کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی مگر جن لوگوں نے اس کفر اور ارتداد کے بعد توبہ کر لی اور اپنے ایمان کی اور اعمال کی اور نفس کی اصلاح کر لی اور خرابی کے بعد اُس کو درست کر لیا تو البتہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول

فرما کر اُن کے جرم سے درگزر کرے گا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار میں ایک شخص تھا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا پھر نادم ہو کر اپنی قوم سے استدعا کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کرو کہ میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے اس پر یہ آیت کُتِبَ بِهَا يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ تَدْعُوهُمْ إِلَى رَحْمَةٍ نَّازِلٍ هُوَئِي چنانچہ اس کی قوم نے اس کو بلوایا اور وہ پھر اسلام لایا۔ (نسائی وابن حبان وحاکم)

تحقیق جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں بڑھتے گئے اور ترقی کرتے رہے کہ مسلمانوں کے ستانے اور حق کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جان بوجھ کر اسلام کی دشمنی پر تلے رہے ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اس لیے کہ سمجھ بوجھ کر حق کی دشمنی کرنے والوں کو اول تو توبہ ہی نصیب نہ ہوگی جو قبول ہو اور اگر مرنے کے وقت یا اور کسی وقت کسی مصلحت سے ظاہری طور پر رسمی الفاظ توبہ کے محض زبان سے کہہ بھی دے مگر دل حق کی عداوت سے صاف نہ ہوا تو ایسی توبہ کہاں قابل قبول ہو سکتی ہے اور ایسے ہی لوگ کامل اور پورے گمراہ ہیں جن کے دل حق کی عداوت سے لبریز ہیں اور اگر کسی وقت زبان سے کوئی لفظ توبہ کا نکلتا ہے تو وہ کسی مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے جیسے آج کل کی سیاسی توبہ۔ یہی کمال گمراہی ہے کہ اس گمراہی کے مقابلہ میں گویا کوئی گمراہی نہیں کیونکہ یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں جن کی گمراہی سے نکلنے کی کوئی امید نہیں جیسے وہ بیمار جس کے اچھے ہونے کی امید ہو وہ اس بیمار کے مقابلہ میں کیا بیمار ہے جس کے شفاء پانے کی امید ہی نہ ہو تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور بدون توبہ کے کفر کی حالت میں مر گئے تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ایسے کسی شخص سے روئے زمین کے برابر سونا اگرچہ وہ سونے کی اتنی مقدار کو عذاب کے فدیہ اور معافیت میں لاکر پیش بھی کر دے اور یہ کہے کہ مجھ کو عذاب سے چھوڑ دو تب بھی نہیں قبول کیا جائے گا اور بدون پیش کیے تو پوچھتا ہی کون ہے یعنی اگر بالفرض والتقدير کافر کے پاس روئے زمین کے برابر سونا موجود بھی ہو اور بطور فدیہ کے عذاب سے رہائی کے لیے پیش بھی کرنا چاہے تب بھی قبول نہیں چہ جائیکہ خالی ہاتھ ہو اور ایک ذرہ کا بھی مالک نہ ہو تو ایسے کو کون پوچھتا ہے ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا جو ان کو عذاب خداوندی سے بچا سکے۔

ف کافروں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو کفر سے صحیح توبہ کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں۔ ایسے لوگوں کی توبہ قبول ہے اور اِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَاسْلَمُوا فَانَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے دوسرے وہ جو کفر سے توبہ تو کرتے ہیں مگر ان کی توبہ صحیح نہیں ہوتی بلکہ ان کی توبہ فاسد ہوتی ہے مثلاً یہ کہ دل سے توبہ نہ کریں محض زبان سے کسی مصلحت سے الفاظ توبہ کے کہہ دیں یا دقت نکلنے کے بعد توبہ کریں جیسے فرعون نے بالکل ڈوبتے وقت توبہ کی اسی طرح یہ لوگ ایسے وقت توبہ کریں جب موت بالکل سامنے آگئی تو ایسے لوگوں کی توبہ مقبول نہیں اس لیے کہ توبہ کی شرط مفقود ہے۔

دل میں ایمان نہیں۔ دل حق کی عداوت اور باطل کی محبت سے بریز رہے محض زبان سے یا کسی مصلحت سے توبہ کی جا رہی ہے یا توبہ کا وقت نکل چکا ہے اور وقت نکلنے کے بعد مجبور ہو کر توبہ کر رہے ہیں۔ اس آیت یعنی لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے اور تیسرے وہ کہ جو تمام عمر کفر پر قائم رہے اور دن بدن کفر میں ترقی کرتے رہے اور بالآخر بغیر توبہ کے مر گئے اس آخری آیت یعنی فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلُّ الْأَرْضِ ذُهْبًا ۱۶ میں یہی لوگ مراد ہیں پہلی آیت میں پہلی قسم کے کافروں کا حکم بیان ہوا اور دوسری آیت میں دوسری قسم کے کافروں کا اور اس آخری آیت میں تیسری قسم کے کافروں کا کہ ایسے لوگ اگر بالفرض والتقدير قیامت کے دن روٹے زمین کے برابر سونا بھی عذاب کے فدیہ میں دینا چاہیں تو وہ قبول نہ ہوگا اس لیے کہ آخرت میں ایمان اور اعمال صالحہ قبول ہوں گے مال و زر کی اس دن کوئی حقیقت نہیں۔

الحمد للہ کہ آج بروز دوشنبہ ۱۱ شوال ۱۴۶۸ھ بوقت چاشت شہر لاہور میں تیسرے پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فلله الحمد والمنة اللهم ونقنالا تمام التفسير وتقبله منا وتب علينا فانك انت السميع العليم وانك انت التواب الرحيم۔ آمین



ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دارالعلوم الحسینیہ شہدادپور کی مطبوعہ
تفسیر ”معارف القرآن“، مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
کی جلد اول از سورۃ الفاتحہ تا انتہاء پارہ سوم کے متن قرآن کریم
کو بغور پڑھا۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں
کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔
واللہ اعلم۔

علیہ السلام شہدادپور
۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ

